سلسلۂ دار المصنّفین

تاریخ
ارض القرآن

جلد اوّل

(تالیف)

مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمۃُ اللہ علیہ المتوفی سنہ ۱۳۷۳ھ

فہرست مضامین

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	دیباچہ	د - ط
	تاریخِ ارض القرآن (ب)	
	سرمایۂ ارض القرآن	۱
	ادبیاتِ اسلامیہ	〃
	۱۔ کتبِ تفسیر، ۲۔ تاریخِ عرب	۳، ۴
	۳۔ جغرافیہ عرب، ۴۔ انساب	۷، ۱۲
	۵۔ طمیت۔ ادبیاتِ اسرائیلیہ	۱۳، ۱۵
	ادبیاتِ یونانیہ و رومانیہ	۱۷
	اکتشافاتِ اثریہ	۲۳
	یمن، عسیر، جوف اور مآرب	۲۸-۲۹
	حضرموت، عمان، حجاز، نجد	۳۱-۳۳
	شمالی عرب، حدودِ سفر	۳۴-۳۶
	آثارِ عرب جو ان سیاحوں کو نظر آئے۔	۳۶
	آثارِ شہر پناہ و قلعہ، آثارِ بند (سد)	۳۷
	آثارِ حجریہ و نحاسیہ	۳۸
	مہر، سکہ، قیمتی پتھر، عماراتِ منہدمہ	۴۰

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	تاریخِ قدیم کے بعض اصول	۴۲
	اصولِ تعیینِ زمانہ، اصولِ تطبیقِ اسمار	۴۲-۴۳
	اصولِ اتحادِ اسمار والسنہ	۴۵
	انتباہات	۴۶
	جغرافیہ عرب	۴۸
	لفظِ عرب	〃
	جغرافیہ عرب از توراۃ	۵۲
	عہد عاد و ثمود و مدین و ایکہ وادوم	〃
	(از ۲۵۰۰ ق م تا ۸۰۰ ق م)	〃
	عرب کے نام۔ اقطاعِ عرب	۵۲-۵۳
	عرب کے شہر و مقامات۔	۵۴
	قبائلِ عرب	۵۶
	جغرافیۂ عرب از مصنفینِ یونان و رومان	۵۸
	ثمودِ ثانیہ، سبا، قوم تبع اور اصحاب الحجر	〃
	کا عہد، (۵۰۰ ق م تا ۲۰۰ء)	
	حدودِ عرب، اقطاعِ عرب	۵۹-۶۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	مقاماتِ عرب، قبائلِ عرب	۶۶-۶۳
	جغرافیۂ عہدِ قرآن	۷۳
	ملکِ عرب، حدودِ عرب	〃
	مساحتِ عرب، طبعی حالات	۷۴
	حاصلاتِ عرب، اقطاعِ عرب	۷۶
	عروض، نجد، یمن، حجاز	۸۶-۷۷
	دیگر مقامات	
	عربِ شام۔ عربِ عراق	۹۱-۹۰
	اقوامِ ارض القرآن	۹۲
	امم سامیہ	〃
	بنو یافث۔ بنو حام۔ بنو سام	۹۳
	امم سامیہ کا مسکنِ اوّل	۹۶
	مسکنِ اوّل سے ہجرت	۱۰۵
	امم سامیہ کے انساب	۱۱۱
	طبقاتِ انساب	〃
	شجرہ اقوام ارض القرآن مطابقت توراۃ	۱۱۳
	طبقۂ اولیٰ	۱۱۴
	امم سامیۂ اولیٰ	〃
	عاد، لفظ عاد، عاد کا زمانہ	۱۱۸
	عاد کا مقام، عاد کی سلطنتیں	۱۲۰-۱۱۹
	بیرونِ عرب	۱۲۱
	عربِ سامیہ یا عاد بابل میں	〃
	اہلِ عرب کا دعویٰ، اہلِ ایران کا بیان	۱۲۲-۱۲۱
	توراۃ کا بیان، اہلِ عراق کا بیان	۱۲۳-۱۲۲
	تحقیقاتِ جدیدہ، ۴۰۰۰ ق م	۱۲۶-۱۲۴
	حکومتِ کش و غشتمان و ارخ	۱۲۷
	حکومت اغاد، ۲۴۰۰ ق م	۱۲۹-۱۲۸
	عربِ سامیہ یا عاد مصر میں	۱۳۲
	روایتِ عرب، اہلِ مصر کا بیان	۱۳۳-۱۳۲
	قرآن توراۃ، تحقیقاتِ جدیدہ	۱۴۰-۱۳۶
	عربِ سامیہ	۱۴۶
	اسیریا۔ ایران۔ فنیقیہ۔ قرطاجنہ	۱۴۷-۱۴۶
	یونان و کریٹ	۱۴۷
	عاد اور قرآن	۱۴۹
	بعثتِ ہودؑ۔ تنبیہات	۱۶۱-۱۵۲
	اندرونِ عرب	۱۶۴
	عادِ ثانیہ یا عادِ عرب	〃
	حضرت لقمان، عادِ ثانیہ کی تاریخ اثری	۱۶۸-۱۶۵
	ثمود۔ صالحؑ۔ ثمود ثانیہ یعنی بقایائے ثمود	۱۸۴-۱۷۲
	جرہم۔ طسم وجدیس۔ اہلِ معین۔	۱۹۲-۱۸۶
	معین اور اکتشافاتِ جدیدہ	۱۹۵

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	معین کا زمانہ۔ معین اور یونانی مؤرخین	۱۹۸-۱۹۵
	معین کا دائرہ حکومت۔ شاہانِ معین	۲۰۳-۲۰۰
	بنی لحیان۔ مجہول قبائلِ سامیہ	۲۰۷-۲۰۴
	طبقہ ثانیہ	۲۰۸
	بنو قحطان (۲۵۰۰ ق م) المرداد۔ شلف	۲۰۹
	ہدورام۔ اوزال۔ وقلاہ۔ عوبال۔ ابی مائل	
	اوفر۔ حویلہ۔ یوباب۔ یارح یا یعرب	۲۱۳
	حصار موت یا حضر موت۔ حضر موت اور توراۃ	۲۱۶-۲۱۵
	حضر موت اور یونان۔ حضر موت اور آثار قدیمہ	۲۱۸-۲۱۶
	حضر موت اور اسلام	۲۱۹
	سبا	۲۲۰
	نام۔ زمانہ۔ دائرہ حکومت۔ سبا اور اس	۲۲۱-۲۲۰
	کی شاخوں میں امتیاز۔ فرمانروایانِ سبا۔	۲۲۳-۲۲۲
	مکارب سبا۔ ملوکِ سبا۔ سبا کی تقسیم و تنظیم	۲۳۱-۲۲۷
	سبا کے تمدنی و تجارتی حالات۔ سبا کی دولت و عظمت۔	۲۳۲-۲۳۱
	سبا کی عمارتیں۔ سدِ مارب۔ جنتین عن یمین و شمال	۲۳۸-۲۳۶
	جنتِ سبا اور قرآن مجید۔ سبا کی آبادیاں۔ ملکہ سبا	۲۴۲-۲۳۸
	ملکہ سبا اور قرآن مجید۔ بعض شکوک کا ازالہ۔	۲۵۰-۲۴۳
	سبا کا مذہب۔ سبا کا تفرق و انتشار۔	۲۵۵-۲۵۲
	بنو کہلان کیا قحطانی ہیں؟	۲۵۸
	حمیر	۲۶۰
	سبا کا طبقہ ثالثہ و رابعہ۔ قوم تبع و	
	اصحاب الاخدود۔ لفظ حمیر	؍؍
	۔ مملکتِ حمیر۔ حمیر کا زمانہ	۲۶۳-۲۶۲
	حمیر کے طبقات۔ شاہانِ حمیر	۲۶۵-۲۶۴
	طبقہ اولیٰ کے صحیح نام اور زمانے	۲۶۹
	طبقہ اول کے حالات سیاسی۔ طبقہ ثانیہ یا تبابعہ	۲۷۲-۲۷۰
	لفظ تبع۔ قرآن اور تبع	۳۷۳-۲۷۲
	تبابعہ کی تعداد۔ تبابعہ کے نام اور زمانے	۲۷۵-۲۷۴
	افسانہائے حمیر	۲۷۷
	تبابعہ کے تمدنی، سیاسی اور مذہبی حالات	۲۷۹
	اصحاب الاخدود	۲۸۱
	اصحاب الفیل (سبائے حبش)	۲۸۴
	حبش کی اصلیت۔ حبش و حمیر	۲۸۸-۲۸۴
	اکسوم کے نجاشی۔ یمن کا آخری سقوط	۲۸۹-۲۸۸
	عیسائیت اور یہودیت کا تصادم	۲۹۳
	ابرہۃ الاشرم۔ واقعہ فیل۔	۲۹۷-۲۹۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

احمدک یا من ”دحی الارض“ وبثّ فیہا رجالا کثیرا و نساءً ”واسکن“ بواد غیر ذی زرع ”من ذریتہم“ شعوبا و قبائل ”ذات العماد والبطش الشدید“ والبسط فی الخلق ”من قوم نوح و اصحاب الرس وثمود وعاد و فرعون واخوان لوط واصحب الایکۃ وقوم تبع۔ کل کذّب الرسل فحقّ وعید۔ ”فمزقہم کل ممزّق وجعلہم احادیث“۔ واصلّی واسلّم علی النبی الابراہیمی الاسمٰعیلی القیداری المضری القریشی الہاشمی وعلی صحبہ العدنانیین والقحطانیین اجمعین۔“

ارض القرآن آج مسلمانوں کا وطن تمام دنیا ہے تاہم مولدِ اسلام، موطنِ رسالت، مہبطِ قرآن دنیا کا صرف ایک ہی گوشہ ہے یعنی عرب جس کو مادّی زرخیزی کی محرومی نے گو ”بن کھیتی کی زمین“ (وادی غیر ذی زرع) کا خطاب دیا ہے لیکن جس کی روحانی سیرحاصلی کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ آج دنیا میں جہاں بھی روحانی کھیتی کا کوئی سرسبز قطعہ موجود ہے اسی کشتِ زارِ الٰہی کے آخری کسان کی تخم ریزی وآب سیری کا نتیجہ ہے۔

اس مہبطِ وحیٔ قرآنی اور موطنِ اوّل اسلام کی تقدیس اس بوڑھے پیغمبر (ابراہیم) کے نام سے ہے جس نے اپنے جوان بیٹے (اسماعیلؑ) کے خون سے اس ”بن کھیتی کی زمین“ کو سیراب کرنا چاہا لیکن جس کی سیرابی گردن کے خون سے مقدر نہ تھی بلکہ دل کے خون سے تھی۔ جب دل کا خون

اس پر برسا تو یہ شورہ و بے حاصل قطعہ حسبِ پیشنگوئی سابق لہلہا اٹھا :

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ	پیروانِ محمدؐ کی مثال توراۃ و انجیل میں یہ
فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ	ہے کہ وہ ایک کھیتی ہیں جس کا ڈنٹھل
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى	نکلا، مضبوط ہوا، تنہ پر کھڑا ہوا۔ کاشتکار
سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ	دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تاکہ کافر غمزدہ ہوں۔
الكفار۔	

(الفتح ۔ ۴۰)

اس زمین کے اکثر حصہ کی مادّی شوری و بے حاصلی، حکمتِ الٰہی کا مقتضا تھی کہ سلاطینِ عالَم کے دستِ حرص و ہوس سے اس ارضِ مقدس کی عصمت مصؤن رہے اور دستِ انسانی کے تمدّن و صنعت کی سیاہی سے اس کی لوح سادہ، پاک اور فطری۔ تاکہ خود فطرۃ اللّٰہ کا قلم صرف اپنے حروف و خطوط سے اس کی گلکاری کر سکے اور خدا کی فطرت کا خزانہ جو اس کھنڈر میں دفن تھا پیغمبر مذہبِ فطری کے وجود تک محفوظ رہے۔

تاریخ ارض القرآن سرزمینِ قرآن (عرب) کی تاریخ جس قدر بعد القرآن یعنی اسلام کے بعد روشن ہے، اسی قدر قبل القرآن یعنی اسلام سے پہلے تاریک ہے۔ قرآن مجید نے بر سبیلِ عبرت و اظہارِ واقعہ ملکِ عرب کی متعدد اقوام و اشخاص و انبیاء کے حالات مجملاً بیان کیے ہیں، لیکن عرب کی قوم تصنیف و تالیف سے آشنا نہ تھی اس لیے ان اقوام، اشخاص اور اقطاعِ ملک کے تاریخی، سیاسی، قومی، مذہبی اور جغرافیائی حالات کے بیان و تفصیل کی بنیاد مسلمان مصنّفین نے صرف غیر محتاط زبانی روایات پر رکھی ہے۔ لیکن اہلِ یورپ ان کے مقابل یونانی و رومانی سیّاحوں اور جغرافیہ نویسوں کے تحریری بیانات اور عرب کے آثارِ قدیمہ اور نقوش و کتبات پیش کرتے ہیں جو تنہا زبانی روایات سے ظاہر ہے کہ کہیں صحیح تر مأخذ ہیں۔ اس بناء پر انہوں نے عرب قبلِ قرآن کی تاریخ کے متعلق بالکل نیا عالم پیدا کر دیا ہے جو اُن کی نظر سے قرآن مجید کے

بیان اور عرب کی زبانی روایات نے عرب کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے مختلف ہے اور اس لیے ان کو اس میدان میں اعتراضات کی بڑی جولاں گاہ نظر آتا ہے۔

اس تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ قدیم و جدید معلومات کی تطبیق کے ساتھ ارض القرآن (عرب) کے حالاتِ مذکورہ کی اس طرح تحقیق کی جائے کہ معترضین کی صداقت اور معترضین کی لغزش علی الاعلان آشکارا ہو جائے۔

اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت سے شاید کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں عرب کی بیسیوں قوموں، شہروں اور مقامات کے نام ہیں، جن کی ہر قسم کی صحیح تاریخ سے نہ صرف عوام بلکہ علماء تک ناواقف ہیں اور نہایت عجیب بات ہے کہ تیرہ سو برس میں ایک کتاب بھی مخصوص اس فن پر نہیں لکھی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود مسلمانوں کو ان حالات سے ناواقفیت رہی اور دوسری طرف غیروں کو انہیں افسانہ Legend کہنے کی جرأت ہوئی۔ تورات میں ہزاروں اشخاص، اقوام، بلاد اور مقامات کے نام ہیں جو زمانہ کے تطاول اور زبانوں کے ادل بدل سے مجہول اور ناپدید ہو گئے ہیں لیکن علمائے نصاریٰ کی ہمت سزاوارِ آفریں ہے کہ وہ ارضِ تورات Land of Bible اور انسائیکلوپیڈیا آف بائیبل کے ذریعہ سے تین ہزار برس کے مردہ نام اپنی مسیحائی سے زندہ کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں بیس تیس اقوام و اشخاص سے زیادہ کا تذکرہ نہیں۔ تاہم ان کی تحقیق کے لیے مخصوص طور سے کوشش نہیں کی گئی۔ عموماً یہ مباحث تفسیر کے ضمن میں لکھے گئے یا تاریخِ عمومی میں مقدمہ کے طور پر مذکور ہوئے حالانکہ اس کی اہمیت مستقل بحث و تصنیف کی محتاج تھی۔

مقامِ عبرت ہے کہ ہماری مذہبی کتاب کی تحقیق و کاوش میں بھی اغیار نہایت کوشش و جانفشانی سے مصروف ہیں۔ جرمن، فرنچ، اٹالین اور انگلش مستشرقین نے "تاریخِ عرب قبلِ اسلام" پر محققانہ کتابیں لکھیں۔ یونانی و رومانی تصنیفات سے جو عرب قبلِ اسلام کے حالات سے پُر ہیں، انتخاب و خلاصہ کیا۔ قرآن مجید نے جن اقوام و بلاد کا ذکر کیا ہے ان کے کھنڈروں کا مشاہدہ کیا، ان کے کتبات کو حل کیا، اور ان سے عجیب و غریب نتائج مستنبط کیے۔

تاہم وہ مسلمان نہیں یہودی یا عیسائی ہیں۔ انہوں نے نہایت بے دردی سے قرآن کے فوائد کو پامال کیا ہے۔ بعض متعصب مستشرقین نے ان معلومات کو غلط طور سے قرآن کی مخالفت میں استعمال کیا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے وسط میں ریورنڈ فارسٹر Reverend Forster نے عرب کا تاریخی جغرافیہ *Historical Geography of Arabia* لکھا جس میں اس نے اپنی جہالت کے عجیب و غریب نمونے پیش کیے جن کو پڑھ کر کبھی ہنسی اور کبھی رونا آتا ہے۔ لیکن کیا کیجیے کہ ہماری غفلت سے وہ قرآن کہ صداقتِ تاریخی کا معیار ہے، بعض پادری قرآن کے تاریخی اغلاط کو پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کو پیش کرتے وقت افسوس ہے کہ توراۃ کو، جسے وہ معیارِ صحت سمجھتے ہیں بھول جاتے ہیں۔

نولدیکی Noldeke نے عمالقہ و عاد کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ غیر تاریخی قومیں ہیں۔ ولکن A. Welken اور روبرٹس اسمتھ R. Smith عرب کے ادعائے نسب کا انکار کرتے ہیں۔ عرب کے بعض اثری اکتشافات کی بنا پر یورپ کے بعض سُبک مغز مصنّفین جرأت کے ساتھ کہتے ہیں کہ "قرآن کے پہلے کا عرب قرآن کے بعد کے عرب سے ہزار درجہ بہتر تھا۔" لیکن سینٹ ہیلیر، ایک فرنچ مستشرق، نے نہایت خوب جواب دیا ہے کہ "اگر یہ صحیح ہوتا تو قرآن تمدّن و تہذیب کی عام ابتدائی تعلیمات اور کم از کم محرّمات نکاح کے بیان کی تکلیف گوارا نہ کرتا۔"

ان آثارِ قدیمہ کے اکتشاف نے ادیانِ عرب قبلِ اسلام کی معلومات میں نہایت سخت انقلاب پیدا کر دیا ہے جن سے اسلام کے مناقب و فضائل کا ایک نیا باب پیدا ہو گیا ہے۔

بہرحال نہایت ضرورت تھی کہ ہمارے دشمن جن جدید معلومات کو ہماری مخالفت میں صَرف کر رہے ہیں ان سے اپنی موافقت کے پہلو پیدا کیے جائیں۔

عہدِ قدیم میں مخالفین کے اعتراضات کا نشانہ اعتقادیات تھی لیکن اس عصرِ جدید میں جب ہمارے مخالفین عقائدِ اسلام کی مضبوطی کا امتحان کر چکے ہیں، انہوں نے یہاں سے ہٹ کر تاریخ و تمدّن کے میدان میں مورچے قائم کیے ہیں۔ ضرورت ہے کہ جس طرح ایرانی و یہودی مؤرخین کے مقابلہ میں ابن حنیفہ دینوری (المتوفی سنہ ۲۸۱ھ) ابن قتیبہ (المتوفی سنہ ۲۷۶ھ) اور ابن جریر طبری (المتوفی سنہ ۳۱۰ھ)

نے اسلام اور قرآن کی تاریخ کی تحقیق و تطبیق میں کوشش کی ، اس زمانہ میں جدید یورپین تاریخ کی اسلام و قرآن سے تطبیق دی جائے اور یورپین تاریخی تحقیقات و اکتشافات کی غلطی کا پردہ چاک کیا جائے ، اور خود ان ہی کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے ان کے حملوں کا جواب دیا جائے ۔

ان وجوہ سے کتبِ تفسیر و جغرافیہ و تاریخِ اسلامی کے علاوہ جدید یورپین تصنیفات کا بھی حوالہ دینا پڑا کیونکہ عرب کے آثارِ عتیقہ اور یونانی و رومانی تصنیفات کی دریافت کا جن سے قرآن کی ہر جگہ تصدیق ہوتی ہے ، کوئی اور مأخذ نہ تھا ۔ یہ تمام کتابیں انگریزی زبان کی ہیں جو یا اصلاً انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں یا جرمن و فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہیں ۔

کہیں کہیں کسی فرنچ کتاب کا حوالہ ہے ، اس کے لیے میں اپنے صدیقِ صمیم پروفیسر شیخ عبدالقادر ایم ، اے ، فیلو اینڈ لکچرار آف بمبئی یونیورسٹی و ممبر آف بمبئی ایشیاٹک سوسائٹی کا ممنون ہوں جنہوں نے میرے لیے ازراہِ عنایت فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ کرنے کی تکلیف گوارا کی ۔

ارض القرآن کے لیے توراۃ کی واقفیت نہایت ضروری تھی ۔ توراۃ کے اردو ، فارسی ، عربی اور انگریزی تراجم میرے پیشِ نظر تھے لیکن ناموں کے تلفّظ اور فقروں کے ترجمہ میں اس کثرت سے ان میں اختلاف بلکہ تضاد نظر آیا کہ خود اصل عبرانی کی طرف توجہ کرنی پڑی اور تین مہینے کی تعلیم میں اصل کی طرف مراجعت ایک حد تک آسان ہوگئی ۔ سبأ اور حمیر کے کتبات بھی عبرانی خط میں شائع کیے گئے ہیں اور زبان بھی تقریباً مابین عربی و عبرانی ہے ۔ یہ قلیل حرف شناسی اس مہم میں بھی کام آئی ۔

اقوام و بلاد کے صحیح مقامات کی تعیین کے لیے متعدد نقشوں کی ضرورت تھی ۔ اس فن میں باوجود بے بضاعتی کے اس خدمت میں نہایت محنت سے خود انجام دینا پڑا ۔

ان اجزاء کی ترتیب میں پورے تین برس صرف ہوئے ۔ لکھنؤ میں دفترِ سیرتِ نبویؐ کا جب میں اسسٹنٹ تھا تو اس موضوع کا خیال آیا ، بلکہ اصل میں سیرتِ نبویؐ کے دیباچہ ہی کے طور پر

اس کے لکھنے کی تحریک ہوئی۔ لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا میدان زیادہ وسیع اور کشادہ نظر آتا گیا تاآنکہ یہ بالکل مستقل ایک شے بن گئی۔

کتاب کا یہ پہلا حصہ ہے جس میں ارضِ قرآن کا جغرافیہ اور اقوامِ عرب کے سیاسی، تاریخی، نسبی اور قومی حالات سے بہ تطبیقِ قرآن بحث ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ عرب کی قوم نے اسلام سے پہلے بھی دنیا میں کیا کیا کارِ نمایاں انجام دیئے ہیں اور ان کے تمدّن نے یمن و شام و عراق میں کس حد تک وسعت حاصل کی تھی۔ کتاب کے دوسرے حصہ میں اقوامِ عرب کے السنہ، اَدیان، تجارت، طُرقِ تمدّن وغیرہ سے بحث ہوگی۔ خدا توفیق دے کہ وہ بھی جلد پیش کرسکوں۔ اپنی محنت و کاوش کے نتائج مسلمان پبلک کی نذر کرتا ہوں۔ واسئل اللہ تعالیٰ ان یرزقہ القبول ویقیض لہ الرواج۔

سیّد سلیمان ندوی

۲/ اپریل ۱۹۱۵ء

سرمایۂ ارض القرآن

ارض القرآن کے علم و تحقیق کے جو ذرائع پہلے موجود تھے اور جن سے مصنفینِ اسلام نے کام لیا ہے اور اب عصرِ جدید نے ان معلومات کے جو ذرائع پیدا کر دیئے ہیں اس فصل میں ان پر نظر و تبصرہ مقصود ہے۔ ارض القرآن کے لیے اس وقت چار ماخذ سامنے ہیں:-

۱- ادبیاتِ اسلامیہ	Mohammadan Literature
۲- ادبیاتِ اسرائیلیہ	Jewish Literature
۳- ادبیاتِ یونانیہ و رومانیہ	Greek And Roman Literature
۴- اکتشافاتِ اثریہ	Archeological Literature

۱- ادبیاتِ اسلامیہ

قرآن مجید نے اقوامِ عرب کا تذکرہ صرف عبرت و بصیرت کے لیے کیا ہے۔ اس بناء پر ان اقوام کے وہ جغرافی و تاریخی و سیاسی حالات جن سے قرآن کے موضوع کو کوئی تعلق نہیں ہے، قرآن مجید نے نظر انداز کر دیئے ہیں۔ بلکہ بعض ایسی قومیں بھی ہیں جن کا قرآن مجید نے بلا تشریحِ خبر و حال صرف نام لے دیا ہے۔

عہدِ نبویؐ میں صحابہ چونکہ اپنے ملک و قوم کی تاریخ سے واقف تھے اور نیز اس لیے کہ اس تاریخ سے اسلام کو مذہبی حیثیت سے کوئی تعلق نہ تھا، اس سے کوئی بحث نہیں کی۔

لیکن اس عہد کے آخری حصہ میں جب قرآن نے عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز حصوں میں ظہور کیا جہاں لوگ ان قوموں اور ملکوں کے حالات سے واقف نہ تھے

توضرورت ہوئی کہ ان کے جغرافی وسیاسی وتاریخی حالات کی جستجو کی جائے۔ اس وقت جو سامان اس کام کے لیے ہاتھ آسکا وہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) قرآن مجید: خود قرآن مجید میں ان قوموں کے جو حالات بیان ہوئے تھے۔

(۲) روایاتِ تفسیر: مفسرین کرام نے ان آیات کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے جو حدیثیں نقل کی ہیں لیکن صحیح طور سے ان کی تعداد بہت کم ہے۔

(۳) اسرائیلیات: ان اقوام میں سے اکثر کا ذکر توراۃ میں مذکور تھا۔ اس بناء پر یہود ان سے واقف تھے۔ مسلمان اور یہودیوں نے اپنی معلومات و روایات کی بناء پر تشریح کی۔

مفسرین کی روایات کا تمام ترمبنیٰ اسرائیلیات ہیں۔ وہب بن منبہ، کعب الاحبار، ضحاک، سُدّی، کلبی، واقدی، مدائنی، مجاہد، عکرمہ وغیرہ ان روایات کے ماخذ ہیں۔ وہب اور کعب خود اصلاً یہود تھے اور دیگر حضرات یہودیوں کے خوشہ چین۔ یہودیوں سے روایت کوئی بری چیز نہیں ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان یہودیوں کے معلومات کی بناء جس قدر تورات اور اسفار پر تھی اس سے زیادہ عام رطب ویابس زبانی کہانیوں پر ہے۔ اس لیے اکثر یہ روایات صحیح الماخذ نہیں اور اسی لیے ان میں ہزاروں بے سروپا باتیں موجود ہیں جو اصل روایت کے رُو سے تمام تر ضعیف بلکہ جھوٹ ہیں۔

ابن مردویہ، دیلمی، مجاہد، مقاتل بن سلیمان اور ابن جریر طبری کی تفسیروں کی بناء ان ہی حکایات و روایات پر ہے جن کا اصولاً کوئی اعتبار نہیں۔ ضحاک، سدی، کلبی، ہیثم، ابن عدی واقدی، مدائنی جو ان روایات کے ناقل یا مصنف ہیں، اسماء الرجال کی کتابوں میں ناقدینِ حدیث نے ان کی دروغ بیانی، کذب اور ضعف کو بتصریح لکھا ہے۔ عکرمہ، وہب بن منبہ اور کعب الاحبار بھی جرح مفصل سے بَری نہیں۔

ان تمام بزرگوں کا سرمایۂ علم یہودی روایات ہیں جن کی بناء توراۃ، نبییم، ترگوم اور تالمود ہے اور بعض عام گپیں بھی ہیں۔ یہ تمام کتابیں عام طور سے ملتی ہیں، اس لیے ان

روایاتِ منقولہ کی بجائے خود اصول و متون کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ ان کتابوں کا ذکر ادبیاتِ اسرائیلیہ میں آتا ہے۔

(۴) سب سے عام ذریعہ زبانی خاندانی روایات ہیں جو نسلاً بعد نسلاً عربوں میں محفوظ چلے آئے، تا آنکہ بعد اسلام وہ کتابوں میں مدوّن ہو گئے۔ مسلمانوں کے اصولِ روایت کے رُو سے گو یہ ذریعۂ علم زیادہ محفوظ نہیں لیکن جو خاندانی روایتیں متفقاً اور بلا انکار اور بے شک و شبہہ عرب میں عام طور سے مشہور تھیں اور جن کا ذکر فخراً ہر موقع پہ کیا گیا اور کسی نے ان کے انکار و نفی کی وجہ نہ پائی، وہ گویا درحقیقت تواتر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن کی تردید اصولِ تاریخ کے رُو سے محال ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قسم کا تواتر چند موٹے موٹے واقعات و حالات (مثلاً حضرت اسماعیلؑ کا مکّہ میں قیام، کعبہ کی بناء، قریش کا عدنان تک کا نسب نامہ، قریش کا اسماعیلی خاندان سے ہونا، چند قبائل بائدہ اور امرائے حیرہ و غسان، ملوکِ یمن اور شیوخِ حجاز، کے بعض نامکمل اور اوپری حالات) کے سوا اور واقعات میں نہیں۔

(۵) اطلاع کا اس سے اور زیادہ محفوظ ذریعہ عرب کے اشعار و امثال ہیں، جن میں فخر و مباہات، مدح و ستائش اور اظہارِ شجاعت و بہادری کے سینکڑوں تاریخی واقعات اور رسوم و عادات کا ذکر ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ گراں قیمت سرمایہ ہمارے پاس اسلام سے چند صدی پیشتر سے زیادہ کا نہیں ہے۔ تاہم قبلِ اسلام کے بہت سے خاندان ان کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مؤرخ طبری نے عاد کے حالات میں لکھا ہے کہ "بعض ایرانیوں نے عاد سے انکار کیا ہے حالانکہ اشعارِ جاہلیت میں ان کا تذکرہ نہایت کثرت سے ہے۔ اگر خوفِ تطویل نہ ہوتا تو میں ان کو نقل کرتا۔"

بہر حال مسلمانوں نے اپنے عہد میں اس سرمایہ کی تدوین و ترتیب حسبِ ذیل صورتوں میں کی:۔

(۱) **کتبِ تفسیر** تفسیر کی کتابوں میں آیاتِ متعلقہ کے تحت میں ان کو لکھا۔ اس قسم کی

تفسیریں یہ ہیں :-

تفسیر مجاہد بن جبیر	المتوفی سنہ ۱۰۳ھ
تفسیر مقاتل بن سلیمان	المتوفی سنہ ۱۵۰ھ
تفسیر ابراہیم بن معقل النسفی	المتوفی سنہ ۲۹۵ھ
تفسیر ویلمی	المتوفی سنہ
تفسیر ابن جریر طبری	المتوفی سنہ ۳۱۰ھ
تفسیر ابن ابی حاتم	المتوفی سنہ ۳۲۷ھ
تفسیر ابن حیان	المتوفی سنہ ۳۶۹ھ
تفسیر ابن مردویہ	المتوفی سنہ ۴۱۰ھ
تفسیر بغوی	المتوفی سنہ ۵۱۶ھ

(۲) تاریخِ عرب ابتدائی مؤرخین جن کا سلسلہ حضرت معاویہؓ کے عہد سے شروع ہو گیا تھا عبید بن شریہ، ابو عبیدہ، عوانہ بن حکم، ہشام کلبی، قاضی ابو البختری اور ابن ہشام ہیں۔ یہ وہ مصنفین ہیں جنھوں نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں خالص عرب کی قدیم تاریخ لکھی۔ ان کی تصنیفات کے نام یہ ہیں[1] :-

(۱) عبید بن شریہ : کتاب اخبار الملوک الماضیین، کتاب کے نام کا ترجمہ ہے "گذشتہ بادشاہوں کے حالات"۔ یہ امیر معاویہ کا معاصر تھا۔ اس کتاب کے اقتباسات مسعودی میں جا بجا ہیں۔

(۲) ابو عبیدہ : کتاب مغارات قیس والیمن، کتاب خبر عبد القیس، کتاب مناقب باہلہ، کتاب مکہ والحرام، کتاب بیوتات العرب، کتاب مآثر العرب، کتاب مآثر غطفان، کتاب قصۃ الکعبہ، کتاب الخمس من قریش، کتاب الاوس والخزرج اور کتاب ایام بنی یشکر۔

(۳) مبرّد : کتاب ایام بنی مازن، کتاب قحطان و عدنان۔

---

[1] کتاب الفہرست ابن ندیم باب الاخباریین صفحہ ۵۴ - ۸۹ طبع یورپ

(۴) ہشام کلبی : کتاب من نقل من عاد و ثمود و العمالیق و الجراہم و بنی اسرائیل من العرب، کتاب ملوکِ کندہ، کتاب طسم و جدیس، کتاب عاد الاولیٰ و الثانیہ، کتاب تفرق عاد، کتاب اصحاب الکہف اور کتاب الحیرۃ۔

(۵) قاضی ابو البختری : کتاب طسم و جدیس۔

(۶) ابن ہشام : سیرت نبوی کے مقدمہ میں عرب قدیم کی تاریخ اور کتاب التیجان[1] کے نام سے ایک الگ کتاب لکھی۔

(۷) چوتھی صدی کی بہترین تصنیفات : اس باب میں ابن الحائک ہمدانی ایک عرب جغرافیہ نویس کی دو کتابیں "صفۃ جزیرۃ العرب" اور "اکلیل" ہیں۔ پہلی کتاب عام جزیرۂ عرب کا جغرافیہ ہے۔ یہ کتاب کیڈن میں چھپ گئی ہے۔ دوسری کتاب الاکلیل صرف یمن کی تاریخ ہے۔ اکلیل کا کامل نسخہ اب تک کہیں نہیں ملا ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا پروفیسر مولر D. H. Muller کی کوشش سے شائع ہوا ہے۔ کتاب دس ابواب[2] پر منقسم ہے۔

باب اوّل : ابتدائے خلقت اور عرب و عجم و حمیر کی قوموں کے سلسلہ ہائے نسب۔

باب دوم : الہمیسع بن حمیر کی اولاد کا سلسلۂ نسب۔

باب سوم : قحطان کے فضائل۔

باب چہارم : یعرب بن قحطان سے لیکر تُبّع ابو کرب کے زمانہ تک کی تاریخ۔

باب پنجم : تُبّع ابو کرب سے ذو نواس تک کی تاریخ۔

باب ششم : ذو نواس سے عہدِ اسلام تک کی تاریخ۔

باب ہفتم : جھوٹے قصے اور خلافِ عقل واقعات۔

باب ہشتم : حمیر کے عمارات، سلاطین، لڑائیاں، مقبرے اور ان کے اشعار، نقوش اور کتبات۔

---

[1] اب یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن نے چھاپ دی ہے [2] طبقات الامم لابن صاعد اندلسی صفحہ ۹۱-۹۲ مطبع مصر

باب نہم : حمیری زبان کی ضرب الامثال اور حمیری خط۔

باب دہم : حمیر کے خاندانِ ہمدان کے حالات۔

یورپ میں اس کتاب کا اکثر حصہ برٹش میوزیم لندن اور رائل لائبریری برلن میں موجود ہے۔ مستشرقینِ یورپ اس کتاب کی بڑی قدر کرتے ہیں اور عرب کی تاریخِ قدیم کے متعلق اس سے زیادہ مستند اور کوئی حوالہ نہیں سمجھتے۔ ہمدانی چونکہ حمیری زبان سے واقف تھا اس لیے آثار و کتبات کو وہ پڑھ سکتا ہے اسی لیے اس باب میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

(۸) علقمہ بن علکم ایک شاعر نے قصیدۂ نونیہ میں حمیر (قوم تُبّع) کے حالات اور عام عمارات کے ناموں کو نظم کیا ہے۔

(۹) نشوان بن سعید الحمیری (۵۷۳ھ) نے قصیدۂ حمیریہ کے نام سے حمیر کی تاریخ نظم کی ہے جس میں زیادہ تر سلاطین کے نام ہیں۔

نشوان نے خود، یا اسی عہد کے ایک دوسرے مسلمان عالِم نے، اس قصیدہ کی نثر میں شرح لکھی ہے۔ ابن سعید حمیری کی سب سے عجیب و غریب تصنیف شمس العلوم ہے جو گو ایک لغت کی کتاب ہے لیکن الفاظ متعلق حمیر و یمن کے ضمن میں بہت سے حمیری الفاظ اور ناموں کی تصیح کی ہے اور ان کے معنی لکھے ہیں۔ لفظ مسند کے تحت میں خطِ مسند حمیر کے حروفِ ہجاء لکھے ہیں جن سے مستشرقینِ یورپ کو حمیر و سبا کی تاریخ کی ترتیب اور کتبات کے پڑھنے میں بہت مدد ملی ہے۔

کتاب التیجان، قصیدۂ حمیریہ، شرح قصیدہ حمیریہ اور شمس العلوم یہ تمام نادر سرمایہ بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ قصیدۂ حمیریہ کو الفریڈ وان کریمر A. Von Kremer ایک مستشرق نے شائع بھی کر دیا ہے۔ شمس العلوم کا ایک عمدہ نسخہ اسکوریال لائبریری میں بھی موجود ہے۔[1]

---

[1] اس کتاب کے طبع اول کے بعد ۱۹۱۶ء میں اس کتاب کا منتخب حصہ متعلق تاریخِ یمن ڈاکٹر عظیم الدین کی جمع و ترتیب سے گب میموریل سیریز لندن میں شائع ہوا ہے۔

اسلامی ذخائرِ علمی کا جو سرمایہ ہمارے پاس موجود اور مطبوع ہے اس کے رُو سے عرب قدیم کا سب سے پہلا مؤرخ ابن اسحاق (المتوفی سنہ ۱۵۱ھ) ہے جو اس وقت ابن ہشام (المتوفی سنہ ۲۱۸ھ) کی روایت سے موجود اور اس کی تصنیف کتاب السیرۃ کا جزو ہے۔ اس کے بعد مؤرخینِ اسلام نے بھی عموماً اپنی تاریخ کی تمہید میں تاریخ عرب و بنی اسرائیل کے ضمن میں اشخاص و اقوامِ قرآن سے بحث کی ہے۔ بہر حال مؤرخینِ اسلام میں جن کی تصنیفات موجود اور مطبوع ہیں، اس موضوع کے متعلق خاص اہمیت حسبِ ذیل اشخاص کو حاصل ہے:-

نام	سنہ وفات	نام تصنیف	مقام طبع
ابن ہشام	سنہ ۲۱۸ھ	کتاب السیرۃ	مطبوعہ یورپ و مصر
ابو الولید ازرقی	سنہ ۲۲۳ھ	اخبارِ مکّہ	مطبوعہ یورپ و مصر
ابنِ قتیبہ	سنہ ۲۷۶ھ	کتاب المعارف	مطبوعہ یورپ و مصر
ابن واضح یعقوبی	سنہ ۲۷۷ھ	تاریخ یعقوبی	مطبوعہ یورپ و مصر
ابو جعفر طبری	سنہ ۳۱۰ھ	تاریخ الرسل والملوک	مطبوعہ یورپ و مصر
حمزہ اصفہانی	سنہ ۳۷۰ھ	تاریخ سنی ملوک الارض	مطبوعہ یورپ و مصر
مسعودی	سنہ ۳۴۶ھ	مروج الذہب	مطبوعہ یورپ و مصر

یہ عرب کے قدیم مؤرخین ہیں۔ متأخرین میں صرف دو شخص قابلِ ذکر ہیں:

ابو الفداء	سنہ ۷۳۲ھ	المختصر فی اخبار البشر	مطبوعہ یورپ و مصر
ابن خلدون	سنہ ۷۳۲ھ	کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر	مطبوعہ یورپ و مصر

(۳) جغرافیۂ عرب مسلمانوں میں جغرافیہ کی ابتداء خود عرب سے ہوئی ہے کہ وہ ان کا وطن تھا اور اس کی ابتداء انہوں نے اس وقت کی جب یونانیوں کے لفظ "جغرافیہ" سے بھی ان کو واقفیت نہ تھی۔ انہوں نے گو خاص طور سے مخصوص قرآن کا جغرافیہ نہیں لکھا لیکن

جغرافیۂ عرب کے ضمن میں قرآن کے بہت سے مقامات کا نشان دیا۔ عرب کا ایک ایک پہاڑ، تالاب، وادی، چراگاہ، شہر، گاؤں، پڑاؤ، عمارت غرض ملکِ عرب کے ایک ایک ذرہ کو گن ڈالا اور اس کے حالات جغرافی اور توپوغرافی Topography طریقے سے مدوّن کیے۔

اس فن پر دو قسم کی کتابیں ہیں۔ ایک وہ جن میں مخصوص طور پر صرف عرب کا جغرافیہ ہے۔ دوم وہ جن میں دیگر ممالک کے جغرافیہ کے ساتھ عرب کا بھی تذکرہ ہے۔

اوّل قسم کی کتابیں حسبِ ذیل ہیں:۔

مصنّف	سنہ	تصنیف	کیفیت
ابوزیاد کلابی	اواخر سنہ ۲۰۰ھ	کتاب النوادر	کتاب کے چند ٹکڑے ہیں۔ ایک عرب کے جغرافی حالات پر ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں جغرافیہ کی سب سے پہلی کتاب ہے
نضر بن شمیل	سنہ ۲۰۳ھ	کتاب الصفات	کتاب کا دوسرا ٹکڑا عرب کے خیمہ گاہوں، گھروں، پہاڑوں اور گھاٹیوں کے بیان میں ہے۔
ہشام بن محمد کلبی	سنہ ۲۰۶ھ	کتاب البلدان، کتاب الاقالیم	
ابوسعید الاصمعی	سنہ ۲۱۳ھ	کتاب جزیرۃ العرب	پہلی کتاب عام جغرافیۂ عرب پر معلوم ہوتی ہے
		کتاب میاہ العرب	دوسری صرف عرب کے تالابوں کے بیان میں ہے۔
سعدان بن مبارک	اوائل سنہ ۳۰۰ھ	کتاب الارضیین والمیاہ والجبال	زمین تالاب اور پہاڑوں کے بیان عرب کے گھاٹوں، آبادیوں اور گھروں کے بیان میں۔
ابوسعید حسن السکری	اواخر سنہ ۳۰۰ھ	کتاب المناہل والقریٰ والابیات	عرب کے گھاٹوں، آبادیوں اور گھروں کے بیان میں۔

مصنّف	سنہ	تصنیف	کیفیت
عمر بن رستہ	اواخر سنہ ۳۰۰ھ	الاعلاق النفیسہ	فصل سات جغرافیہ میں ہے۔ ایک ٹکڑا متعلق صنعاء سمیٹک اسٹڈی سیریز نمبر آٹھ میں ریچرڈ گوتھائیل نے چھاپا ہے۔
ابنِ حائک ہمدانی	سنہ ۳۲۰ھ	صفۃ جزیرۃ العرب	جغرافیۂ عرب میں بڑی محققانہ کتاب، عرب کے اقطاع، اقوام، قبائل، حیوانات، راستوں، پہاڑ، تالاب، چراگاہ، وادی، معدنیات، آثارِ قدیمہ، مقامات، قبائل، بُعدِ مسافت وغیرہ کے بیان میں۔ کتاب لیڈن میں بتمامہ سنہ ۱۸۱۹ء میں چھپ گئی ہے۔
ابوزید بلخی	سنہ ۳۴۰ھ	کتاب البلاد والاخبار	فصل تیرہ عرب کے جغرافیہ اور اس کی مساجد، راستے اور اس کے عجائب و آثار کے بیان میں ہے۔ فرنچ مستشرق کلمان ہوا نے اس کو شائع کیا ہے۔
ابوسعید حسن الیرانی	سنہ ۳۶۸ھ	کتاب جزیرۃ العرب	
حسن بن محمد المعروف بالخالع	سنہ ۳۸۰ھ	کتاب الاودیہ والجبال	عرب کے پہاڑوں اور وادیوں کے بیان میں
محمود بن عمر زمخشری	سنہ ۵۳۸ھ	کتاب الامکنہ والمیاہ والجبال	عرب کے مقامات، تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں۔ (یہ کتاب اب چھپ گئی ہے)

مصنّف	سنہ	تصنیف	کیفیت
البکری	سنہ ۴۸۷ھ	معجم ما استعجم	مقاماتِ عرب کے بیان میں۔ گوٹنجن میں چھپی ہے۔
سیوطی	سنہ ۹۱۰ھ	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ و البقاع	چھ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ عرب کے تمام مقامات کا استقصاء ہے۔ ملخّص از معجم یاقوت۔
دوسری قسم کی کتابیں یہ ہیں۔			
ابن خرداذبہ مصنّف	(موجود) سنہ ۲۵۰ھ	کتاب المسالک والممالک	یورپ میں چھپی۔ وسطِ کتاب میں تیمن کے نام سے عرب کا ذکر کیا ہے۔
ابنِ فقیہہ ہمدانی	سنہ ۲۹۰ھ	کتاب البلدان	یورپ میں چھپی۔ بابِ ۲ در ذکر مکّہ، طائف، مدینہ، یمامہ، یمن
ابنِ واضح یعقوبی	اواسط سنہ ۳۰۰ھ	کتاب البلدان	یورپ میں چھپی۔
اصطخری	سنہ ۳۴۰ھ	کتاب المسالک والممالک	یورپ میں چھپی۔ باب اوّل ذکرِ جغرافیۂ عرب۔
مسعودی	سنہ ۳۴۶ھ	مروج الذہب	یورپ اور مصر میں چھپی۔
ابن مردویہ	سنہ ۳۵۲ھ	معجم البلدان	قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد و بانکی پور، مرتب بہ ترتیبِ حروفِ ہجاء، عرب کے حسبِ ذیل شہروں کے حالات ہیں۔ ام القریٰ، بحرین، عام عرب، عمان، مدینہ۔
ابن حوقل	سنہ ۳۶۲ھ	کتاب المسالک والممالک	یورپ میں چھپی۔ باب اوّل عرب

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
			کے جغرافیۂ پہاڑ، ریگستان اور راستوں کے بیان میں۔
ابوالنباء بشاری	سنہ ۳۷۵ھ	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	یورپ میں چھپی۔ عرب کے صوبوں، قصبوں، گاؤں، عمارات، معدنیات اور کھنڈروں کے بیان میں۔
ادریسی	سنہ ۵۴۵ھ	نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق	اس کے جو ٹکڑے چھپے ہیں ان میں عرب کا ذکر نہیں۔
یاقوت	سنہ ۶۲۳ھ	معجم البلدان	مصر میں چھپی۔ دس جلدوں میں بہ ترتیب حروف عرب کے تمام مقامات، پہاڑ، تالاب اور وادیوں کا ذکر ہے اور اکثر کا طول بلد و عرض بلد لکھا ہے۔
ذکریا قزوینی	مولود سنہ ۶۷۴ھ	آثار البلاد	یورپ اور مصر میں چھپی۔ مختصر کتاب بہ ترتیب اقالیم ہے۔ ہر اقلیم میں عرب کا جو حصہ پڑتا ہے اس کا ذکر ہے۔
شمس الدین دمشقی	سنہ ۷۲۷ھ	نخبۃ الدہر فی عجائب البرّ والبحر	یورپ میں چھپی۔ باب سات فصل دس عرب کے عام جغرافیہ، حدود، صوبوں، شہروں اور قلعوں کے بیان میں۔
ابوالفداء	سنہ ۷۳۲ھ	تقویم البلدان	یورپ میں چھپی۔ فصل اوّل میں عرب کی بیالیس آبادیوں کا ذکر کیا ہے اور ان کا طول بلد و عرض بلد لکھا ہے۔

ان تمام کتابوں میں ابن خرداذبہ کے سوا قرآن پاک کے مقامات کا ذکر جہاں آیا ہے، ان کی تفصیل مذکور ہے۔

(۴) انساب اگر توراۃ کو الگ کر دیا جائے تو دنیا میں عرب ہی ایک ایسی قوم ہوگی جس نے سلسلۂ نسب و انساب کو ایک فن دیا۔ ایک عرب کے نزدیک میزانِ مفاخرت میں شرافتِ نسب سب سے گراں قدر ہے۔ اس بناء پر عرب میں بچہ بچہ اپنے نسب کا یاد رکھنا ضروری سمجھتا تھا کہ اظہارِ فخر کے موقع پر اپنے کرمِ نسب کا ثبوت پیش کر سکے۔ شعرائے عرب کو اکثر قبائل کے سلسلۂ انساب کا محفوظ رکھنا اس لیے ضروری تھا کہ مدح و ہجو کے موقع پر اس کا ذکر کر سکیں۔ زمانۂ جاہلیت میں اور بعد اسلام بھی عرب میں بہت بڑے بڑے علمائے انساب گذرے ہیں جو عرب کے تمام قبائل کے اور اکثر ہر قبیلہ کے مشاہیر کے نسب سے واقف تھے۔ تدوینِ علوم کے زمانہ میں یہ فن بھی مدوّن ہوا اور علمائے انساب نے اس پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ابتدائے اسلام میں دغفل بکری، لسان الحمرۃ، عبید بن شریہ اور بعد کی ابتدائی صدیوں میں ابن کواء، قبر قبی، عوانہ بن حکم، ابو الفطان، ہشام کلبی، محمد بن سائب کلبی، مدائنی، فاکہانی، مصعب بن عبداللہ زبیری، زبیر بن بکار، مصنف انساب قریش، اصمعی، ابو عبیدہ، ابن ہشام مصنف انساب حمیر و ملوکہا، مبرد اور ازرقی اور متاخرین میں بلاذری، سمعانی، ابن حزم اور قلقشندی وغیرہ اس فن کے امام[1] تھے۔ گو ہم کو یہ معلوم ہے کہ ان کی روایات میں یقینی صحت کا شائبہ بہت کم ہے لیکن اس سے زیادہ ہے جتنا روبرٹسن اسمتھ Robertson Smith اور نولدیکی Noldeke کو نظر آتا ہے۔

نولدیکی کہتا ہے:

> "اب علماء کے لیے موقع آگیا ہے کہ ان طفلانہ خیالات کو پسِ پشت ڈال دیں جو چاہتے ہیں کہ عربوں کی کتبِ انساب کو جن کو محمد کلبی اور اس کے بیٹے ہشام کلبی نے گڑھا ہے، مان لیں تاکہ باہم قبائلِ عرب قدیمہ و جدیدہ کے تعلقات تحقیق و یقین کے ساتھ ظاہر ہوں۔ کیا یہ بات عقل

---

[1] دیکھو کشف الظنون ج ۱ ص ۱۲۳ اور فہرست ص ۵۱۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۸۹۔

یں آسکتی ہے کہ تمام قبائل بنی قیس جو وسط ملکِ عرب میں آباد ہیں وہ صرف ایک شخص کی نسل سے ہوں یعنی قیس کی، جو مسیح سے کچھ پہلے تھا۔ اس لیے ہماری تحقیق یہ ہے کہ کوئی قبیلہ درحقیقت اپنے اس پدرِ اوّل سے واقف نہیں جس کی طرف وہ منسوب[1] ہے۔"

روبرٹسن اسمتھ کہتا ہے :

"یہ محقق ہو چکا ہے کہ چند قبائل زمانۂ ماضی غیر قدیم میں کسی تاریخی شخص کی طرف منسوب نہ تھے[2]۔"

ہم کو ان دونوں محققوں سے سوال کا حق ہے کہ اس عام بے اعتباری کے دلائل کیا ہیں ؟ عرب کے ایک ایک قبیلہ کے لیے ضروری تھا کہ دوستوں کی مدح اور دشمنوں کی ہجو کے لیے انساب محفوظ رکھے۔ عرب کا ہر وہ قبیلہ جو غیر پدر کی طرف انتساب کرتا عرب میں حقیر و ذلیل سمجھا جاتا اور بطور نشان ملامت کے اس کا نام لیا جاتا تھا۔ شعرائے عرب مختلف مواقع کے لیے انساب کے زبانی یاد رکھنے پر مجبور رہتے تھے۔ کیا ان واقعات کے بعد بھی اس عام بے اعتباری کی کوئی مناسب وجہ ہے ؟ بنو قیس کی طرح چھ سو برس کی مدت میں ایک شخص کی اولاد سے چند بطون و قبائل کا پیدا ہو جانا کوئی محال امر نہیں ۔

طوطمیت یورپ کے ان علمی توہم پرستوں کے انکارِ انساب کی بنیاد مسئلہ طوطمیت Totism پر ہے۔ طوطمیت اس کا نام ہے کہ "اشخاص و قبائل کا اپنے کو دیویوں، ستاروں، حیوانوں اور درختوں کی طرف منسوب کرنا۔" قدیم زمانہ میں جب انسان بچہ تھا، جب کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا تھا تو وہ انسانوں کی ولدیت سے نکل کر دیویوں کی نسل قرار پاتا تھا۔ وہ دیویاں خواہ ستارے ہوں یا حیوانات ہوں یا درخت ہوں۔ ہندوؤں میں سورج بنسی اور چندر بنسی وغیرہ قبائل تھے۔ جو اپنے کو انسانوں کے نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب کے بیٹے کہتے تھے۔ اس لیے سورج اور چاند کے متعلق یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ اس قبیلہ کے مورث اوّل کا نام ہے بلکہ وہ اس قبیلہ کی دیوی کا نام ہے۔

قبائل عرب میں بھی بنو شمس وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں اور حیوانات کے نام تو بکثرت آتے

---

[1] و [2] دیکھو الاموۃ عند العرب مترجم از جرمن مؤلفہ G. A. Wilkin مطبوعہ قازان (روس) صفحہ ۵۔

ہیں، جیسے بنو اسد، بنو فہد، بنو ثعلب، بنو کلب، بنو نمل، بنو عجل وغیرہ۔ نظریۂ طوطمیت کے مطابق شمس، اسد، فہد، ثعلب، کلب، نمل، عجل، اشخاص تاریخی نہیں ہیں اور نہ ان قبائل کے مورثِ اوّل کے نام ہیں بلکہ یہ ان ستاروں اور حیوانوں کے نام ہیں جن کی پرستش وہ قبیلے کرتے تھے اور ان ہی کی طرف اپنے کو منسوب سمجھتے تھے۔

لیکن یہ محض علمی توہّم پرستی ہے۔ عرب میں کبھی اس قسم کا خیال نہیں پیدا ہوا۔ اس خیال کی پیدائش عراق، ہندوستان، مصر اور یونان کی میتھالوجی (علم الاصنام) میں ممکن ہے۔ اس قسم کے نام عرب میں صرف چند ہیں اور جو ہیں ان میں کلب (کتّا) نمل (چیونٹی) ثعلب (لومڑی) کون سی گرامی قدر ہستیاں ہیں جن کے انتساب سے خاندان کی بنیاد قائم ہو۔ اور یہ اُس قسم کے نام ہیں جن سے اس زمانۂ روشن کا طبقۂ متمدّن بھی خالی نہیں۔ تم نے بعض انگریزوں کے نام فوکس Fox یعنی لومڑی، بُل Bull یعنی بیل سُنے ہوں گے۔ کیا یہ بھی طوطمیت ہے؟

ادبیاتِ اسرائیلیہ

یہودیوں میں حضرت موسیٰؑ کے عہد سے ۶۰۰ء تک جو ظہورِ اسلام کا زمانہ ہے، متعدد کتابیں وحیٔ الٰہی یا قوّتِ انسانی سے ترتیب پائیں اور چونکہ قرآن مجید اور یہ کتبِ اسرائیلیہ ایک ہی مقصد سے انسانوں کو دی گئیں، اس لیے ان میں اکثر حالات و قصص کا باہم اشتراک ہے۔ اس سلسلہ میں ایک عجیب نکتہ و اضافہ و اسقاط ہے جو قرآن نے ان کتابوں کے مطالب میں کیا ہے۔ جہاں قرآن نے اسقاط کیا ہے حقیقت میں وہ شے وحیٔ الٰہی یا مقصودِ قرآنی سے خارج تھی اور ہر شخص کو نظر آئے گا کہ وہ خارج کرنے کے لائق تھی۔ اور جہاں اضافہ ہے درحقیقت وہ اس واقعہ کا اصل نکتہ تھا جس کو ان کتابوں نے جن میں انسان کے ہاتھوں نے کام کیا ہے، گرا دیا تھا اور قرآن نے جو تکمیلِ کتب اور وحیٔ اوّلین کی تصدیق و تصحیح کے لیے آیا تھا، اس کو اپنے موقع پر جگہ دی۔

ادبیاتِ اسرائیلیہ کا مجموعہ توراۃ، کتبیم، نبیم، ترگوم، مدراش اور تالمود سے عبارت ہے۔

توراۃ ایک عبری لفظ ہے جس کے معنی شریعت اور قانون کے ہیں۔ اس نام کا اطلاق حضرت موسیٰؑ کی پانچ کتابوں پر ہوتا ہے یعنی سفرتکوین (در ذکرِ بدءِ کائنات، آدم و حوّاؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، اسماعیلؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ) سفرخروج (در ذکرِ موسیٰؑ، فرعون، بنی اسرائیل و تفصیل قانون) سفرالاحبار (شریعت و قانون، حلال و حرام) سفرالعدد (در ذکر تعداد بنی اسرائیل، وقت خروج از مصر و غزواتِ موسیٰ و بعض احکامِ شریعت) سفرالاستثناء (در ذکر قوانین و احکام شریعت)۔

نبیم نبی کی جمع بقاعدۂ عبری "ی" اور "م" کے ساتھ ہے۔ عربی قاعدہ سے نبیین کہنا چاہیے۔ نبیم، انبیائے بنی اسرائیل کے کلام و مواعظ مراثی کا مجموعہ ہے جن میں بہت سی تاریخی باتیں بھی ضمناً مذکور ہیں۔ خصوصاً سفر یوشع و سفرالقضاۃ و سفر سموال و سفرالایام و سفرالملوک کہ ان میں صرف

تاریخی واقعات ہیں۔ اکثر توراۃ کا اطلاق توراۃ اور نبیم دونوں پر ہوتا ہے اور ان میں سے بعض کو کتبیم کہتے ہیں۔

ترگوم یا ترجوم یعنی ترجمہ و بیان۔ ترگوم آرامی زبان میں توراۃ و نبیم کی تفسیر و توضیح کا نام ہے جو ربّیوں (ائمۂ یہود) نے انبیاء کی زبانی یادداشت و روایات کی بنا پر کی۔ اس کی تصنیف کا زمانہ چھ سو قبل مسیح سے سنہ ۱۰۰ء تک ہے۔

مِدراشس کا درجہ ہمارے ہاں کی احادیث کا ہے۔ لفظ مدراس اور عربی "درس" ایک چیز ہے۔

تالمود یا تلمود فقہ اسرائیلی ہے جس کی بنیاد کتب سابقہ پر ہے اور جس کی ترتیب ابواب پر قائم کی گئی ہے۔ (لفظ تلمود عربی میں تلمیذ ہے جس کے معنی تعلیم و علم کے ہیں۔)

یہود کے ہاں یہ تمام کتابیں مستند ہیں۔ نصاریٰ صرف کتبیم اور نبیم کو تسلیم کرتے ہیں اور ان ہی کے مجموعہ کو وہ عہدِ عتیق کہتے ہیں۔ ان کتابوں پر تفصیلی بحث و نقد اور اسلام میں ان پر اعتبار اور ان کے اختلاف نسخے، یہ بیانات کسی دوسری جلد میں مشرحاً ان شاء اللہ مذکور ہوں گے۔ اس وقت یہاں ان کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ چونکہ ارض القرآن کو ان کتابوں سے نہایت شدید تعلق ہے اور ان کا ذکر بار بار آئے گا اس لیے ان کا اجمالی علم ناظرین کے پیش نظر رہے۔

اسلام میں جو اسرائیلیات کا سرمایہ ہے وہ زیادہ تر ان ہی ترگوم، مدراس اور تالمود سے ماخوذ ہے۔

ادبیاتِ یونانیہ و رومانیہ

یونانی اور رومانی مؤرخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے جستہ جستہ اور متفرق طور پر ان ملکوں اور قبیلوں کا ذکر کیا ہے جن کا قرآن میں نام ہے۔ ان میں سے بعض مصنفین خود ان قبیلوں اور قوموں کے معاصر تھے اس لیے ان کی اطلاع قابلِ اطمینان ہے۔ ان کا سلسلہ ہیرو ڈوٹس (المتوفی ۴۰۶ ق م) سے چھٹی صدی عیسوی کے مؤرخوں تک ختم ہوتا ہے۔ ان مؤرخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں میں ہیرو ڈوٹس (۴۰۶ ق م) تھیوفراسٹس (سنہ ۳۱۲ ق م) ڈیڈوریس (۸۰ ق م)، اسٹرابو (۲۴ ق م)، پلینی (سنہ ۷۹ء)، پریپلوس (سنہ ۸۰ء)، بطلیموس (سنہ ۱۴۰ء) قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے ہیرو ڈوٹس، ڈیڈوریس، اسٹرابو، پلینی اس باب میں مشہور ہیں اور بطلیموس مشہور تر۔

ہیرو ڈوٹس مسیح سے چار سو برس قبل تھا۔ اس نے یونان و ایران کی تاریخ لکھی ہے اور اسی ضمن میں مصر، افریقہ اور عرب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یونان کا تعلق گو عربوں سے براہ راست نہ تھا، لیکن یونان و فارس کے باہمی محاربات میں عربوں نے اہلِ فارس کا ساتھ دیا تھا۔ اس لیے اس قوم کا ذکر ضروری ہوا۔ چنانچہ ہیرو ڈوٹس نے اسی حیثیت سے عربوں کا ذکر کیا ہے۔ ہیرو ڈوٹس کی تاریخ کا عربی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔

ملکِ عرب کی نسبت ہیرو ڈوٹس کا علم نہایت نامکمل تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عرب سب سے آخری جنوبی ملک ہے جس کے بعد کوئی آبادی نہیں۔ دوسری طرف وہ خلیجِ فارس سے جو عرب کو فارس سے علیحدہ کرتی ہے، ناواقف تھا اس لیے اس کا بیان ہے کہ عرب کی زمین فارس کی زمین سے ملحق ہے۔

ہیرو ڈوٹس کے ایک صدی بعد اسکندر اعظم ایران و مصر پر حملہ آور ہوا اور اس طرح

اس کے ساتھیوں کو ۳۲۵ ق م میں خلیج فارس اور سواحلِ عرب کا علم ہوا۔ اس نے چاہا کہ عرب کی غیر مفتوح زمین کو بھی اپنے قبضۂ اقتدار میں لائے۔ لیکن دوسرے سال وہ خود موت کے قبضہ میں تھا۔ تاہم چونکہ اب یونانیوں کا مصر و فارس سے حاکمانہ تعلق پیدا ہو چکا تھا اس لیے اسکندریہ اور خلیج فارس میں عرب تاجروں سے ان کو اکثر واقفیت کا موقع ملا۔ اس زمانہ میں عرب یمن میں "معین" "سبا" اور "قتّاب" کی اور حجاز و بطرا میں "نبط" کی حکومتیں قائم تھیں، جن کے ساتھ ان کے دوستانہ و دشمنانہ تعلقات مختلف اوقات میں قائم رہے۔ ان وجوہ سے عرب کے متعلق پہلے سے وہ کچھ زیادہ جان سکے۔

اراٹستھینس Eratosthenes (المتوفی ۱۹۶ ق م) نے جو یونانیوں کے عہد میں کتب خانہ اسکندریہ کا مہتمم تھا، اسکندر کی مہماتِ سفر سے جو نتائج تازہ معلوم ہوئے تھے، ان کے اضافہ کے ساتھ جغرافیۂ عام کی ایک کتاب لکھی۔ اس کی اصل کتاب گو ضائع ہو گئی، لیکن اس کے بعد ایک اور یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو نے اس کتاب کے چند ابواب اپنے جغرافیہ میں نقل کر لیے تھے۔ خوش قسمتی سے ان میں ایک عرب کا باب بھی محفوظ ہے۔ اراٹستھینس نے یمن کے قبائل سبا و معین اور ان کے تمدن کا اور نیز قبائل حضرموت کا اور عرب کارواں کے ان راستوں کا جو براہ قریہ Gerrhai خلیج فارس کو اور براہِ تہامہ راس خلیج عقبہ کو پہنچتے ہیں ذکر کیا ہے۔ اراٹستھینس کے تقریباً سو برس کے بعد سسلی کا مشہور مؤرخ ڈیوڈورس (المتوفی ۸۰ (المتوفی ۸۰ ق م) پیدا ہوا جس نے عرب کے بعض حالات کا نشان دیا۔ نبط کی حکومت کا ذکر کیا اور سب سے عجیب یہ کہ کعبۂ مکرمہ کی طرف بھی اس نے اشارہ کیا[1]۔ افسوس ہے کہ اس کی کتاب کا زیادہ تر حصہ تلف ہو گیا ہے۔

عرب قدیم قوموں میں اپنی معدنیات اور موتیوں کے لیے مشہور تھا اور تقریباً اسی کے واسطے سے چین کے مصنوعات اور ہندوستان کے خوشبودار عطر اور مسالہ مصر و شام

---

[1] گبن، جلد ۴، باب ۴۰۔

دیونان و رُوم پہنچا تھا۔ اَب یونانیوں کے بجائے، پالٹیکس کی بساط پر رُومی آگئے تھے انہوں نے رومی سردار آلیس گالوس Aelius Gallus کی ماتحتی میں جنوبی عرب پر حملہ کیا اور عرب کا ایک حصہ انہوں نے فتح بھی کیا، لیکن عرب کے بے آب و گیاہ صحرا سے شکست کھاکر خود ان کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

اسٹرابو Strabo (المتوفی ۲۴ ق م) نے اپنی جغرافی تصنیف میں رومیوں کی اس مہم کا حال لکھا ہے۔ اس مہم میں نبطیوں کے علاوہ عرب کے دوشہروں کے نام آتے ہیں، نگرانا Negrana اور ماریبا Mariaba جو صحیح طور سے نجران اور شہر مارب ہیں۔

اسٹرابو کے بعد پلینی Plieny (المتوفی سنہ ۷۹ء) کا نام لینا چاہیئے جو کتاب تاریخ طبعی Natural History کا مصنّف ہے۔ اس نے عرب کے مشرقی سواحل کا اور خصوصاً اس مہم کا ذکر کیا ہے جو رومیوں نے مشرقی سواحل کے اکتشافات کے لیے روانہ کی تھی۔

پلینی کے سو برس بعد دوسری صدی عیسوی میں اسکندریہ کا مشہور ہیئت دان و جغرافیہ نویس بطلیموس Ptolemy پیدا ہوا۔ اس وقت رومن طاقت اپنے عروج و کمال پر تھی۔ بطلیموس نے تمام دنیائے معمور و معلوم کا ایک نقشہ تیار کیا اور پھر اس نقشہ کی تشریح و تفصیل کے لیے جغرافیہ میں ایک کتاب[1] لکھی۔

اصل نقشہ گو مفقود ہو گیا لیکن اس کی شرح اب تک موجود ہے۔ اور اَب جو نقشے بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عموماً ہپارخوس Hipparchus اور اراٹستھینس Eratosthenes کی تقلید کی ہے۔ لیکن بعض امور کا اس نے اضافہ بھی ضرور کیا ہے

---

[1] عربی میں اس کتاب کا پہلا ترجمہ یعقوب کندی کی فرمائش سے ہوا۔ لیکن یہ اچھا نہ تھا اس لیئے پھر ثابت ابن قرہ نے تیسری صدی ہجری میں اس کا دوسرا ترجمہ کیا کتاب الفہرست، صفحہ ۲۶۸، طبع لیپزک

مثلاً سب سے پہلے اسی نے عالم کو طول بلد اور عرض بلد پر منقسم کیا اور پھر ان خطوط کے
ذریعہ سے اس نے مقامات کی تعیین کی۔ اسی لیے بطلیموس کی یہ تصنیف باعتبار جغرافیہ طبعیہ
Natural Geography یا جغرافیہ وصفیہ Discriptive Geography
کے جغرافیہ فلکیہ Astronomical Geography سے زیادہ قریب ہے۔

بطلیموس نے خود عرب کی سیاحت نہیں کی تھی۔ اسکندریہ اس زمانہ میں عرب تاجروں
کا مرکز تھا۔ اس نے ان ہی تاجروں اور کاروانوں سے دریافت کیا کے عرب کا جغرافیہ ترتیب
دیا۔ پہلے اس نے عرب کو تین طبعی ٹکڑوں پر تقسیم کیا ہے، عرب سعید یا عرب آبادان Arabia
Felix یعنی یمن و حضرموت یا جنوبی عرب شمالی عرب کے دو ٹکڑے کیے ہیں، عرب
سنگستان Arabia Petra اور عرب ریگستان Arabia Deserta

بطلیموس نے عام طور سے عرب کے مشہور قبائل، شہر، گاؤں، پہاڑ، سواحل، تجارتی
منازل اور تجارتی راستوں کو بیان کیا ہے۔ صرف عرب آبادان میں اس کے بیان کے مطابق ۱۱۴
آبادیاں تھیں، لیکن چند ناموں کے سوا اب ان قبائل و منازل کے نام خارج از فہم ہیں اور
جو فہم میں آتے ہیں وہ موجودہ صحیح عربی ناموں کے بالکل غیر مطابق ہیں۔ یہ واقعہ ہے، لیکن اس
کے اسباب کیا ہیں اس میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔

ایک مشہور مصنف بن بری نے Bunbury بطلیموس کے اس ٹکڑے
سے عام بداعتقادی ظاہر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ صرف فرضی اور مصنوعی ناموں کا مجموعہ ہے۔
لیکن جرمن مستشرق اسپرنگر Springer نے قدیم جغرافیہ عرب۔ Ancient Geography of Arabia میں جو ۱۸۷۵ء میں شائع ہوئی، نہایت قابلیت سے بطلیموس کے ناموں
اور مقاموں کا عرب جغرافیہ نویسوں اور موجودہ سیاحوں کے بیانات سے مقابلہ کیا ہے
اور ان کی صحت ثابت کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چند ناموں کے سوا اور تمام
ناموں کی تطبیق بہ تکلف ہو سکتی ہے اور اس کی مثالیں ہماری کتاب میں جا بجا ملیں گی۔

بطلیموس کے جغرافیہ کے متعلق آج سے ایک ہزار برس پہلے مسلمان جغرافیہ نویس مسعودی اور پھر اس کے تین سو برس بعد دوسرے عرب جغرافیہ نویس یاقوت حموی خود ہی شکایت کر چکے ہیں[1]۔ اور خاص عرب کے متعلق یہ شکایت اور زیادہ اس لیے نمایاں ہو جاتی ہے کہ قبائل عرب بدویانہ زندگی کے عادی ہیں اس لیے ان کے مقامات کی تعیین نہایت مشکل ہے۔ پھر بطلیموس کی قافلوں اور کاروانوں کی زبانوں سے ان کی تحقیق اور یونانی حروف و لہجہ میں ان کی تعبیر اور پھر انقلابات و حوادثِ روزگار کا تواتر کاتبوں کی جہالت اور ناآشنائی فن، ان وجوہ سے قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ایک لفظ اپنے صحیح مخرج سے کہاں سے کہاں جا پڑا ہوگا[2]۔

ان یونانی، صل اور رومانی النسب مصنّفین کے علاوہ اسی زمانہ کا ایک یہودی مصنّف بھی قابلِ ذکر ہے، یعنی یوسیفوس جو رومیوں کے عہد میں تقریباً پہلی صدی مسیحی میں اسکندریہ میں مقیم تھا۔ یونانی اور لاطینی (رومانی) زبانوں میں اس کی متعدد تصانیف یہودیوں کی تاریخ اور مذہب کے متعلق ہیں، اور انگریزی میں ان کے ترجمے ہو گئے ہیں۔ ان کتابوں سے بھی ارض القرآن کے لیے مواد ہاتھ آیا ہے۔ اس کی تین کتابیں میری نظر سے گذری ہیں، قدامت یہود، محارباتِ یہود اور فلسفۂ یہودیت۔ یہ تمام تصنیفات متعدد وجوہ سے نہایت اہم سمجھی جاتی ہیں جن کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ اس عہد قدیم کا وہ تنہا یہودی مؤرخ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ جو اس کے بعد تباہ و برباد ہو گیا ہے اور جس کی تباہی و بربادی کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا ہے، اس وقت موجود تھا۔ بابل اور مصر کی قدیم تاریخیں وہاں موجود تھیں۔ یوسیفوس نے ان بابلی و مصری تاریخوں سے بابل و مصر کی قدیم تاریخ کے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ بابل و مصر کی قدیم تاریخ کی تاریکی میں صرف یہی اقتباسات روشنی کی چند کرنیں ہیں۔ ان دونوں ملکوں کی نسبت تاریخی حیثیت سے جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف یہی چند اوراق ہیں۔

---

[1] اس فصل کے لیے دیکھو مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۰۳، جلد ۱۔ علی نفح الطیب، مصر و معجم یاقوت۔

[2] *The Penetration of Arabia* by D.G. Hograth pp 1-24.

بابل کے جس مؤرخ کا ذکر یوسیفوس نے کیا ہے اس کا نام برو شوش ہے، اور دوسرے مصری مؤرخ کا نام مانیثون ہے۔ ان دونوں کے اقتباسات نہایت اہم ہیں اور ان سے ہم نے کام لیا ہے۔

اکتشافاتِ اثریہ

یمن، حضر موت، حوران، تدمر، بطرا، علاء این، صالح، صفا، حجر، حجاز، عراق اور مصر میں قدیم عربوں کے بہت سے آثار، عمارات اور یادگاریں ہیں جن میں ہزاروں کتبے اور نقوش کھدے ہوئے ہیں۔ ان کتبات و نقوش سے علمائے آثارِ قدیمہ نے عجیب و غریب نتائج استنباط کیے ہیں۔ یہ کتبات اور نقوش زیادہ تر حمیری (مسند) سبائی، آرامی اور نبطی خط میں ہیں۔ دولتِ بنی امیہ اور عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ تاریخی مذاق مجتہدانہ حیثیت رکھتا ہے۔ ان آثار کی تحقیقات کی گئی ان میں سے اکثر خطوط اور زبانوں سے اس عہد کے علماء واقف تھے۔ ذوالنون مصری جو دوسری صدی میں تھے مصر کے خط برابی Hieroglyphy پڑھتے تھے۔

حمیری محقق علامہ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" اور "اکلیل" میں تمام مشہور آثار کے نام گنائے ہیں اور ان کے تفصیلی حالات کے لیے اپنی کتاب "اکلیل" کا حوالہ دیا ہے۔

قلعہ ناعط جو سلاطینِ یمن نے پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کیا تھا، اسلام سے تقریباً پندرہ سو برس قبل کی تعمیر ہے۔ وہب بن منبہ نے (جنھوں نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا) اس کا ایک کتبہ پڑھا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

> "یہ ایوان اس وقت تعمیر کیا گیا جب کہ ہمارے لیے مصر سے غلّہ آتا تھا۔"

وہب کا بیان ہے کہ میں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو سولہ سو برس سے زیادہ گذر چکے[1]۔ چنانچہ یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکرِ ناعط) میں اس کا ذکر کیا ہے۔

امرؤالقیس کا یہ شعر:

---

[1] معجم البلدان، ذکرِ ناعط۔

هوالمنزل الآف من جوّناعطٍ　　بنی اسد حزنامن الارض اووعدٗا

یہ وہ ہے جو ناعط کی بلندی سے　　ہزاروں آدمی زمین پر لا سکتا ہے

اسی قلعہ کی شان میں ہے۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں (سنہ ۴۰ھ سے سنہ ۴۵ھ تک) عبدالرحمٰن مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے حضرموت کے منہدم شدہ قلعہ "حصن غراب" پر جو کتبہ پایا تھا اس کا ترجمہ عربی زبان میں حسبِ ذیل ہے:-

ونصطاد صید البر بالخیل	ہم گھوڑوں اور برچھوں سے خشکی کا شکار کرتے
والقنا وطوراً نصید النون من	ہیں اور کبھی دریا کی تہ سے مچھلیاں نکال لاتے
لجج البحر یلینا ملوکٌ یبعدون	ہیں۔ ہمارے حکمراں وہ سلاطین ہیں جو بدکاری
من الخنا شدیدٌ علی اھلِ	سے بہت دور ہیں اور غداروں اور خیانت
الخیانة والغدر تقیم لنا من	کاروں کے حق میں بہت سخت ہیں۔ وہ ہمارے
دین ھود شرائعاً ونؤمن	لیے ہود کے مذہب کے مطابق شریعت
بالاٰیاتِ والبعث والنشر اذا	قائم کرتے ہیں اور ہم احکامِ الٰہی اور بعث
ماعدوٌ حلّ ارضا یریدُنا	و نشر پر ایمان لائے ہیں۔ جب کوئی دشمن
برَزنا جمیعا بالمثقفةِ السّمر[1]	ہماری زمین کا قصد کرتا ہے تو ہم گندم گوں
	نیزے لے کر نکل پڑتے ہیں۔

یہ کتبہ علامہ نویری نے اپنی تاریخ مسالک الابصار میں نقل کیا ہے لیکن تاریخ مذکور اس وقت ہمارے پیشِ نظر نہیں ہے۔ فارسٹر صاحب نے نویری کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے اور ہم نے فارسٹر کی کتاب سے۔

سنہ ۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مشن یمن بھیجا تھا۔ اس کو یہی کتبہ اصل قدیم

---

[1] دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیہ، صفحہ ۹۰ تا صفحہ ۹۲۔ فارسٹر صاحب نے بعض اشعار غلط نقل کیے ہیں، ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

حمیری خط میں ملا۔ اصل کتبہ عاد کے ذکر میں آئے گا۔ یہ کتبہ فارسٹر صاحب کی تحقیق کے موافق قوم عاد کا ہے اور عرب کے قدیم ترین کتبات میں سے ہے جس کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ سے اٹھارہ سو برس قبل ہے۔ فارسٹر صاحب نے اپنے "تاریخی جغرافیہ"[1] میں اس کا جو ترجمہ کیا ہے نویری کے ترجمہ سے بہت کم مختلف ہے۔

مؤرخ کلبی کے زمانہ میں قبیلہ ذوالکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک تخت پایا جس پر ایک مردہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک زریں سپر تھی جس پر سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا۔ اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہوگی):

بسم اللّٰہ رب[2] حمیر انا حسان	اللہ کے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں
بن عمرو النفیل۔	عمرو نفیل کا بیٹا حسان ہوں۔

حمّاد روایۃ کے بھانجے نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر قوم عاد کا ایک تیر پایا تھا جو پتھر میں پیوست تھا۔ اس پر یہ شعر لکھے تھے،[3] (یہ اصل شعر نہیں بلکہ ترجمہ ہے)

الاھل الی ابیات شمخ بذی اللِّوی	لَوَیَ الرمل من قبل الممات معادٌ
مقام ذواللوی میں جو مکانات ہیں	کیا مرنے سے پہلے پھر وہاں جانا نصیب ہوگا
بلادٌ بھاکنّا وکنّا نحبّھا	اذالاھلّ اھلٌ والبلادٌ بلادٌ
یہ وہ شہر ہیں جہاں ہم رہا کرتے تھے اور ان سے	محبت کرتے تھے جب لوگ لوگ تھے اور شہر شہر تھے

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب سے ایک قبر کھل گئی تو ایک عورت کی لاش نکلی جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصّع انگوٹھیاں تھیں، اس کے سرہانے ایک لوح تھی جس پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا:

باسمکَ اللّھم الہ حمیر انا تاجہ بنت	تیرے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں ذوسفر

---

[1] Historical Geography of Arabia pp. 90-91.

[2] معجم البلدان لفظ شبعن۔ [3] معجم البلدان لفظ شمخ۔

ذی شفر بعثت مایرنا الیٰ یوسف	کی بیٹی تاجر ہوں۔ میں نے اپنے قاصد کو یوسف
فابطاء علینا فبعثت لادتی بمدمن	(علیہ السلام) کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے
ورق لتأتینی بمُدٍ من طحینٍ فلم	جب دیر لگائی تو میں نے چاندی پھر سونا
تجدہ فبعثت بمد من ذھب فلم	بھیجا کہ آدھ سیر آٹا لے آئے لیکن کچھ حاصل
تجدہ فبعثت بمد من بحری فلم	نہ ہوا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جواہرات
تجدہ فامرت بہ فطحن فلم انتفع	پیس کر آٹا بنایا جائے لیکن وہ بیکار تھا۔
بہ فاقتعلت فمن سمع بی فلیرحمنی	جو شخص میرا حال سنے اس کو میرے حال پر رحم
وایّۃ امرءۃ حلیا من حلیتی فلا	کرنا چاہیے۔ جو عورت میرے زیور پہنے گی
ماتت الا میتتی[1]	وہ میری کا ہی موت مرے گی۔

یہ کتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا ہے اور اس سے اس قحط کی تصدیق ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اس قدر زمانۂ قدیم سے تحریر کا رواج تھا اور یہ کہ حمیر اللہ کو اپنا معبود سمجھتے تھے۔

حمزہ اصفہانی (المتوفی ۳۶۰ھ) نے ایک حمیری کتبہ کا ذکر کیا ہے جس کی عبارت[2] یہ تھی:

"بنام خدا، شمر یرعش (شاہ حمیر) نے آفتاب دیبی کے لیے یہ بنایا۔"

ابن حائک ہمدانی حمیری المتوفی ۳۳۴ھ آثارِ عرب کا سب سے بڑا ماہر تھا۔ اس نے اپنی تصنیف "اکلیل" کا آٹھواں باب مخصوص اسی موضوع پر لکھا ہے۔ ہمدانی کے علاوہ مقدسی نے اپنے سفرنامہ میں، یاقوت نے اپنی معجم میں، نویری نے اپنے جغرافیہ میں، اور قزوینی نے اپنی آثار البلاد میں اس قسم کے آثار و کتبات کا ذکر کیا ہے۔

بہرحال یہ ایک ادھوری کوشش تھی۔ اہلِ یورپ نے اس شاخ کو بے حد ترقی دی

---

[1] اس کتبہ کو فارسٹر صاحب نے بھی اپنے جغرافیہ کے ص ۱۰۳ میں مع انگریزی ترجمہ کے نقل کیا ہے۔

[2] تاریخ ملوک الارض ۱۱۰ کلکتہ۔

ہے اور اس میں بے انتہا برگ و بار پیدا کر کے اس کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔

علمائے خطوط قدیمہ نے ان کتبات و نقوش کو اس طرح حل کیا ہے کہ ان سے عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق عجیب و غریب اکتشافات حاصل ہوتے ہیں۔ اہل یورپ کو پہلے پہل ان مقامات کے اکتشاف اور تحقیق کا خیال پیدا ہوا جو توراۃ میں مذکور ہیں۔ ان مقامات کا بڑا حصہ عرب میں واقع ہے۔ اس سلسلہ سے ان کو بابل، مصر، فلسطین، حوران اور عرب کے آثار کی طرف توجہ ہوئی۔ ہم کو جن آثار سے تعلق ہے وہ صرف عرب کے آثار ہیں اس لیے ہم انہی کی تشریح کرتے ہیں۔

نیوبھر، Niebuhr عرب کا سب سے پہلا یورپین سیّاح اور عرب کے اثریات کا سب سے پہلا مکتشف ہے۔ سنہ ۱۷۷۳ء میں یہ یمن کی طرف تنہا عازم ہوا۔ اس کے سبب محمد علی پاشا خدیو مصر اور وہابی امیر نجد کی جنگ شروع ہوئی اور یورپ نے مصر کا ساتھ۔ اس وقت یورپ کو سیاحتِ عرب کا سب سے پہلا اور سب سے بہتر موقع نصیب ہوا۔ یورپین افسر مصری فوج کے ساتھ اس جنگ میں کثرت سے شریک تھے۔ ہم بدنیت نہیں لیکن کہتے ہیں کہ باستثنائے چند، علمی ذوق کے علاوہ سیاسی تحریکات بھی اس مشاہدہ و تحقیق کی محرّک تھیں، خصوصاً جب کہ یہ نظر آتا ہے کہ ان سیّاحوں کی صف میں ایسے اشخاص بھی شریک ہیں جن کے ہاتھ قلم سے زیادہ تلوار سے مانوس ہے۔

ان سیّاحوں کے حالات و اکتشافات و تحقیقات پر انگریزی میں ہوگارتھ D.G. Hogarth نے ایک مستقل کتاب ۳۵۰ صفحوں میں لکھی ہے اور وہ ہمارے سامنے ہے۔ لیکن مصنّفینِ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے نہایت ایجاز کے ساتھ اس کا اختصار[1] کیا ہے اس لیے ہم اسی کا اقتباس یہاں درج کرتے ہیں۔ گو یہ بحث بڑھ جائے گی لیکن چونکہ ہماری زبان اب تک ان عبرت انگیز لیکن مفید اطلاعات سے خالی ہے، چھ برس ہوئے میں نے ہی

---

[1] *Encyclopaedia of Britannica* Vol. II. Art Arabia.

لندوہ میں اس موضوع پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھا تھا اس لیے طولِ بیان بے موقع نہ ہوگا۔

اسی مضمون کے دو ٹکڑے ہیں۔ عرب کے کن اقطاع میں اہلِ یورپ کا گذر ہوا اور وہاں کیا آثارِ قدیمہ ان کو نظر آئے۔

عرب کے کن اقطاع میں اہلِ یورپ کا گذر ہوا؟

یمن چونکہ یمن مشرق و مغرب کے درمیان کا رہ گذر ہے اور نیز دیگر اقطاعِ عرب سے اس کا مشاہدہ کیا سیر و سیاحت زیادہ سہل ہے اور یہاں آثار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں، اس لیے اہلِ یورپ نے پہلے یہیں قدم رکھا۔

عرب کا سب سے پہلا یورپین سیّاح، جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے نیبوہر Niebuhr نامی ہے۔ یہ ڈنمارک گورنمنٹ کی طرف سے ایک جماعت کے ساتھ ۱۷۶۱ء میں عرب کو روانہ ہوا۔ ایک سال مصر اور جزیرہ نمائے سینا میں صرف کرنے کے بعد یہ جماعت ۱۷۶۲ء کے آخر میں جدّہ پہنچی۔ پھر شمالی یمن کو روانہ ہوئی۔ یہاں سے تہامہ (عرب زیریں) ہوتے ہوئے بیت الفقیہ، زبید اور مخا پہنچی جو یمن کے خاص آباد شہر ہیں۔ پھر مشرق کی جانب کوہستانی مقامات کو قطع کرتی ہوئی عدن آئی۔ یہاں سے مشرق کی طرف آگے بڑھ کر جبکہ پہنچی جو چند پہاڑیوں کے وسط میں جن کی بلندی سطحِ آب سے دس ہزار فیٹ تک ہے، واقع ہے۔ پھر اس نے جنوب کا رُخ کیا اور تیز ہو کر براہِ حیفض و زبید و مخا پہنچی۔ یہاں اس کے ایک ممبر کا انتقال ہوگیا اور دوسری بار اس وفد کے بعض ممبر جون ۱۷۶۳ء میں تیز پہنچے جہاں سے انہوں نے یمن کے دار الحکومت صنعاء کا رخ کیا جس کے قریب اس وفد کا ایک اور ممبر مر گیا۔ لیکن اس سے اور ممبروں کی ہمت میں کوئی فرق نہ آیا۔ یہاں سے وہ ضمار آئے جہاں زیدی فرقہ کا، جو یمن کا شاہی مذہب ہے، ایک بہت بڑا دار العلوم ہے اور جس میں زمانۂ مذکور میں پانچ سو طالب علم تعلیم پاتے تھے۔ ضمار سے پھر وہ صنعاء پہنچے اور صنعاء میں دس روز کے قیام کے بعد پھر مخا پہنچے اور یہاں سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔

اس اثنا میں تین اور ممبر شدائدِ سفر سے ہلاک ہو گئے۔

نیوبھر Niebuhr جو اس وفد کا سرعسکر تھا، ان متواتر حوادث سے ذرا بھی پژمردہ نہ ہوا۔ وہ پھر عرب آیا اور عمان، خلیجِ فارس اور بصرہ ہوتا ہوا شام و فلسطین سے ڈنمارک پہنچا۔

اس وفد کے نتائجِ سفر نیوبھر Niebuhr نے ۱۷۷۲ء میں شائع کیے جن سے سب سے پہلی بار علمی اور تحقیقی طور پر یورپ کو نہ صرف یمن سے بلکہ تمام عرب سے اطلاع ہوئی۔

عیر عیر گو اب الگ ہے لیکن درحقیقت وہ یمن کا ٹکڑا ہے۔ اہرنبرگ Ehrenberg اور ہمپرچ W.F. Hemprich نے ۱۸۱۵ء میں تہامہ اور جزائر سواحل عرب کا سفر کیا اور ۱۸۳۶ء میں بوٹا P. E. Botta نے نباتاتی تحقیقات کی غرض سے جنوبی عرب کی خاک چھانی۔ لیکن یورپ جغرافیۂ عرب کے لیے نیوبھر Niebuhr کے بعد فرانسیسی افسر ٹمیزیہ M. O. Tamisier شدیفاؤ Chedufau اور ماری Mary کا ممنون ہے، جو مصری فوج کے ساتھ عیر آئے تھے۔

جوف اور مآرب ارناؤ L. Arnaud پہلا یورپین ہے جس نے جنوبی جوف کا اور مآرب کے حجری کتبوں کا مشاہدہ کیا اور اور سدِّ عرم کا نقشہ تیار کیا۔ اس اطلاع سے مشہور اثری Archaeologist ہالوے J. Halevy مشتاق ہو کر ۱۸۶۹ء میں عازم عرب ہوا۔ ہالوے Halevy پہلے صنعاء پہنچا پھر صنعاء سے شمال مشرقی جانب المدید آیا جو پانچ ہزار عرب باشندوں کا مسکن اور ضلع نجم کا مرکز ہے۔

ہالوے Halevy نے یہاں ایک سطحِ مرتفع کو قطع کیا جہاں اس کو متعدد شکستہ عمارات اور منہدم میناروں کا نشان معلوم ہوا۔ پھر وہ قریہ مجزر میں پہنچا جو جبل یام و جوف کے حدود پر واقع ہے اور یہی اس کی عظیم الشان اثری تحقیقات کا مرکز ہے یعنی یہیں اس کو قوم سبا کے نقوش اور کتبے ہاتھ آئے۔ یہیں اس نے مقام "معین" کا پتہ لگایا جو قبیلہ

معین کا قدیم دارالحکومت تھا۔ یہیں قدیم یونانی جغرافیہ نویس پلینی Pliny کا نشان دادہ مقام "نشق" ملا جہاں سبا کی فوج نے رومی لشکر سے جو بسرکردگی آلیوس گالیوس Aelius Gallus آئی تھی، ۲۴ ق م میں شکست کھائی تھی۔

الجیل سے ہالوے Halevy شمال کی طرف مڑا اور نخلستان خب اور صحرائے اعظم کو قطع کرتا ہوا اس سرسبز و شاداب قطعہ میں پہنچا جس کا نام "نجران" ہے۔ یہاں اس کو یہودیوں کی ایک آبادی ملی جس کے ساتھ اس نے نخلستان نخلاف میں چند ہفتے گذارے۔ یہاں سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر مشرق کی جانب قریہ "مدینۃ المعہود" کے قریب بطلیموس کے بیان کردہ شہر نجرہ کا کھنڈر نظر آیا۔

جون ۱۸۷۵ء میں اس نے اس سرزمین میں قدم رکھا جو اس کے سفر کی منزل مقصود تھی یعنی شہر "مأرب" جو قوم سبا کا دارالحکومت تھا۔ یہاں اس کو یہودیوں کی ایک کے آثار ملے۔ اس مدینۃ النحاس اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کے اکثر کتبات (نحاس) برنجی پتروں پر منقوش پائے گئے ہیں۔ اس مقام سے بجانبِ مشرق دو گھنٹے کی راہ پر ہالوے Halevy نے مأرب کے اس مشہور بندِ آب (سدّ مأرب) کا پتہ لگایا جس کو حمیریوں نے وادیٔ شیلان کے عرض میں تعمیر کیا تھا، اور جو ملک میں آب رسانی کا تنہا ذریعہ تھا۔

ہالوے Halevy کے بعد مأرب کا دوسرا یورپین زائر اسٹریا کا عالمِ اثریات گلازر E. Glaser (۱۸۵۵ء تا ۱۹۰۸ء) ہے جس نے نیبوہر Niebuhr کے بعد علم آثار عرب کی سب سے زیادہ خدمت کی۔ اس نے دولتِ عثمانیہ کے زیرِ حفاظت صنعاء کی شمالی اور مشرقی جانب کا مطالعہ کیا۔ ابھی وہ صرف سب سے پہلے تاریخی مقام "خمر" تک پہنچا تھا کہ قبائلِ عرب کی باہمی جنگ سے واپسی پر مجبور ہوا۔ تاہم اس کو اتنا موقع مل گیا کہ وہ اس سطحِ مرتفع تک پہنچ گیا جو وادی فرید اور وادی خمران کے درمیان واقع ہے اور جہاں پہلے حمیر کی آبادیاں تھیں۔ اور پھر ان دونوں وادیوں کے مقامِ اتّصال کی دریافت

کے لیے آگے بڑھاتا آنکہ جوف میں پہنچ گیا۔

۱۸۸۹ء میں دوبارہ گلازر ترکی حکومت کے زیرِ حفاظت ملک عرب کو روانہ ہوا اور خوش قسمتی سے بخیریت مأرب پہنچ گیا اور وہاں سے تیس دن کے قیام کے بعد جدید حمیری نقوش و کتبات کی ایک کثیر تعداد اپنے ساتھ لے کر واپس آیا۔

حضرموت جنوبی ساحل سے اندرونی ملک میں جانے کی کوشش سب سے پہلے ۱۸۳۳ء میں کی گئی، جب دو انگریز افسر لفٹنٹ کروٹنڈن C. Cruttenden اور ویلسٹڈ J.R. Wellsted سواحلِ عرب کی پیمائش کے لیے متعین کیے گئے۔ ان دونوں نے وادی میقات میں "نقب الحجر" کے کھنڈروں کا معائنہ کیا۔ یہاں اور نیز مکلّا کے پاس "حصن غراب" میں حمیری کتبات کا اکتشاف کیا۔ یہ سب سے پہلی دفعہ ہے جب حضرموت میں عربی تمدّن کا سراغ ملا۔

ان کے بعد اڈولف وان وریڈے Adolph Von Wrede ۱۸۴۳ء میں مکلّا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا اور پیغمبر ہود کی قبر کا جو حضرموت میں واقع ہے زائر بن کر شمال کی جانب وادی دوان کی سطحِ مرتفع تک پہنچا اور یہاں سے جنوبی صحرائے اعظم کی طرف روانہ ہوا۔ وادی دوان سے واپسی میں وہ پہچان لیا گیا اس لیے وہ جلد ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوا۔

۱۸۹۳ء میں ہرش L. Hirsch سلطان مکلا کے زیر حفاظت قصبہ سیون اور تریم سے جو سلطان کے مقبوضات ہیں، آگے بڑھا۔ پہلے یہ وادیٔ دوان پہنچا جہاں اس نے قریہ نجران کے پاس قدیم عمارات اور کتبات کا کھنڈر پایا۔ یہاں سے وہ واپسی میں وادی ابن علی اور وادی ادیم ہوکر مکلا واپس آگیا۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد تھیوڈر بنٹ J. Theodore Bent اور لیڈی بنٹ Lady Bent اس جماعت کے ساتھ جو گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف

سے ملک کی پیمائش کو گئی تھی۔ اسی نشان سفر پر حضر موت پہنچی۔ دونوں نے یہاں حمیر کی بہت سی یادگاروں کا اور کتبات کا معائنہ کیا۔

عمان | عمان میں جو ایک مدت سے انگریزی اقتدار کو قبول کر چکا ہے، تعجب ہے کہ یورپین سیاح مسقط سے زیادہ آگے نہیں بڑھے۔ برٹش دستۂ فوج جو ۱۸۱ء میں عمان گیا تھا، سواحل سے آگے نہیں بڑھا۔ ویلسٹڈ J. R. Wellsted جس نے جنوبی عرب میں حضر موت کی تفتیش کی تھی ۱۸۳۵ء میں شمالی عرب کی تحقیق کو نکلا اور مسقط پہنچا۔ مسقط سے جہاز پر وہ راس الحد تک آیا۔ پھر جنوب کی طرف صحرا کے کناروں تک قبیلہ بنو علی کے مسکن تک پھرا۔ پھر شمالی مغربی جانب کو وادی بلیشہ اور نجد ہو کر حضر موت کے قریب مقام شحر سے نکل کر ہندوستان چلا آیا۔

اسی طرح عمان سے ہو کر ۱۸۷۶ء میں کرنل مائلس S. B. Miles نے بھی ظہیرہ، القطار وغیرہ تہامات کی سیر کی۔

حجاز | حجاز میں غیر مسلم کا گذر مشکل ہے۔ اس لیے یہاں کے اکثر یورپین سیاحوں کو مسلمان بننا پڑا۔ بعض ان میں بعد کو سچے مسلمان ہو گئے جیسے برکھارڈ Burckhardt جن کو مصری مسلمان شیخ برکات کہتے ہیں، اور بعض محض مصنوعی تھے جیسے حاجی برٹن Richard Burton ان سفرناموں میں ایک مسلمان کے لیے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ ہر مسلمان بچہ اس کو جانتا ہے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات، اعمال حج کی کیفیت، قافلوں کی زندگی، عام بدویوں کے حالات، یہ ان سیاحوں کے سرمایۂ سفر ہیں جن کی یورپ میں بڑی قدر ہے۔

حجاز کا پہلا یورپین سیاح ایک اسپینی ہے جس کا نام بیڈے ییلچ Badiay Iablich ہے۔ یہ علی بے عباسی کے نام سے مسلمان بن کر ۱۸۰۷ء میں جدہ پہنچا اور حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ یہ سب سے پہلا یورپین ہے جس کو شہر مقدس کی زیارت

اور اعمالِ حج کے مشاہدہ کا شرف حاصل ہوا۔

حجاز کی سب سے عمدہ تصویر برکھارڈ J. L. Burkhard نے کھینچی اور یورپ اس کے لیے اس کا ممنون ہے۔ یہ جولائی ۱۸۱۴ء میں جدّہ آیا جب محمد علی پاشا خدیو، مصر وہابیوں سے برسرِپیکار تھا۔ برکھارڈ Burckhard پہلے طائف پہنچا، پھر مکہ آیا اور تین مہینہ یہاں شہر کے جغرافی اور ریاضی حالات کا مشاہدہ کرتا رہا۔ جنوری ۱۸۱۵ء میں مدینہ منورہ گیا اور وہاں کے حالات کا بھی جغرافیہ و ریاضی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرتا رہا۔ واپسی میں ینبوع ہوکر مصر پہنچا جہاں اس نے وفات پائی اور بطریقۂ اسلامی مدفون ہوا۔

انڈین آفیسر سر رچرڈ برٹن Sir Richard Burton بھی برکھارڈ۔ Burckhard کے بعد ایک مسلمان حاجی کی صورت میں حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچا، اور یہاں کے جغرافی اور طابوغرافی (ریاضی جغرافیہ) حالات کی سب سے زیادہ تحقیق کی۔ وہ جس راستہ سے ہوکر مکّہ سے مدینہ گیا اس راستہ پر اس سے پہلے کسی یورپین کا گذر نہیں ہوا تھا۔ برٹن Burton کا ارادہ تھا کہ شمالی عرب سے ہوکر جنوبی عرب کو قطع کرکے عمان سے نکل جائے لیکن قلتِ فرصت کی بنا پر وہ اس ارادہ سے باز رہا۔

اس سفر کے پچیس برس بعد حکومتِ مصر کی طرف سے وہ مدین میں سونے کی کان کی تلاش میں بھیجا گیا۔ سونے کی جو کان وہاں ملی اس میں سونا نکالنے کی کوششوں کے قدیم آثار معلوم ہوتے تھے۔ برٹن کو اس وقت اس میں سونے کی مقدار بہت کم ملی تاہم سونے سے زیادہ گراں اکتشافات اس کے ہاتھ آئے یعنی اثری Archaeological تحقیقات اور تخطیطی Topographical پیمائشیں، تمام سواحلِ مدین کی خلیجِ عقبہ کے راس سے وادیِ حمد کے دہانہ تک نہایت کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچیں۔

نجد تمام اقطاعِ عرب میں سے نجد کا سفر اہلِ یورپ کے لیے انیسویں صدی کے

اوائل میں زیادہ آسان تھا کیونکہ اس زمانہ میں محمد علی پاشائے مصر، نجد کے وہابیوں کے ساتھ سرگرم پیکار تھا۔ مختلف اغراض سے برٹش حکومت بھی محمد علی کی رفیقِ جنگ تھی۔ اس بہانہ سے متعدد برٹش افسر مصری فوج کے ساتھ ساتھ تمام نجد کا نہایت آسانی سے سفر کر سکے۔

کپتان سیڈلیر G.F. Sadlier ڈیلن G. A. Wallin (۱۸۴۸ء) پالگریو W. G. Palgrave (۱۸۶۲ء) نے اسی مصر و نجد کے تعلق سے نجد، ریاض، حائل، شمر اور حجاز کا مشاہدہ کیا۔ ان کے مشاہدات و معائنات میں بجز عرب کے اجتماعی اور زرعی اور عام سفر کے واقعات کے کوئی علمی دلچسپی نہیں ہے اور عجب نہیں کہ یورپ کے لیے یہ چیزیں بالکل نئی ہوں کہ پالگریو جیسے سطحی النظر کو بھی اکتشافِ عرب کی مجلس میں یہاں ایک بلند درجہ دیا جاتا ہے۔

شمالی عرب جنوب عرب (یمن و حضرموت) کی طرح شمالی عرب بھی قدیم یادگاروں کا مخزن ہے جس میں حوارن، پطرا، تدمر، مدین، مدائن صالح، صفا اور العلاء اوغیرہ مقامات عتیق العمر اور کثیر الآثار ہیں۔ سب سے پہلا یورپین جس نے ان مقامات کا سفر کیا اور خصوصاً جس نے بطرا کے کھنڈروں کو دیکھا، برکھارٹ (۱۸۱۲ء)[1] ہے۔ چارلس ڈوٹے Charles Doughty ایک انگریز ہے، جس نے ۱۸۷۵ء میں ان مقامات کا سفر کیا۔ وہ دمشق سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا اور الحجر پہنچ کر مدائن صالح اور العلاء کے مشاہدہ و تفتیش کے لیے گیا۔

وہاں سے مفید معلومات کا ذخیرہ ساتھ لایا اور مشہور مستشرق رینان Renan کے پاس یہاں کے کتبات، نقوش اور مقابر کی لوحوں کی نقلیں پیرس روانہ کیں۔ رینان نے ہدایت کی کہ ابھی وہ صحرا کی طرف اور آگے بڑھے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۱ ، ص ۳۲

ڈوٹے Doughty ایک شیخ قبیلہ کی زیر نگرانی حجاز اور نجد کے درمیان تمام قطعۂ ملک میں پھرا۔ وہ تیما گیا جہاں اس نے متعدد قدیم یادگاریں دیکھیں جن میں ایک مشہور یادگاری پتھر بھی ہے جس پر کچھ عبارت کندہ تھی۔ موسم گرما میں وہ حائل گیا اور وہاں سے واپسی میں خیبر پہنچا اور یہاں سے چند مہینوں تک دیگر مقامات کی سیر کے بعد جدّہ واپس آگیا۔

ڈوٹے Doughty کے تین برس بعد ولفریڈ Wilfrid اور لیڈی بلنٹ Lady Blunt نے ایک نوجوان شیخ عرب کی معیت میں جس کا خاندان تدمر میں سکونت پذیر تھا، عرب کا سفر کیا۔ یہ پہلے دمشق آئے اور وہاں سے سیدھے صحرائے شام کا رُخ کیا۔ پھر وہاں وادی شمران ہو کر جوف پہنچے۔ جوف سے جبل شمر ہو کر حائل پہنچے جہاں ابن رشید امیر نجد نے ان کا نہایت تپاک سے استقبال کیا۔ ایک مہینہ کے قیام کے بعد یہاں سے ایرانی قافلۂ حجاج کے ساتھ یہ لوگ کربلا اور بغداد ہو کر نکل آئے۔

۱۸۸۳ء ایک فرنچ سیّاح کی تاریخ سیاحت ہے، اس کا نام C. Hber، ہے۔

ہوبر C. Hber کی معیّت میں ایک اور یورپین ارکیالوجسٹ یوٹنگ Euting نامی تھا۔ ان دونوں کے اکتشافات نے ڈوٹے کی ناتمام تحقیقات کی تکمیل کی۔

ہوبر C. Hber کی تحقیقات اور اکتشافات عام حالات و واقعات سے بلند تر اور زیادہ علمی ہیں جس کی عرب کی ارکیالوجی اور ٹاپوگرافی نہایت ممنون ہے۔ ہوبر C. Hber نے حائل اور تیمار کے درمیان بہت سے کتبات کا سراغ پایا اور ڈوٹے کے بیان کردہ نقوش منقوش پتھر کو حاصل کیا جو مواب کی یادگار ہے اور جس کی سامی آثار میں نہایت گراں پایہ وقعت ہے۔

ہوبر C. Hber یہاں سے غیزہ آیا اور وہاں سے براہِ راست نجد، نجد سے مکّہ اور مکّہ سے جدّہ پہنچ کر خوش قسمتی سے اس نے اپنی تحقیقات و اکتشافات کا تمام سرمایہ یہاں چھوڑ دیا اور خود جولائی ۱۸۸۴ء میں اندرونِ ملک میں پھر آیا جہاں وہ عربوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کی تحقیقات و اکتشافات کا مجموعہ اس کے بعد شائع ہوا۔

حدودِ سفر یورپین سیاحوں کے مقاماتِ سفر کا نقشہ اگر ہمارے سامنے ہو تو نظر آئے گا کہ نصف شمالی کو ہفوف سے مکّہ تک انہوں نے بالکل چھان ڈالا ہے۔ نصف جنوبی میں ایک ثلث حصہ تو صحرائے اعظم کا ہے جس میں سفر موت کے مرادف ہے، بقیہ حصص میں باستثنائے جوف نجران و یمن وہ سواحل سے سو میل سے آگے نہیں بڑھے۔

تدمر کا نشان یورپ کو بہت پہلے مل چکا تھا۔ ڈاکٹر ولیم ہالیفکس W. Halifax (۱۶۹۱ء) تدمر کا پہلا یورپین سیاح ہے۔ وہاں کے عمارات کی تحقیق ووڈ Wood اور ڈاکنس Dawkins نے ۱۷۵۱ء میں کی لیکن ایپی گریفی کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابلِ قدر خدمات پرنس ابامالک Abamelek la Zarew نے ۱۸۸۲ء میں اور ویڈنگٹن Waddington D. Vogue نے (۱۸۹۲ء) میں انجام دی اور ان پر تصنیفات و رسائل ترتیب دیئے[1]۔

آثارِ عرب جو ان سیاحوں کو نظر آئے مسلمان سیاح اور جغرافیہ نویسوں نے جن آثارِ عرب کا مشاہدہ کیا اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ یہاں ہم صرف یورپین سیّاحوں کے دیکھے ہوئے آثارِ عرب کا ذکر کرتے ہیں[2]:۔

یورپین سیّاحوں نے آثارِ عرب کے پانچ اصناف قرار دیئے ہیں[2]۔

۱۔ آثار قبل تاریخ۔

۲۔ آثار شہر پناہ و قلعہ۔

۳۔ آثار بند (سدّ)

۴۔ آثار حجریہ و نحاسیہ (پتھر اور تانبے کے آثار)

۵۔ آثار عماراتِ منہدمۂ قبلِ تاریخ۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۰ ص ۶۵۴ [2] یہ باب تمام تر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۲، ص ۲۶۲ ص ۲۶۴ طبع یازدہم سے مترجم ہے۔

سیاحانِ مغرب کی تحقیق کے مطابق اس قسم کی یادگاریں بھی عرب میں پائی جاتی ہیں جن کی عمر تاریخ سے زیادہ بڑی ہے۔ پالگریو Palgrave نے اپنے سفرنامۂ عرب جس کا نام مرکزی اور مشرقی عرب Central & Eastern Arabia ہے، بڑے بڑے ناتراشیدہ اور انگھڑ پتھروں کی ایک قدیم و عتیق عمارت کا ذکر کیا ہے جو نجد کے دامن کوہ میں بطور دائرہ کے ہے۔ آٹھ نو پتھر اب تک باقی ہیں جن میں سے بعض کی بلندی پندرہ فیٹ تک ہے۔ دو پتھروں کی لمبائی ایک سے بارہ فیٹ تک ہے جو اب تک چھت کو سنبھالے ہوئے ہیں[1]۔ ڈوٹے Doughty نے شمالی مغرب عرب میں سنگ خارا کی ایک قطار کھڑی دیکھی اور پتھر کی بڑی بڑی سلوں کا فرش دیکھا (جس کو وہ کوئی مذہبی عمارت نہیں خیال کرتا) اور مدوّر تودہ ہائے خاک جابجا اس کو نظر آئے جو شاید مقبروں کے ٹیلے ہوں۔ وہاں بعض گول کمرے بھی اس نے دیکھے جو بغیر چونے کے بنائے گئے تھے۔ عجب نہیں جو یہ پرانی قبریں ہوں۔ اس قسم کے ایک مقبرہ کا فوٹو ڈوٹے Doughty نے اپنے سفرنامہ میں دیا ہے جو "بحر" میں واقع ہے۔

بنت J. Bent نے بحرین میں متعدد قدیم و کہنہ آثار کا نشان پایا جو اب بالکل تودۂ خاک ہیں اور جو غالباً قبریں معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں کی بعض یادگاروں کے متعلق خیال[2] ہے کہ وہ فنیقی Phoenicians ہیں۔

آثارِ شہر پناہ و قلعہ جنوب عرب میں جہاں عہد مسیح سے پیشتر ایک پُر رونق تمدن موجود تھا، قلعوں اور شہر پناہوں کے منہدم آثار اب تک باقی ہیں۔ اور جن کا یورپین سیاحوں نے نامکمل طور سے ذکر کیا ہے۔ یمن اور خصوصاً حضرموت میں اس قسم کی عمارتیں جن میں کہیں کہیں کتبے بھی ہیں، اب تک موجود ہیں۔

شہر مأرب جو حکومتِ سبا کا قدیم پایۂ تخت تھا، اس کے آثار باقیہ کا اب تک نشان ملتا ہے۔ آثار البلاد قزوینی کے حوالہ سے جن جرمن ایشیاٹک سوسائٹی جرنل[2] نے (ج ۷، ص ۴۷۲،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱، باب ۱۲ [2] جرمن ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ج ۷، ص ۴۷۲، ۴۷۶ - ج ۱۰، ص ۲۰

۴۷۶، جلد ۱۰، ص ۲۰) اس قسم کی بعض عمارتوں کے حالات شائع کیے ہیں۔ ارناؤ، گلازر اور بالوے نے بھی ان آثار کا مشاہدہ کیا لیکن شومیٔ قسمت سے ان کا اکتشاف زمانۂ مستقبل سے متعلق رہ گیا کیونکہ ارناؤ اس بند آب (سدّ) کے اکتشاف میں مشغول رہا[1] جو عجائب میں سے ہے اور ہالوے J. Halevy اور گلازر E. Glaser نے کتبات سے زیادہ دلچسپی لی۔

آثارِ بند (سدّ) عرب کا ملک قدرتی دریا سے محروم ہے۔ اس لیے اس کی زرعی زندگی کا مدار زیادہ تر ان پہاڑی چشموں پر ہے جو بہ بہ کر وادیوں میں پھیل جاتے ہیں اور پھر وہ یا ریگستان میں خشک ہو جاتے ہیں یا سمندر میں گر جاتے ہیں۔ یہ چشمے پہاڑوں سے اس طرح ناگہانی طور سے ابل پڑتے ہیں کہ دور تک آبادیوں کو بے نشان کر دیتے ہیں۔ ان وجوہ سے قدیم عرب وادیوں میں بندِ آب تعمیر کیا کرتے تھے جس کو عربی میں سدّ کہتے ہیں۔ عرب کا مشہور ترین بند سدّ مأرب ہے جس کو سدّ عرم بھی کہتے ہیں جو تقریباً ڈیڑھ ہزار برس سے منہدم ہے اور جس کی شکستہ دیوار اب تک زائرینِ عدن کے لیے نشانِ عبرت[2] ہے۔

یورپین سیّاحوں میں سدّ مأرب کا مشاہدہ سب سے پہلے ارناؤ L Arnaudi نے کیا لیکن اس کی اہمیت گلازار نے، اس سدّ کے متعلق جو کتبات تھے، ان کی (سنہ ۱۸۵۷ء میں) اشاعت سے ظاہر کی۔ ان کتبات سے اس سدّ کے متعلق تاریخی حالات بہت روشن ہو گئے ہیں۔

یمن میں حران کے پاس ہارس W.B. Harris نے ایک اور بند دیکھا ہے جس کا طول ایک سو بیس گز ہے اور جس کے اوپر تین بڑے بڑے حوض بنے ہیں[3]۔

آثارِ حجریہ و نحاسیہ آثارِ قدیمہ کی یہ صنف سب سے زیادہ کارآمد ہے کہ ان پر اکثر کتبات منقوش ہوتے ہیں۔ ان سے تاریخی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اور حلِ مطالب کے لیے ایک جگہ سے

---

[1] سبا کے عنوان میں اس کی کسی قدر تفصیل ہے۔ [2] اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء سفر یورپ سے ہوتے ہوئے الحمدللہ میں نے خود جاکر عدن میں اس نشانِ عبرت کو دیکھا۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں حجاز جاتے ہوئے پھر اس کی زیارت کی۔ "سید سلیمان"۔

[3] *A Journey through the Yemen* pp. 279

دوسری جگہ منتقل کیے جا سکتے ہیں۔ انیسویں صدی سے یورپ کے عام عجائب خانوں میں اور خصوصاً لندن، پیرس، برلن اور وائنا کے عجائب خانوں میں اس قسم کی چیزیں کافی تعداد میں موجود ہیں جن میں سے اکثر پر "معین" اور "سبا" کی زبان میں اور بعض پر "حضرموت" اور "قتابین" کی زبان میں کتبات منقوش ہیں۔

حیرہ کے بادشاہ امرؤالقیس کی قبر کا کتبہ ملا ہے۔ ایک کتبہ پر جو صفا کے پاس پایا گیا ہے، قبیلہ قریش کے مورث نزار کا نام مکتوب[1] ہے۔ یمن کے حصن غراب پر جو حمیری کتبے ملے ہیں ان میں سے ایک کے نیچے "اوس" کا نام منقوش ہے جو انصارِ مدینہ کی ایک شاخ کا جدّ اعلیٰ تھا اور جس کا مسکن یمن تھا۔[2]

یہ کتبات عموماً عام پتھروں پر، سنگ مرمر پر اور نیز برنجی تختیوں پر منقوش ہیں۔ طول و بلندی میں ان کی مقدار کئی انچ سے کئی فیٹ تک ہے۔ باستثنائے بعض حالات جن میں خود اصل کتبات یورپ میں منتقل کر لیے گئے ہیں، اکثر صرف ان کے چربہ اور نقل پر قناعت کرنی پڑی ہے۔

یہ کتبات جن حروف میں لکھے گئے ہیں وہ فینیقی Phoenicians خط سے مأخوذ معلوم ہوتے ہیں۔ اور جو زبانیں ان میں استعمال کی گئی ہیں وہ ابھی تک علمائے السنہ کے زیرغور ہیں۔ تاریخی اور آثاری حیثیت سے اب تک جو کتبات ملے ہیں ان سے کچھ زیادہ فوائد حاصل نہیں ہوئے کیونکہ یہ کتبات اکثر مذہبی ہیں جن پر زیادہ تر صرف عام اشخاص اور بادشاہوں اور دیوتاؤں کے نام کندہ ہیں۔ بعض جو کتبات تاریخی ہیں ان میں تاریخ مذکور نہیں۔ اس لیے ان کے اصل حقیقی زمانہ کے متعلق علمائے آثار مختلف الآرا ہیں۔ لیکن بہرحال قدیم تر تاریخ ان کتبات کی آٹھویں صدی ق م سے (اور گلازر Glaser کی تحقیق کے مطابق پندرھویں صدی ق م سے) چھٹی صدی عیسوی تک ہے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱ ص ۸، ۲۷۔ [2] کتبات حصن غراب ضمیمۂ فارسٹر۔

اس قسم کے بعض پتھر تو اب تک اپنے قدیم اصلی مقام پر گڑے ہیں لیکن زیادہ تر پتھر ایسے ہیں جن کو قدیم مقامات سے اکھاڑ اکھاڑ کر لوگوں نے گھروں میں، مسجدوں میں اور کنوؤں میں لگا لیے ہیں۔ ان آثارِ حجریہ میں سے بعض قربان گاہیں ہیں، بعض دیوتاؤں کی مورتوں یا ان جانوروں کی طلائی مورتوں کے چبوترے ہیں جو دیوتاؤں کو نذر دیئے گئے ہیں۔ جو پتھر قدیم ہیں وہ عموماً نقش ونگار سے عاری ہیں۔ لیکن جو متأخر زمانہ کے ہیں ان میں پھول پتے بنے ہوئے ہیں یا بیل کے سر کا نقش ہے یا مرد یا عورت کی تصویر بنی ہے۔ بعض آثار میں بابل کے طرز کے مقدس مذہبی درخت کی تصویر ہے جس کے سامنے اس کے پجاری کھڑے ہیں۔ ان آثار کے علاوہ قبروں کی لوحیں، چونے کے پتھروں کے ٹکڑے، عمارت کے نقشے، اونٹ، گھوڑے، چوہے یا سانپ وغیرہ کی برنجی مورتیں بھی ملی ہیں۔

مہر، سکہ، قیمتی پتھر وائنا (آسٹریا) کے دارالآثار نے اس قسم کی مہروں کی ایک تعداد حاصل کی ہے۔ یہ مہریں، عموماً پیتل، تانبے، چاندی اور پتھر کی ہیں جن پر سبائی خط میں الفاظ کندہ ہیں۔ عرب کے جو قدیم سکے دستیاب ہوئے ہیں وہ اب کچھ تو برٹش میوزیم لندن میں اور کچھ وائنا میں ہیں۔ یہ عموماً یونانی قطع کے ہیں لیکن ان پر جو کتبات ہیں وہ سبائی خط میں ہیں۔ لندن برٹش میوزیم میں جو سکے ہیں وہ عدن، صنعاء، مارب میں ملے ہیں یا قسطنطنیہ سے خرید کر لائے گئے ہیں۔ وائنا کے سکے محقق ترین سیاح عرب گلازر Glaser کے نتائج عمل ہیں۔ بعض قیمتی پتھر بھی ملے ہیں جو وائنا کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں۔

لیکن یہ تمام تر زمانۂ مابعد کے ہیں۔ ان پر مختلف اشکال نقش ہیں۔ بعضوں پر عربی کتبے ہیں۔

عماراتِ منہدمہ جنوبی عرب (یمن و حضرموت) اور شمالی عرب (وادی القریٰ، حوران و بادیۂ شام) میں جو قدیم عربی حکومتوں کے مرکز تھے، قصور شاہی، معابد دینی اور عام مقابر کی منہدمہ عمارتیں اب تک باقی ہیں۔ جنوبی عرب میں حضرموت میں اس قسم کی عمارتیں ہیں جن

میں سے عدن کے پاس ایک انگریز سیّاح نے ”حصن غراب“ کا نشان دیا ہے۔ شمالی عرب میں تدمر کے کھنڈر ہیں جن میں نازک و بلند ستون اب تک ایستادہ ہیں۔ معبدِ شمس کا نشان باقی ہے۔ بعض رومی عمارات کے آثار بھی ہیں۔ بطرا جس کو عرب ”حجر“ اور یہود ”سلاع“ کہتے ہیں اور جو نبطیوں کا دارالحکومت تھا، آثارِ منہدمہ کا مدفن ہے۔ ایک اور عمارت کا نشان ہے جس کو ”خزانۂ فرعون“ کہتے ہیں۔ انہی کھنڈروں میں ایک اور عمارت ہے جس کا نام ”قصر فرعون“ ہے۔ بعض معابد کے بھی آثار ہیں۔ بعض قبریں ہیں جو میناروں کی شکل میں ہیں۔ بعض عمارتیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی ہیں۔

تاریخ قدیم کے بعض اصول

تاریخ قدیم کی تدوین میں سب سے بڑی دقّت زمانوں کی تعیین اور ناموں کے اتحاد واختلاف کی پیش آتی ہے۔ ان کے متعلق چند اصول سمجھ لینا چاہیئے۔

اصولِ تعیینِ زمانہ جدید طرزِ تاریخ کی رُو سے یہ نہایت ضروری ہے کہ قبائل کے زمانہ کی بھی تعیین کی جائے۔ لیکن درحقیقت یہ نہایت مشکل کام ہے کیونکہ اس کی واقفیت کے صرف تین ذرائع ہیں۔ تورات جو تفصیلی بیان سے بالکل خاموش ہے۔ روایاتِ عرب جن میں تاریخ وسنین مذکور نہیں اور آثار قدیمہ اور الواح منقوشہ جن سے صرف چند شاہانِ عرب کی تاریخ وفات یا تاریخِ فتوحات معلوم ہوتی ہے۔

عموماً کسی مجہول العہد قوم کی تعیینِ زمانہ کی یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ اس کی معاصر معلوم العہد قوم یا شخص کے زمانہ سے اس کا قیاس جاتا ہے۔ تعیینِ زمانہ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ عموماً چار پشتوں کی ایک صدی فرض کرکے پشتوں کے شمار سے زمانہ کی تعیین کر لی جاتی ہے۔ لیکن یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ کسی قوم کے وجود کی تاریخ اور اس کی شہرت اور ناموری کی تاریخ دو الگ چیزیں ہیں۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ اگر ایک قوم کی شہرت کا ایک زمانہ ہو تو وہی زمانہ اس کے آغازِ وجود کا بھی ہو۔ مثلاً بنو قحطان کی شہرت وترقی کا زمانہ ہم عہدِ موسوی کے بعد پاتے ہیں تو اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ عہد موسوی ہی ان کے آغاز وجود کا زمانہ بھی ہو۔ دنیا کی ہزاروں قومیں ہیں جو ہزاروں برس تک خاموش اور مجہول زندگی بسر کرتی ہیں اور پھر دفعۃً بعض اسباب سے نامور ہو جاتی ہیں۔ بلکہ فلسفۂ تکوینِ اقوام کے رُو سے نہایت ضروری ہے کہ قوم کے آغازِ وجود کا زمانہ اس کے زمانۂ ارتقاء وشہرت سے سینکڑوں ہزاروں برس پیشتر ہو کہ ایک فرد کنبہ بن سکے

اور ایک کنبہ قوم۔

اصولِ تطبیقِ اسماء ایک اور چیز جس سے کسی قدیم قوم کی جائے سکونت اور قومیّت کی نوعیت کی تحقیق میں بڑی مدد مل سکتی ہے، اشخاص تاریخی اور ان کے مقاماتِ سکونت کے ناموں کا یا دو قوموں کی زبان، اشخاص اور دیوتاؤں کے ناموں کا باہمی تطابق ہے۔

اشخاص و مقامات کے ناموں کا باہمی تطابق ان اشخاص کے مقامِ سکونت کا پتہ دیتا ہے۔

اور دو قوموں کی زبان اور ان کے باہمی اسماء کا تطابق ان کے اتّحادِ قومیّت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلا طریقۂ تحقیق تمام ممالکِ عالم سے زیادہ بلادِ سامیہ کے جغرافیۂ قدیم میں کارآمد ہے کیونکہ سامی اقوام کا یہ خاص مذاق ہے کہ وہ مقاماتِ سکونت کے نام بعینہٖ باشندوں کے نام رکھ دیتے ہیں جن سے نہایت آسانی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان اقوام کا کہاں مسکن تھا اور ان کی اولادیں کہاں کہاں پھیلیں۔

مسٹر فارسٹر نے اٹھارہویں صدی کے اواسط میں عرب کا جو تاریخی جغرافیہ Historical Geography of Arabia لکھا ہے اس میں اس اصول سے انہوں نے نہایت کارآمد نتائج پیدا کیے ہیں. گو بعض مقامات پر ان کے استنباطات دہم وظن سے آگے کا علم نہیں بخشتے اور کہیں علم کے بجائے وہ جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

لیکن اس اصول کے اِجراء میں دو بہت بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ زمانہ کے امتداد، قوموں کے انقلابات اور زبانوں کے تغیّرات سے نام کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں۔ اس لیے مقامات اور باشندوں کے ناموں میں تطابق کے بجائے کبھی صرف تشابہ پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ دوسری دقّت جو پہلے سے سہل تر ہے یہ کہ سامی زبانوں میں باہم اور نیز یونانی زبان میں جس میں تورات کا قدیم ترجمہ ہے، اور اب زیادہ تر وہی پھیلا ہوا ہے، جب ایک نام ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتا ہے تو بعض حروف کا خصوصیتِ زبان کی وجہ سے مبادلہ ہو جاتا ہے، مثلاً حسبِ ذیل حروف پیش ہیں:-

وہ حروف جو باہم بدل جاتے ہیں	مثال
ا اور ہ، ح، ع	اُجر اور ھاجر، اموِرانی اور حموِرانی اسماعِیل اور اسماعیل۔
پ اور ب، ف	پاران اور باران، فاران
ت اور ث	شیت اور شیث
تھ اور ث	تھمود اور ثمود
ث اور س، ص	عیثا اور عیسٰی، عیصاوٗ
ج اور ع، گ، ی	ھاجر، ھاغر اور آگر، جقطان، یقطان
س اور ش	سبا اور شُبا،
ص اور ض	حصارموت اور حضارموت،
ض اور س، د، ہ	اضحاک اور اسحاق، حدرموت، حضرموت
ط اور ت	نابط اور نابت
ع اور ا	یارح اور یعرب
غ اور ج، گ	ھاجر اور ھاغر
ق اور ک	اضحاک اور اسحاق، قیدار اور کیدار
م اور ن	عمرام اور عمران
ی اور ج، ع	یرح اور جرح یا جرہ، سینار اور سنجار

یہ تغیرات تو صاف ہیں۔ کہیں کہیں اوّل میں یا وسط میں یا آخر میں حروف کی زیادتی اور کمی بھی ہوتی ہے، خصوصاً الف کی زیادتی اور کمی تو بہت عام ہے، مثلاً حصارموت، حضرموت۔ ابی رہام۔ ابراھیم، ھبل، ھابیل وغیرہ۔

اصولِ اتحادِ اسماء والسنہ ہر قوم کے ناموں کی ایک خاص نوعیت اور ترکیب ہوتی ہے جس میں اس کی قومیت کا امتیاز مضمر ہوتا ہے۔ اقوامِ موجودہ میں ہندوؤں، مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے ناموں کی اور پھر ان مذاہب مختلفہ میں سے مختلف ملکوں کے باشندوں کے ناموں کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے جس سے ان کی قومیت کا نشان ملتا ہے۔ اس بناء پر اگر دو قوموں کے ناموں میں باہمی تشابہ نظر آئے گا تو ہم نہایت آسانی سے کہہ سکتے ہیں کر د۔ دونوں قومیں درحقیقت متحد الاصل ہیں۔ اسی طرح مذہبی اعتقادات کا تشابہ اور الفاظ زبان کی مماثلت و مشاکلت بھی باہمی اقوام کے اتحادِ نسل کی ایک مبہم دلیل ہے۔

انتباہات

۱۔ عاد، ثمود، سبأ، جرہم وغیرہ اکثر شخصی نام سمجھے گئے ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اصل میں قبیلوں اور قوموں کے نام ہیں۔ اس بناء پر اگر کہیں یہ مذکور ہے کہ "سب سے پہلی سلطنت سبأ نے قائم کی" تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کسی شخص مسمّیٰ بہ سبأ نے قائم کی بلکہ حسبِ عاداتِ عرب بحذفِ مضاف "بنوسبأ" سمجھنا چاہیے۔ اس اصول کے تسلیم کر لینے سے اکثر درمیان میں خالی جگہوں کے پُر کرنے کے لیے ناموں کے گڑھنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ عرب میں عموماً آبائے قبائل مثلاً کعب، اسد، کلب، مازن وغیرہ بول کر ابنائے قبائل یعنی بنوکعب، بنواسد وغیرہ مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر یہ مذکور ہے کہ عاد کی ہزار برس کی عمر تھی تو اس سے شخص عاد کی بجائے خاندانِ عاد مراد لینا چاہیئے۔

۲۔ دوسرا امر قابلِ ذکر یہ ہے کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اختلافِ السنہ کی بناء پر نام بہت کچھ بدل جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک ہی شخص کا نام مختلف زبانوں کے تلفظ سے بگڑ کر ممکن ہے کہ وہ چند اشخاص کے مختلف نام سمجھے جائیں۔ یونانی، یورپین اور عربی زبانوں میں آج بھی ایک ہی نام کو دیکھو تو ان کے اختلافِ تلفّظ سے سخت حیرت ہوگی۔ قرآن کے اعلام پر تو کئی ہزار برس گذر گئے، مسلمان فلاسفہ اور حکماء جن کو گذرے ابھی ایک ہزار برس بھی نہیں ہوئے، یورپین زبانوں میں ان کے عجیب عجیب نام ہوگئے ہیں جن کو اصل سے کوئی تعلق نہیں اور کبھی کوئی عرب ان کو عربی نام نہیں تسلیم کرے گا۔ ابوعلی بن سینا کو اویسینا Avicenie سے کوئی نسبت ہے؟ ابن رشد کو اویراس Averos سے کیا تعلق، ابن ہیثم کو الہزین Alhazien سے کیا مناسبت ہے؟ البقاسیس Albucasis ابوالقاسم زہراوی کون سمجھے گا؟

اسی طرح عبرانی نام عربی میں آکر اور یورپ میں یونانی میں جاکر کچھ کا کچھ ہو گیا ہے۔ عبرانی میں یقطان ہے، یونانی میں جقطان ہے اور عربی میں قحطان ہے   میں یارح ہے، یونانی میں جرح اور عربی میں یعرب ہے۔

اسلام سے پہلے عربوں کی قومی روایات میں بعض نام تھے مثلاً یعرب، یہودیوں کے ذریعہ سے عبرانی تلفظ میں اس کو یارح سنا تو انہوں نے کہیں تو ان کو دو شخص فرض کر لیے مثلاً یعرب اور یارح اور ان کو قحطان کے دو بیٹے قرار دے دیئے حالانکہ وہ ایک ہی ہیں۔ اور کہیں ایک کو دوسرے کی اولاد سمجھ لیا مثلاً ان کو عاد بن ارم سے واقفیت تھی، یہود نے عوض بن ارم کہا۔ انہوں نے فوراً دونوں ناموں کو جوڑ کر عاد بن عوض بن ارم کہہ دیا حالانکہ عاد اور عوض ایک ہی چیز ہے۔ اسی طرح ان کو یہ معلوم تھا کہ سباء قحطان کی نسل میں یمن کا بانی حکومت تھا، یہود سے یعرب کا نام سن کر جرہم کو تو حجاز کا باشندہ بتایا اور یعرب کو یمن کا، اور سباء کو یعرب کا بیٹا قرار دے کر سبا بن یعرب بن قحطان کہہ دیا، حالانکہ تورات میں سبأ بن قحطان بلاواسطہ یعرب بتصریح لکھا ہے اور اس کو یعرب کا بھائی کہا ہے۔

جغرافیۂ عرب

لفظ عرب عرب کو "عرب" کیوں کہتے ہیں؟ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ "عرب" اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری اور اظہار مافی الضمیر کے ہیں۔ چونکہ عرب کی قوم نہایت زبان آور اور فصیح اللسان تھی، اس لیے اس نے اپنا نام عرب رکھا اور اپنے سوا تمام دنیا کو اس نے عجم یعنی "بے زبان" کے نام سے پکارا۔ لیکن حقیقت میں یہ صرف نکتہ آفرینی اور دقت رسی ہے۔ دنیا میں ہر قوم اپنی زبان کی اسی طرح جوہری ہے جس طرح عرب۔

علمائے انساب کہتے ہیں کہ اس ملک کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا، جو یمنی عربوں کا پدر اعلیٰ ہے اس لیے اس ملک کے باشندوں کو اور نیز اس ملک کو عرب کہنے لگے۔ لیکن یہ بالکل خلافِ قیاس اور معلوماتِ تاریخی کے مخالف ہے۔ نہ یعرب اس ملک کا پہلا باشندہ تھا اور نہ لفظِ عرب کسی قاعدۂ لسانی کے موافق یعرب کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یعرب کا مسکن یمن تھا۔ اس لیے سب سے پہلے خود یمن یعنی جنوبی عرب کو عرب کہنا چاہیے لیکن اس کے بالکل برخلاف "عرب" کا لفظ پہلے شمالی عرب کے لیے مستعمل ہوا۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

اہلِ جغرافیہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ "عرب کا پہلا نام" عَرَبَة اور "عَرْبَة" تھا جو تحقیقاً بعد کو عموماً "عرب" بولا جانے لگا اور اس کے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار دیا گیا۔ چنانچہ شعرائے عرب کے اشعار سے بھی جو عرب کی تنہا ڈکشنری ہے، اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اسد بن جاہل کہتا ہے:

وعربة ارضٌ جدَّ فی الشر اھلھا   کما جدَّ فی شرب النّقاخ ظماء

ابن منقذ ثوری کا شعر ہے :

لنا ابل لم یطمث الذّل بینھا   بعربة ماواھا بقرن فابطحا
ولو انَّ قومی طاوعتنی سراتہ   امرتھم الامرَ الذی کان اربحا

اسلام کے بعد بھی یہ نام باقی رہا۔ ابوسفیان کلبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہتے ہیں :

ابونا رسول اللہ وابن خلیلہ   بعربة بوّانا فنعم المرکب

ابوطالب بن عبدالمطلب کی طرف جو قصیدہ منسوب ہے (گو صحیح نہیں) اس کا ایک شعر ہے :

وعربة دار لایحلّ حرامھا   من الناس الا اللوذعی الحلاحل[1]

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اس ملک کا نام "عربة" کیوں قرار پایا؟ اصل یہ ہے کہ تمام سامی زبانوں میں "عربہ" صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ عبرانی میں "عربا" (7271) بیابان اور میدان کو کہتے ہیں اور خود عربی زبان میں اس مفہوم قدیم کے بقایا موجود ہیں۔ عرابة کے معنی بدویت کے ہیں اور اعراب اہل بادیہ اور صحرانشینوں کے لیے اب تک مستعمل ہے۔ چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابان بے آب وگیاہ ہے اور خصوصاً وہ حصہ جو حجاز سے بادیۂ عرب وشام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے، اس لیے اس کا نام "عربا" قرار پایا اور پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو "عرب" کہنے لگے۔

قرآن مجید میں لفظ "عرب" ملکِ عرب کے لیے کہیں نہیں بولا گیا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی سکونت کے ذکر میں وَادٍ غَیۡرِ ذِی زَرۡعٍ یعنی "وادی ناقابل کاشت" اس کو کہا گیا ہے۔ اکثر لوگ اس نام کو عرب کی حالتِ طبعی کا بیان سمجھتے ہیں لیکن اوپر جو تحقیقی بیان ہے اس سے واضح ہے کہ یہ لفظ عرب کا بعینہٖ لفظی ترجمہ ہے۔ چونکہ اس عہد میں اس غیر آباد ملک کا کوئی

---

[1] ان اشعار کے لیے دیکھو معجم البلدان یاقوت لفظ عربہ۔

نام نہ تھا، اس لیے خود لفظ "غیر آباد ملک" اس کا نام پڑ گیا۔ توراۃ میں بھی اسماعیلؑ کا مسکن "مدبار" بتایا گیا ہے جس کے معنی بیابان اور غیر آباد قطعہ کے ہیں اور جو بالکل عرب کا ترجمہ اور "وادی غیر ذی زرع" کے مرادف ہے۔

تورات میں لفظ "عربا" عرب کے ایک خاص قطعۂ زمین کے معنی میں متعدد بار آیا ہے لیکن یقیناً اس وسعت کے ساتھ اطلاق نہیں ہوا ہے جس وسعت کے ساتھ اب یہ کیا جاتا ہے۔ لفظ "عربا" سے صرف وہ قطعۂ زمین مراد لیا گیا ہے جو حجاز سے شام و سینا تک وسیع ہے[1]۔ عام ملک عرب کے لیے زیادہ تر مشرق اور مشرق کی زمین[2] کا استعمال ہوا ہے اور کبھی جنوب[3] کا، کیونکہ عرب فلسطین کے مشرق و جنوب دونوں گوشوں میں ہے۔

لفظ عرب سب سے پہلے ۱۰۰۰ ق م میں حضرت سلیمانؑ[4] کے عہد میں سننے میں آتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد عام طور سے اس کا استعمال عبرانی، یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے۔ اسیریا کے کتبات میخی میں ۸۰۰ ق م میں عرب کا نام "عربی" لیا گیا ہے[5] اسلام سے پہلے ہی یہ لفظ پورے ملک کو جو یمن سے شام تک وسیع ہے، محیط تھا۔

عبارتِ بالا سے ظاہر ہوگا کہ عرب قدیم کے جغرافیہ کے تین ماخذ ہیں، تورات، یونان اور رومان اور خود عرب، اور ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ یہ تین مختلف ماخذ تین مختلف زمانوں سے متعلق ہیں۔ تورات کا بیان ۲۵۰۰ ق م سے تقریباً ۸۰۰ ق م تک ہے یونان و رومان کا بیان ۵۰۰ ق م (ہیرو ڈوٹس) سے ۲۰۰ء (بطلیموس) تک ہے۔

خود عربوں کے بیانات عرب کے مقاماتِ قدیم کے متعلق جو بعہدِ اسلام مدوّن ہوئے چند مشہور قبائل کے مقاماتِ سکونت کے سوا (مثلاً احقاف مسکن عاد، مدین مسکنِ ثمود، یمامہ مسکنِ طسم و جدیس، حجاز مسکنِ جرہم، یمن مسکنِ قحطان) عہد مسیح سے بعد کے ہیں، اور

---

[1] استثناء ۱۱- ۷۱ و ۲، ۱۔ [2] تکوین ۲۵- ۶- ۱۰- ۳۰، قضاۃ ۶- ۲۳، ۱ سلاطین ۴- ۳۰، ارمیا ۴۹- ۲۸،

[3] متی ۱۲- ۱۲، تکوین ۱۳- ۹- ۱۲- ۹۔ [4] یم سفرالملوک ۱۰- ۱۵۔ [5] تاریخ بابل راجرس، جلد ۲ ص ۱۲۱۔

اس کا سبب یہ ہے کہ عرب تصنیف و تالیف سے آشنا نہ تھے ورنہ ظاہر ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہ۔ عرب کے شعراء کا عام مذاق یہ ہے کہ وہ قصائد میں سے محبوب کے دیار و مسکن اور اپنے سفر کے مقامات و منازل کا تذکرہ کیا کرتے ہیں۔ علمائے اسلام نے ان ہی سے عرب کا جغرافیۂ وصفی ترتیب دیا ہے۔

جغرافیہ عرب از تورات

عہد عاد و ثمود و مدین و ایکہ و ادوم

(از ۲۵۰۰ ق م تا ۸۰۰ ق م)

عرب گو امم سامیہ کا مولد و منشا ہے لیکن عجب نہیں کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ان کو یہ یاد بھی نہ رہا ہو کہ یہ اس عہد کا واقعہ ہے جب نوعِ انسان دایۂ عالم ما کے آغوش میں طفلِ شیرخوار تھا۔ بچے عہدِ طفولیت میں اشاروں کے سوا لفظوں میں کسی چیز کا نام نہیں بتلاتے۔ امم سامیہ جو مسیح سے ڈھائی تین ہزار برس پہلے بچے تھیں، عموماً "پورب کی سرزمین" کے سوا اپنے مولد کا نام کچھ اور نہیں بتاتیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اس وقت انسان خود "نام" کا بھی نام نہیں جانتا تھا۔

عرب کے نام بہرحال ملک عرب کا پہلا[1] نام "پورب کی زمین" ہے اور دوسرا نام "جنوب کی زمین" اور ان دونوں ناموں سے وہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے بھی پکاری گئی ہے[3]، "پورب کی زمین" سے کبھی تورات میں بابل واسیریا اور مابین النہرین بھی مراد لیے گئے ہیں[4] لیکن زیادہ تر ان کو زمینِ شمال کہا گیا ہے کہ وہ فلسطین کے مشرق و شمال میں واقع ہے۔

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب قبائل کی شکل پیدا ہوتی ہے۔ شمالی عرب میں ابتدائے عہد سے مختلف قبائل ادوم، عموانی، مواب، بنو عمان، مدیانی اور عمالیق آباد[5] تھے۔ عبرانیوں کو

---

[1] سفر تکوین: ۱۱۔ [2] دیکھو میوان کی کتاب قدیم جغرافیہ Ancient Geography of Arabia PP-38

[3] تکوین: ۲۵۔ ۶ [4] تکوین: ۲۹-۱۔ [5] یہ تمام سامی قومیں ہیں اور ان سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات رہے ہیں۔

قرب و مجاورت کے سبب سے شمالی عرب سے کسی قدر واقفیت تھی لیکن وہ اس شمالی حصہ کا کوئی خاص نام نہیں بتاتے تھے بلکہ عموماً ان میں سے ہر قطعہ کو قبائل کی اضافت و نسبت سے ممتاز کرتے تھے، مثلاً ادوم کی زمین، مواب کی زمین، عمالیق کی زمین وغیرہ۔ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں جب بنی اسرائیل مصر سے براہ بحر احمر گوشۂ عرب شمالی سے گذرے تو ان کو نظر آیا کہ یہ ملک ایک سراسر کفِ دست میدان ہے۔ اس لیے شمالی عرب کے ایک گوشہ کا نام انہوں نے "عربا" قرار دیا[1] اور بقیہ اقطاعِ عرب کا وہ اسی طرح باضافتِ قبائل نام لیتے رہے۔

حضرت سلیمانؑ کا عہد عبرانیوں کے اوج شباب کا زمانہ ہے۔ دریا میں ان کے جہاز سواحل عرب کی چاروں طرف بحر احمر[2] سے بندر اوفر[3] تک سفر کیا کرتے تھے، جو یمن میں اس وقت تجارت کی منڈی تھی اور خشکی میں ان کی فوج عرب کے تمام شمالی بلکہ بعض جنوبی ریاستوں (سبا) کو بھی مغلوب کر چکی تھی[4]۔ اس وقت ان کو عرب کے حقیقی حدود معلوم ہوئے۔ اس بناء پر "عربا" کو جو پہلے صرف شمالی عرب کے لیے مخصوص تھا، ملک کی حدّ معلوم تک وسیع کر دیا[5]۔ بایں ہمہ جب تک وہ زندہ رہے مقامات کا نام باضافتِ قبائل انہوں نے متروک نہیں کیا۔

اقطاعِ عرب عبرانیوں کو عرب کا کوئی منظّم جغرافی علم نہ تھا۔ ایک مدّت تک وہ صرف شمالی عرب سے واقف تھے جس کے موجودہ اقطاع حجاز، سینا، عربِ شام، عربِ عراق، بحرین اور سواحلِ خلیج فارس ہیں۔ اس شمالی عرب کے انہوں نے دو حصے کیے تھے، زمینِ مشرق اور زمینِ جنوب۔ زمینِ مشرق میں ملک کنعان کے مشرق کے ممالک، سواحلِ خلیجِ فارس، بحرین اور عرب عراق، اور زمینِ جنوب میں سینا، حجاز، بادیۂ عرب، شام اور بعض حصّہ

---

[1] استثنا: باب ۱۔ آیت ۱۔۷ و باب ۲۲۔ اور باب ۳۶ [2] ملوکِ اوّل: ۹۔۲۶ [3] ملوکِ اوّل: ۹۔۲۸

[4] ملوک اوّل: ۱۰۔۲۱ [5] ملوک اوّل: ۱۰۔۱۵۔

نجد داخل کرتے تھے جو کنعان کے جنوب میں واقع ہیں۔

اسفارِ تورات و نبیین (صحفِ انبیائے یہود) میں ہماری سمجھ اور استقصار کے مطابق عرب کے حصۂ مشرقی و جنوبی کا عبرانیوں کے محاورہ کے مطابق حسبِ ذیل مقامات میں ذکر ہے جن کو ہم بہ ترتیب حاشیہ میں لکھ دیتے ہیں[1]۔

ان مشرقی و جنوبی حصوں میں مختلف قبائل آباد تھے۔ ہر حصہ کا نام اس کے قبیلہ کی طرف نسبت کر کے لیتے تھے مثلاً جنوب میں کوہِ سعیر کے دامن میں ادومی اور عمالیق آباد تھے، اس کا نام زمینِ ادوم و عمالیق تھا۔ اس سے نیچے موجودہ خلیج عقبہ سے دور تک سواحل بحر احمر پر مدیانی آباد تھے، وہ ارضِ مدین تھا جس کو ایک مدت سے اب حجاز کہتے ہیں۔ مشرق میں حورانی، بنو عمان اور مواب تھے یہی ان کے ملکوں کے نام تھے۔ آگے بڑھ کر مدین اور نجد کے سرحدوں پر بنو اسماعیل کے خیمے تھے۔

عرب کے شہر و مقامات تورات میں مقاماتِ عرب میں سے سب سے پہلے "مشا" اور "سفار" کا نام آیا ہے جو بنی قحطان کی آبادی کی ابتدائی اور آخری حد تھی[2]۔ "سفار" سے متفقاً "ظفار" واقع یمن مراد لیا گیا ہے لیکن "مشا" نام عرب میں کوئی مقام نہیں۔ اس کو عرب اپنے تلفظ میں کیا کہتے ہیں؟ ریورنڈ بیوان Rev. Bevan مصنف "جغرافیۂ قدیم" کی رائے ہے کہ وہ "موزہ" ہے، جو ساحلِ عرب پر بحر احمر کے مدخل کے پاس ایک مقام ہے[3]۔ ایک دوسرا مقام بطلیموس

---

[1] جنوب: تکوین ۱۲ - ۶ و ۱۳ - ۱ و ۲۴ - ۶۲، عدد ۲۴ - ۳ تثنیۃ ۱۳ - ۲۹ یوشع ؛ ۱۰ - ۴۰ و ۱۸ - ۵ و ۱۱ - ۱۹ و ۱۲ - ۸ و ۱۵ - ۱۹۔ قضاۃ ؛ ۱ - ۹ - ۱۵ اسموال ؛ ۲۴ - ۷ و ۳ - ۱۔ اشعیا ؛ ۳۰ - ۶ یرمیا: ۱۳ - ۱۹ و ۱۷ - ۲۶ و ۲۳ - ۱۳۔ حزقیال ؛ ۲۰ - ۴۶ و ۴۷ - ۲۱ - ۴ و ۴۰ - ۲ - ۲۴ - ۴۴ و ۴۱ - ۱۱ و ۴۶ - ۹ دانیال ۸ - ۹ و ۱۱ - ۵، ۶ - ۹ - ۱۱ - ۱۵ - ۲۵ - ۲۹ - ۴۰ عبدیا ؛ ۱۹ - ۲۰ - حبقوق ؛ ۳ - ۳۔

مشرق، تکوین ؛ ۲۵ - ۶ و ۲۹ - ۱ عدد ۳ - ۳۸ و ۲۳ - ۷، قضاۃ ؛ ۶ - ۳ - ۳۳ و ۷ - ۱۲ و ۸ - ۱۰ ملوک اول ؛ ۴ - ۳۰ ایوب ۱ - ۳،

[2] تکوین ؛ ۱۰ - ۳۰۔

[3] ملوک اول ؛ ۹ - ۲۶۔

Ptolemy کے نقشہ میں موسٰی ہے، جو مغربی ساحلِ یمن پر واقع ہے[1]۔ لیکن اس سے مکّہ کیوں نہ سمجھا جائے، کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کے صاحبزادے کا نام تورات میں مسا مذکور ہے[2]، جن کے نام سے ممکن ہے کہ یہ مقام آباد ہوا ہو۔ قرآن کے انگریز مترجم سیل G. Sale نے یہی سمجھا ہے[3]۔ زمانہ کے تقدم و تاخر کا شبہہ نہ ہو کہ کسی قدیم مقام کو بعد کے نام سے تعبیر کرنا تورات کا عام دستور ہے۔

ادوم کی زمین میں دنہابہ، بصورہ، تیمان، عویت، مسریقہ، رحوبوت اور فاعَو نام آبادیوں کا تورات نے ذکر کیا ہے[4]۔ لیکن ان کا محلِّ وقوع نہیں بتایا ہے۔ مگر چونکہ یہ زمین ادوم میں واقع ہیں اس لیے اتنا ظاہر ہے کہ شمال و مغرب میں ان کا نشان ڈھونڈنا چاہیئے۔

بُصرہ یقیناً وہی شہر ہے جس کو عرب بَصریٰ کہتے ہیں اور جو اب تک معلوم ہے۔ تیمان کو شاید تیماء سے تعلق ہو جو بصریٰ کے پاس ایک مشہور آبادی ہے اور جس کا ذکر تورات میں کئی جگہ ہے۔

قیدار بن اسماعیل کے تعلق سے "حصور" ایک قطعہ کا نام لیا گیا ہے[6] لیکن جہاں تک معلوم ہوا ہے اس نام کی کوئی آبادی عرب میں نہیں اس لیے یقیناً یہ کسی قطعہ کا نام نہیں بلکہ اس سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی وہ آبادی جو مستقل ہو بادیہ کی طرح عارضی نہ ہو۔ اس سے عربی "حضر" کا لفظ نکلا ہے اور اسی بناء پر آج کل حاضرہ مشہور و عظیم الشان شہر کو کہتے ہیں۔

عرب کے ایک مشہور شہر کا نام تورات میں "سلاع" آیا ہے جو ادوم کی حکومت میں واقع تھا[7]۔ سلاع کے معنی پتھر کے ہیں۔ عربوں کے ہاں اس کا نام "الحجر" ہے اور یونانی اس کو

---

[1] Ancient Geography, pp. 418, 71 [2] نقشہ مندرجہ The Penetration of Arabia, D.G. Hogarth

[3] تکوین ۱۵-۱۵۔ [4] دیباچہ ترجمۂ قرآن از جارج سیل [5] تکوین ، ۳۶ - ۳۱ - ۴۰ [6] یرمیاہ ۴۹:- ۲۸ ۔ [7] ملوک دوم : ۱۴ -

پٹرا Petra کہتے ہیں معناً تینوں ایک لفظ ہیں۔ اس شہر کا نشان اب تک شام کے قریب شمال عرب میں باقی ہے۔ زمانۂ اوّل میں یونانیوں کے زمانہ تک اس شہر کو بڑی رونق حاصل تھی۔ خلیج عقبہ کے پاس "عیلات" ایک بندر[1] حکومت ادوم سے متعلق تھا۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ نے اس حکومت کو اسرائیل میں داخل کرکے اپنے بحری کارخانہ کا صدر مقام قرار دیا تھا۔ جنوبی عرب میں جہاں عدن واقع ہے، "اوفر" نام ایک دوسرا بندر تھا۔ حضرت سلیمان کے جہاز عیلات سے چل کر یہیں اوفر آتے تھے۔[2] اوفر کا تورات میں متعدد بار نام آیا ہے۔ یہ ایک تجارتی منڈی تھی۔ سونا کثرت سے یہاں آتا تھا۔ عدن جو اب تک موجود ہے، اس کی تجارت کی اس وقت بھی دھوم تھی۔

یمن کے شہروں میں سے "سبأ" کا نام بھی تورات میں آیا ہے۔ یہاں کی ملکہ حضرت سلیمانؑ کے دربار میں بھی آئی تھی۔[4] سبأ کے ساتھ یمن کے دوسرے تجارتی مقامات مثلاً "اوزال" کا نام بھی دولت مندی کی خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔[5] اوزال وہاں آباد تھا جہاں اب صنعاء آباد ہے۔ شمال عرب میں حجاز کے کسی قطعہ میں حویلا واقع تھا جہاں بنی اسماعیل کی آبادی تھی۔[6] عربوں کے ایک اور مسکن[7] کا نام جو "دیعل" بتایا گیا ہے معلوم نہیں کہاں واقع تھا۔ لیکن فلسطین کے ساتھ اس کا ذکر ہے اس لیے شاید شمالی عرب میں ہوگا۔

قبائلِ عرب قبائل عرب میں سے عبرانیوں کو صرف ان قبائل سے واقفیت تھی جن سے ان کا سیاسی یا تجارتی تعلق تھا۔ بنو مدیان، بنو عمان، بنو ادوم و عمالیق اور بنو مواب ان کے ہمسایہ اور برابر کے حریف تھے۔ اندرونی قبائل دو تھے، قحطانی اور اسماعیلی۔ قحطانیوں میں سے بجز سبأ اور اوزال کے جو تاجر تھے، اور کسی کا ذکر نہیں آیا۔[8] اسماعیلیوں میں سے مطلق "قبائلِ اسمٰعیلیہ"

---

[1] ملوک اول ، ۹ - ۲۶ [2] ملوک اوّل : ۹ - ۲۸ [3] ملوک اول ۲۷ - ۲۳ [4] ملوک دوم : ۱۰ - ۱ - ۱۳ [5] حزقیال : ۲۷ - ۱۹ [6] تکوین : ۲۵ - ۱۸ [7] تاریخ ثانی : ۲۶ - ۷ [8] حزقیال : ۲۷ - ۱۹

کا نام آیا ہے جو عرب و مصر کے تاجر تھے[1]، اور کبھی عبرانیوں سے مدیانیوں کے ساتھ مل کر لڑے بھی تھے[2]۔

قبائل اسماعیلیہ کا دوسرا نام ”بنو ہاجرہ“ یا ”ہاجرین“ بھی تھا۔ اس نام سے بھی تورات میں ان کا ذکر آیا ہے[3]۔ بنو اسماعیل یا بنو ہاجرہ میں سے دو قبیلے نامور ہوئے، بنایوت (نبطین) اور قیدار، ان دونوں کا ذکر تورات نے کیا ہے[4]۔ ایک اور عربی قبیلہ تورات میں ”معون“ نام مذکور ہے[5]، لیکن عرب اس کو ”مَعین“ کہتے ہیں۔

---

[1] تکوین، ۳۷-۲۷ [2] قضاة، ۸-۲۴ [3] ایام اول: ۵-۱۰ [4] خرقیال: ۲۰-۷

[5] تاریخ ثانی: ۲۶-۱۰۔

جغرافیۂ عرب از مصنّفین یونان و رومان

(ثمود ثانیہ، سباؔ، قوم تبع اور اصحاب الحجر کا عہد ۵۰۰ ق م تا ۲۰ء)

یونان میں سب سے پہلا شخص جس کو اقطاعِ ارضی کا علم تھا، ہومر فرض کیا جاتا ہے۔ اس کا زمانہ ہزار یا ۸۰۰ ق م تھا۔ ہومر Homer ایک یونانی شاعر تھا۔ اس کے کلام میں بعض ممالک کے نام آ گئے ہیں اور یہی اس کی جغرافی واقفیت ہے۔ منجملہ ان ممالک کے ایک ملک کا نام "عیرمبی" ہے جس کو "عربی" سمجھا جاتا ہے[1]۔ دوسرا نام "اریمی" ہے جس سے شام مراد لیا جاتا ہے کیونکہ توراۃ نے اس کو "ارم" کہا ہے۔

یونان کا سب سے پہلا مؤرّخ اور جغرافی ہیروڈوٹس Herodotus ہے۔ مسیحؑ سے ۴۵۰ برس پہلے تھا۔ یہ پہلا یونانی مصنف ہے جو واقفیت کے ساتھ عرب کا ذکر کرتا ہے۔ تاہم اس کی معلومات جغرافی نہایت ناقص تھیں۔ عرب کی نسبت اس کا خیال تھا کہ وہ جنوب میں آبادی کا سب سے آخری حصہ[2] ہے۔ عرب کی مغربی حد اس نے دریائے نیل قرار دی[3] ہے اور کوہستان سینا کو بھی اسی میں[4] داخل کیا ہے۔ وہ اس سے بھی واقف نہ تھا کہ عرب کے مشرق میں خلیج فارس ہے جو عرب و فارس کو علیحدہ

---

[1] *Ancient Geography* by Bevan p. 19

[2] *Herodotus* by H. Cary, Book III, Para 107

[3] ____________*ibid*____________Book II, Para 15

[4] ____________*ibid*____________Book II, Para 8

کرتی ہے[1]۔ عربوں کی تجارت کا جا بجا اس نے ذکر کیا ہے[2]۔ وہ اس سے واقف تھا کہ عرب کے مغرب میں ایک دریا ہے، مگر اس کا نام بجائے "بحر احمر" یا "قلزم" کے "خلیج عرب" قرار دیتا ہے[3]۔ یہ بھی سمجھتا ہے کہ بحر احمر کی بعض شاخیں اندرون عرب میں بھی بہتی ہیں[4]۔ شاید اس سے اس کی مراد خلیجِ عقبہ ہو۔ لیکن اس کی کیا تاویل ہے کہ وہ کہتا ہے کہ عرب میں ایک بہت وسیع دریا ہے جو بحر احمر میں آکر گرتا ہے اور جس کا نام کورلیس ہے۔

پانچویں صدی ق م کے ہیروڈوٹس کے بعد یونانی و رومانی جغرافیہ نویسوں کے نتائجِ معلومات حسبِ ذیل ہیں:-

حدود عرب ہیروڈوٹس کے بعد سکندر کے اسفار و فتوحات نے تیسری صدی ق م میں یونانیوں کی معلوماتِ جغرافی کو بہت بلند کر دیا۔ ان کو اس کے بعد صحیح طور سے عرب کی حدود معلوم تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ عرب کے مغرب میں بحر احمر، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند اور مشرق و شمال میں بحر فرات اور شمال و مغرب میں شام اور حدود مصر واقع ہیں اور اس بناء پر جزیرہ نمائے سینا کے اکثر حصہ کو عرب میں داخل سمجھتے تھے۔ اور خود اس عہد میں یہود بلکہ نصاریٰ بھی یہی جانتے تھے، جیسا کہ سینٹ پال کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے[5]۔

اصل یہ ہے کہ شمالی و مغربی گوشہ میں عرب کی کوئی قدرتی حدبندی نہیں۔ اسی لیے جغرافیہ نویس مختلف الرائے ہیں۔ ہیروڈوٹس Herodotus اور پلینی Pliny نے بشمولِ جزیرہ نمائے سینا بحر ابیض یا متوسط Mediterranean تک اس گوشہ کو وسیع کیا ہے اور دوسرے جغرافیہ نویسوں نے بحر میّت Dead Sea سے بصریٰ

---

[1] Herodotus by H. Cary Book IV, Para 39

[2] ____________*ibid*____________Book 2 Para 107

[3] ____________*ibid*____________Book II, Para 2

[4] ____________*ibid*____________Book II, Para 90

[5] سلاطین ۴۴ - ۲۵

اور تدمر تک اس کو محدود کر دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتحادِ جنسیت، حدود طبعی، نوعیتِ حکومت اور دیگر مناسبات کی بناء پر ہمیشہ یہ اقطاعِ عرب میں شامل رہے ہیں۔

اقطاعِ عرب یونان و روم کے قدیم جغرافیہ دان ایراستینوس Erotosthenes استرابو Strabo اور پلینی Pliny نے عرب کو صرف دو قدرتی حصوں پر تقسیم کیا ہے، شمالی اور جنوبی۔ لیکن اس سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ دوسری صدی میں بطلیموس Ptolemy کی تقسیم ہوئی ہے اب تک یورپین جغرافیہ نویس اور سیاح اس تقسیم کی تقلید کرتے ہیں۔

بطلیموس Ptolemy نے تمام ملک کو تین طبعی حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عرب آبادان یا العرب المیمونۃ Arabia Felix عرب ریگستان یا عرب الرمال Arabia Deserta اور عرب سنگستان یا عرب الحجر Arabia Petra

عرب سنگستان یا عرب پٹیرا مغرب میں مصر کی سرحد سے جزیرہ نمائے سینا سے گذر کر مغرب میں بُصریٰ پر ختم ہوتا ہے جو عرب کا ایک قدیم شہر ہے۔ شمال و مغرب میں تدمر تک اس کا گوشہ جاتا ہے اور اس کی پشت پر شمالی و مغربی یہودیہ اور فلسطین کا ملک پڑتا ہے۔

جنوب میں عرب ڈزرٹا یعنی عرب ریگستان اور عرب فیلکس یعنی عرب آبادان واقع ہے۔

عرب ریگستان یا عرب ڈزرٹا کی مشرقی و شمالی حد نہر فرات اور الجزیرہ (میسوپٹیمیا) سے شروع ہو کر مغرب و شمال میں عرب سنگستان یا عرب پٹیرا کی مغربی و شمالی حد پر ختم ہوتی ہے۔ جنوب میں عرب آبادان یا عرب فیلکس ہے۔

عرب آبادان یا عرب فیلکس بقیہ تمام جزیرہ نمائے عرب کو جو مغرب میں بحر احمر، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند اور شمال میں عرب سنگستان اور عرب ریگستان سے محاط ہے، کہتے ہیں جس میں بحر احمر کے ساحل پر حجاز، سواحل بحر احمر و ہند پر یمن، حضرموت اور سواحل خلیج فارس پر عمان و بحرین اور وسط عرب میں یمامہ و نجد داخل

ہیں[1]

یونانی اور رومانی فاتحین نے عرب پیٹرا اور عرب ڈزرٹا کو فتح کر لیا تھا اس لیے وہ اس کے حالات سے واقف تھے۔ عرب فیلکس کے صرف سواحل سے ان کو آگاہی تھی، اور ایک آدھ نام غلط سلط اندرونی قبائل و اقطاع کے بھی انہوں نے سن لیے تھے۔

ڈاکٹر اسپرنگر کی تحقیق کے مطابق بطلیموس نے اب جغرافیہ میں عرب فیلکس کے چوّن قبائل، ایک سو چوسٹھ مقامات، پانچ سو سات کوہستانی سلسلے اور چار دریاؤں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ اسطیفنوس Stephenus اور پلینی Pliny نے بھی بعض نام گنائے ہیں لیکن اسباب خواہ[2] جو کچھ ہوں واقعہ یہ ہے کہ دس پانچ ناموں کے سوا اب وہ سب غیر معروف ہیں۔

---

[1] *Historical Geography of Arabia* by J. Forster Vol II, pp. 12-13

[2] غیر معتقدینِ بطلیموس تو یہ کہتے ہیں کہ ان ناموں کا وجود و مصداق بطلیموس دماغ کے سوا کہیں خارج میں نہیں ہے۔ عرب کے خالی از معلومات اوراق کو پُر کرنے کے لیے اس نے اپنی طرف سے نام گھڑ لیے ہیں۔ ایک مصنف ان کی ایک معقول وجہ بتاتا ہے[1]:

> اکثر ان اقطاع عرب میں آبادی کا کوئی کوئی باقاعدہ و مقررہ اصول نہیں رہا ہے جن کا بطلیموس نے نشان دیا ہے۔ اگر بطلیموس کے ناموں میں کوئی حقیقت ہے تو وہ کنوئیں ہوں گے یا نخلستان جہاں کاروان اور قافلے اپنے خیمے کھڑے کر دیتے ہوں گے۔ بطلیموس کے نہ صرف جغرافیہ عرب بلکہ عام جغرافیہ عالم کے متعلق علمائے عرب کو بھی یہی شکایت ہے اور وہ اس کے وجوہ بھی بتاتے ہیں۔ سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری میں مسعودی لکھتا ہے[2]:

الا ان اسماء ها فی هذا الکتاب   جغرافیۂ بطلیموس کے یونانی ناموں کو سمجھنا

---

[1] ان بیانات کے لیے دیکھو، مقدمہ *The Penetration of Arabia* by D.G. Hogarth pp. 1923

[2] مروج الذہب صفحہ ۱۰۲ ج ۱ مصر برحاشیہ نفح الطیب۔

بہرحال عرب کے جن قبائل و مقامات کے نام یونانیوں اور رومانیوں کے ہاں آئے ہیں ہم ان کو مستقل ابواب میں ترتیب دیتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص) جهلت اكثر الاماكن التى ذكرت	مشکل ہے۔
فيها دابهم علينا امرها وعدمت	مشکل ہے۔ بطلیموس کے اکثر بیان کردہ مقامات
التطاول الزمان فلا تعرف۔	سے ناواقف ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آتے
	کیونکہ مرورِ زمانہ سے وہ مٹ گئے ہیں اور
	اب مجہول ہیں۔

سب سے آخر میں دسویں صدی ہجری میں لفظ "جغرافیہ" کے تحت میں کاتب چلپی کا بیان ہے:

لكن اندرس كثير مما ذكره و	بطلیموس کے اکثر بیان کردہ مقامات مٹ
تغيرت اسماره فانسد باب الانتفاع	گئے ہیں اور ان کے نام بدل گئے ہیں اس
منه۔	لیے اس سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ بند
	ہوگیا ہے۔

لیکن معتقدین بطلیموس اس الزام سے برہم ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یونانی اللہجہ ناموں کی عرب جغرافیہ نویسوں کے بلکہ حال کے سیاحین یورپ کے بیان سے تطبیق دی جائے۔ ریورنڈ فارسٹر نے ۱۸۴۴ء میں "عرب کے جغرافیہ تاریخی" کے دوسرے حصہ میں ۱۰۹ سے ۲۷۶ تک ۱۵۰۷ تک ان ناموں کی تحقیق و تصدیق و تطبیق میں صرف کیے ہیں اور ہر جگہ اپنی "عالمانہ جہالت" کی عجیب و غریب مثال پیش کی ہے۔ غریب فارسٹر کو نہیں معلوم کہ یہ قبائل کب پیدا ہوئے، ان مقامات میں کب آباد ہوئے اور عربی میں ان کا صحیح نام کیا ہے۔ وہ بطلیموس کے ناموں کو حروف کے ہیر پھیر سے موجودہ قبائل سے تطبیق دیتا ہے۔ اس کو نہیں معلوم کہ اب قدیم قبائل کا اکثر و بیشتر نشان بھی نہیں۔ وہ عہد اسلام میں فاتحانہ کہاں سے کہاں نکل کر آباد ہوگئے۔ موجودہ قبائل کے نام بالکل نئے ہیں، فارسٹر کے بعد ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۷۵ء میں "جغرافیہ قدیم عرب" Ancient Geography of Arabia کے نام سے اسی قسم کی کوشش کی ہے۔ مجھے ان کی کامیابی کا حال نہیں معلوم ہے۔ ان کے مرتبہ "نقشہ قدیم عرب کے" سوا اصل کتاب مجھے نہیں ملی۔

مقامات عرب عرب فیلکس کے وہ مقامات جو تقریباً صحیح اور معروف ہیں حسبِ ذیل ہیں۔ یہ علی الترتیب حجاز سے بحر احمر، بحرِ ہند اور خلیج فارس کے کنارے سواحل پہ عراق تک واقع ہیں[1]

یونانی تلفظ	بخطِ اردو	صحیح عربی نام	کیفیت
Macoraba	مکاربا	مکّہ ، ربّہ	ربّہ کے معنی اعظم کے ہیں ۔
Jathreppa	اتِرپّا	یثرب	شہر مدینہ منوّرہ کا جاہلی نام ۔
Jambia	اِنبیا	ینبوع	حجاز کا ایک ساحلی مقام ۔
Dumatha	ڈومیتھا	دومہ	شمالی عرب کا ایک شہر ۔
Egra	اجرا	حجر	ثمود کا دارالحکومت حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پہ ۔
Thaimaia	تھیمیا	تیماء	انتہائے حجاز میں بجانب شام ایک شہر ۔
Mediuna	مودی یونا	مدین	حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پہ حضرت شعیبؑ کا شہر ۔
Sappor	سفّار	ظفار	یمن میں ایک قدیم شہر
Adana	عدانا	عدن	ساحل بحر ہند پہ یمن میں ایک بندرگاہ
Minai	مینائی	معین	یمن میں ایک قدیم آبادی ۔
Mariaba	ماریاب	مأرب	یمن کا قدیم دارالحکومت ۔

---

[1] منتخب از *The Penetration of Arabia* by D. G. Hogarth, pp. 18, Ptolemy's Map of Arabia by Dr. Sprenger - Rev. Bevan, OP. CIT. p. 174.

یونانی تلفظ	بخط اردو	صحیح عربی	کیفیت
Negrana	نگرانا	نجران	یمن میں ایک نصرانی آبادی۔
Chatramoti	کیٹرموٹی	حضرموت	ساحل بحر پہ جنوبی عرب میں یمن کے پاس۔
Maccala	مکالا	مکلا	جنوب یمن میں ساحل بحر عرب پہ۔
Gerrhai	گرہائی	قریہ	یمامہ میں ایک شہر ہے۔
Catabaei	قتابائی	قتاب	قدیم یمن میں ایک شہر۔
Nasao	نشک	نشق	قدیم یمن میں ایک شہر۔
Karnaeé	قرنائی	قرن	قدیم یمن میں ایک شہر۔
Sabaee	سبائی	سبأ	قدیم یمن میں ایک شہر۔
Omanum	عمانوم	عمان	ساحل خلیج فارس پر مشرقی عرب میں ایک صوبہ۔
Amithoscuta	امیتھوسکوٹا	مسقط	عمان کا دار الحکومت۔

عرب پٹرا اور عرب ڈزرٹا سے یونانیوں اور رومانیوں کو واقفیت تھی کہ ان پہ ان کا قبضہ تھا۔ لیکن یہاں دوسری دقت ہے یعنی عرب آبادیوں کو مٹا کر انہوں نے یونانی نام سے یونانی و رومانی شہر قائم کر لیے تھے۔ تاہم جن ناموں کے اتحاد و اشتراک کا حال معلوم ہوا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:۔

تدمر: سب سے مشہور تر مقام ان اطراف میں تھا۔ یہ انتہائے شمال میں فلسطین کے پاس عرب کا آخری شہر ہے۔ اسفار یہود میں ہے کہ اس کو حضرت سلیمانؑ نے بنوایا تھا[1]۔ بہرحال یہ ایک عرب ریاست کا دار الامارت تھا۔ رومیوں نے ۲۰ء میں جب اس کو لیا تو اس کا نام "پالمائر"

---

[1] ملوک اول: ۹ - ۹ - ۱۹ -

رکھ دیا۔[1]

رباتِ مواب: یہ شہر بحرمیت کے قریب عرب پٹرا میں موابی عربوں کا دارالحکومت تھا۔ رومیوں نے اس کا نام ادیوپولس رکھا تھا ۳۱۵ ق م میں زلزلہ سے تباہ ہو گیا۔[2]

بُصریٰ، جس کو رومیوں نے بگاڑ کر بوسٹرہ بنایا ہے، وہ بھی اسی کے قریب ایک شہر تھا اور اب بھی اس کا نشان ہے[3]۔ یہ ادومی عربوں کا خاص مقام تھا۔

الرقیم: اس کو عبرانی سلاع Shiloh اور یونانی پٹرا Petra کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب میں پہلے مدیانی حکومت کے ماتحت ایک دارالامارت[4] تھا۔ پھر نبطی عربوں کا دارالحکومت ہوا۔ رومیوں کے عہد میں بھی اس کو خاص اہمیت ملی۔

رباتِ عمون: عرب ڈزرٹا کے شمالی و مشرقی حصہ میں عمونی عربوں کا یہ دارالحکومت تھا۔ اس کو یونانیوں نے فلاڈلفیا Philadelphia کا نام بخشا ہے کہ تیسری صدی ق م میں اس کو شاہ بطلیموس فلاڈلفیوس Philadelpheus نے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔[5]

ان لوگوں کو عرب کے بعض جزائر اور سواحل سے بھی واقفیت تھی۔ تم نے مکلّا کا نام اوپر پڑھا ہے۔ اس کا ذکر بطلیموس نے کیا ہے، اور اس کی جگہ ۱۳ - ۴۵ درجہ پر مقرر کی ہے لیکن صحیح مقام ۱۴ - ۳۰ درجہ ہے۔[6]

بطلیموس سے سو برس پیشتر ایک یونانی مصری نے جس کا نام مجہول ہے، جہازرانوں

---

[1] Josephus Vol I, p. 428, (1822 Ed)

[2] *Ancient Geography* by Rev. Bevan p. 202

[3] ______ *ibid* ______

[4] ______ *ibid* ______

[5] Josephus, p. 192 (1822 Edn)

[6] *Historical Geography of Arabia* by Forster Vol II, p. 192

کے لیے ایک بحری جغرافیہ ترتیب دیا تھا جس میں اس نے بحر عرب کے جزائر پر جو عرب کے قریب ہند اور اسکندریہ کے سر راہ واقع ہیں روشنی ڈالی ہے۔ وہ پہلے بحر عرب میں عرب کے ایک جنوبی ساحل یودیموں Eudaemon کا ذکر کرتا ہے جس کو عدن سمجھنا چاہیئے۔ اس کی نسبت اس کا بیان ہے کہ مصر و ہند کے درمیان یہ ایک تجارتی منڈی ہے۔ (جیسا کہ اب بھی ہے،) اس سے آگے بڑھ کر بجانب ہند عرب کی ایک راس کا ذکر کرتا ہے۔ جس کا یونانی نام سیاگروس Syagrus بتاتا ہے۔ اس کو راس فرطق سمجھنا چاہیئے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ "یہاں اندرون عرب میں جانے کے لیے بہت سے بخورات کا سرمایہ پڑا رہتا ہے۔ یہ یونانی جغرافیہ نویس "دنیا کی سب سے بڑی راس" اس کو قرار دیتا ہے۔ یمن و حضرموت کے قریب ایک جزیرہ ہے، سقوطرہ نام، اس کا نام یہ ڈالسکرڈیس Dieseres بتاتا ہے[1]

قبائل عرب یونانی اور رومانی قوموں کو عرب کے صرف ان قبائل سے واقفیت تھی جو سیاسی طاقت رکھتے تھے یا تجارت کی راہ سے ادھر ادھر نکلا کرتے تھے۔ اسکندریہ کے یونانی اور رومانی جغرافیین میں سے اسٹرابو، پلینی، ڈائڈورس اور بطلیموس نے تقریباً پچاس ساٹھ قبائل کے نام لیے ہیں۔ لیکن یونان، اسکندریہ اور روم جاکر ان کی شکل ایسی بدل گئی ہے کہ پہچانے نہیں جاتے۔ صرف چند قبائل ایسے ہیں کہ ہزاروں برس کے بعد بھی اپنے وطنی لب و لہجہ سے تمیز کر لیے جاتے ہیں۔

عادِ ارم: عرب کا سب سے قدیم اور مشہور قبیلہ ہے۔ حضرموت کے پاس اس کا مسکن تھا۔ قبیلہ کا اکثر حصہ تو یونانیوں سے بھی بہت پہلے تباہ ہو چکا تھا مگر ایک ٹکڑا پیروان ہود کا باقی رہ گیا تھا۔ یونانی جغرافیہ نویسوں نے حضرموت کے ایک قبیلہ کا نام Adrematae

---

[1] *History of Anicent Geography* by Tazer pp. 276 (1897 Ed.)

عادرمی ٹائی بتایا ہے۔ "ٹائی" صرف قبیلہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے[1]۔ اصل لفظ "عادرم" ہے جو "عادارم" کی نہایت صحیح صورت ہے۔ بعض لوگ اس کو "حضرموت" سمجھتے ہیں لیکن حضرموت کی یونانی زبان میں یہ شکل ہے Chatramotitai "خترموتی ٹائی" اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ یہ دونوں نام ایک ساتھ مستعمل ہوئے ہیں۔ اس لیے ظاہر ہے کہ ان سے دو قبیلے مراد لینے چاہییں۔ اور اس سے زیادہ بدقسمتی ہمارے مخالفین کی یہ ہے کہ بطلیموس نے عاد Adetai اور Oaditae کا بلا اشتباہ حضرموت بھی ذکر کیا ہے[2]۔

ثمود کا بقیۂ لقیہ (مؤمنینِ صالح) حجاز کے پاس مدین اپنی قدیم جگہ میں اس عہد تک موجود تھا۔ اس کا تلفظ جغرافیینِ یونان و روم نے دو طرح کیا ہے Thamydeni "تہمادینی" اور Thamyditae "تہمادی ٹائی"۔ عربی کی "ث" عبرانی میں "ت" اور یونانی میں "تہہ ہو" ہو جاتی ہے۔

حضرموت: عہد قدیم میں سیاسی و تجارتی دونوں حیثیتوں سے یہ یمن کا ہم پلہ تھا۔ یونانیوں نے Chatremotitai خترموتی ٹائی کے نام سے اس کو یاد کیا ہے۔

نبط: نجد سے سواحلِ بحر احمر و عقبہ و بادیۂ شام تک کی حکومت مسیحؑ دو تین سو برس پیشتر نبط بن اسماعیل کے اولاد کے ہاتھ میں تھی۔ نبط کی جمع انباط اور نبطیین ہے۔

نبطیین سے یونانیوں اور رومانیوں کے سیاسی تعلقات تھے۔ ان کا نام ان کے Nabathaei "نباتھیائی" ہے۔ ان کا دار الحکومت پٹرا تھا۔

قیدار: قیدار بن اسماعیل کا خاندان جس سے خاندانِ اسلام پیوستہ ہے، مسیحؑ سے ایک ہزار

---

[1] ان زبانوں میں یہ لفظ قوم و جماعت کو ظاہر کرتا ہے اور اب تک یورپ کی زبانوں میں یہ لفظ ان معنوں میں آتا ہے۔ انگریزی میں ٹی کی جگہ ڈی بولتے ہیں۔ مثلاً عباسیہ کو عباسائڈ۔ عربی میں بھی بعینہٖ یہی حروف (تیہ) یہی معنی ظاہر کرتے ہیں مثلاً حنفیہ، مالکیہ، مرجیہ، عباسیہ، امویہ۔

[2] *Historical Geography of Arabia* by Forster Vol II, p. 374

برس پہلے سے حجاز کا مالک تھا۔ یونانی میں اس کا نام متعدد طرق سے لیا گیا ہے جس میں زیادہ صحیح پلینی کا Cadarni کیڈرانی ہے[1]

یمن کے قبائل، Minaei مِن آئی یعنی "معین" Sabaei سبا آئی یعنی "سبا" Homeritai حومر ٹائی یعنی "حمیر" کا مفصل ذکر ہے۔ خلیج فارس پہ Omanitai عمانی ٹائی یعنی "عمانی عرب" اور Gerrhaei اگر یہ آئی یعنی اہل قریہ واقع یمامہ کا نام بھی مذکور ہے[2]

اسلام سے کچھ پہلے حیرہ میں مناذرہ اور شام میں غساسنہ ایرانیوں اور رومانیوں کے ماتحت برسر حکومت تھے۔ اس لیے ان کا ذکر بھی مفصلاً یونانی تاریخوں میں مذکور ہے کہ وہ ان دونوں مشرقی و مغربی حکومتوں کی بیچ کی دیوار تھے۔ اور عرب نہایت قدیم زمانہ سے مشرقی و مغربی امورِ سیاسیہ میں حدِّ متوسط ہیں[3]

ان قبائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی بیسیوں قبائل کا قدیم یونانی جغرافیوں میں نشان ملتا ہے جن میں تین سب سے زیادہ پُرزور اور طاقت ور بتائے گئے ہیں: بنی زومین Banizumeneis سیڈینی Sideni اور بنوبری Banubari یہ تینوں قبائل سواحل بحراحمر پہ خلیج عقبہ سے عسیر تک حجاز و تہامہ میں متوطن ظاہر کیے گئے ہیں لیکن ان کے اصلی اور صحیح نام کیا ہیں؟ ان ناموں کا تو عرب میں کوئی قبیلہ نہیں۔

ریورنڈ فارسٹر تاکید فرماتے ہیں کہ ہم بغیر کسی "شک و سوال" کے بنی زومین کو بنی عمران، سیڈینی کو جہینہ اور بنوبری کو کنواں[4] والا قبیلہ کہہ سکتے لیں۔ اس کی مضحکہ خیز دلیل فاضل ممدوح

---

[1] *Bevan's Ancient Geography* p. 178

[2] Historical Geography of Arabia by Forster Vol I, p. 244.

[3] Herodotus, Book II, Para 198

[4] بیر عربی میں کنوئیں کو کہتے ہیں۔ اس لیے بری کے معنی بھی وہ کنواں ہی سمجھتے ہیں۔

یہ دیتے ہیں کہ (تقریباً دو ہزار برس کے بعد) برکھارٹ اور نیبوہر گذشتہ صدی کے یورپین سیاحوں نے انہی مقامات میں ان قبیلوں کو دیکھا ہے ۔ حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ زومین خزیمین ہے ، سیدینی، سیدیین اور بنوبری بنوبریہ ہے۔ خزیمہ حجاز میں، سید اور بریہ دیگر اطراف میں مشہور قبائل ہیں۔

سب سے زیادہ زور ریورنڈ فارسٹر بنی زومین پر دیتے ہیں اور یہ تسلیم کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا مسکن حجاز نہیں بلکہ خلیج عقبہ تھا۔ اور یہ اس لیے کہ سسلی کے ڈائڈ ورس نے، جو مسیحؑ سے سولہ برس پہلے تھا، لکھا ہے کہ "بنی زومین کے ملک میں ایک معبد ہے جس کی تمام عرب عزت کرتے ہیں۔ اس معبد کو ان علمائے یورپ نے جن کے نام کا پہلا جزء ریورنڈ (غیر پادری) نہیں، کعبہ سمجھا ہے[1]۔ بلکہ تعجب ہے کہ ایک ریورنڈ نے بھی اپنے قدیم نقشہائے جغرافیہ میں بنی زومین کو خاص حجاز میں مکہ سے مدینہ تک پھیلایا ہے[2]۔

بہر حال اس کی بحث کہ اس معبد سے کعبہ کیوں نہ سمجھا جائے ، اپنے موقع پر آئے گی۔ یہاں صرف قبائل کے مسکن اور اس کی حقیقت سے بحث ہے ۔ اس کے فیصلہ کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ناموں کی مناسبت و قربت اور قبائل مذکورہ کا زمانۂ وجود۔ ہم ذیل میں اس قسم کے یونانی اللہجہ ناموں کا ایک نقشہ دیتے ہیں، گو بیکار ہے ۔

تلفظ یونانی بخط انگریزی	تلفظ یونانی بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	مصنف کی رائے میں
Banizumeneis	بنی زومین	بنی عمران	بنی خزیمہ (یا) خزیمین
Sideni	سیدینی	جہینہ	بنو سید (یا) سیدیین
Banubari	بنی بری	بنو بر (کنواں والے)	بنو بریہ
Arosi	ارسائی	بنی استان	بنو بریہ
(Cinaidocalpttai	کینائڈ کولپٹائی	بنی استان	بنو بریہ

---

[1] دیکھو کارلائل کا رسالہ "ابطال" فصل بطل النبوہ، اور گبن باب ۵۰

[2] *Atlas of Ancient Geography* by Samuel Butler D. D. Map XXII 186.

تلفظ یونانی بخط انگریزی	تلفظ یونانی بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	مصنّف کی رائے میں
Debai	ڈیبائی	زبید	ضبہ
Carbai or Corbani	کربایا کربینی	حرب	ضبہ
Canraitai	کانریٹائی	حرب	ضبہ
Dachareni	ڈاخارینی	بنوزہر	بنوصخر
Cassanitai	کسانی ٹائی		بنوکیسان
Gasanidi	گسانیڈی		بنوغسان
Dosoreni	ڈوسارینی		دوسر
Dorni	ڈارنی	دارن (؟)	بنودارم
Mocoretai	موکوریٹائی	اہل مخا بندر یمن	
Elisari	الیساری		
Elamittai	الامیٹاری	بنی یام	بنوعیلام
Cogubatai	کیغولیٹائی	بنوغیلان	
Saritai	ساری ٹائی		
Tomabel	ٹومابیل		بنوتمیم
Supharetai	سفاری ٹائی	اہل ظفار	
Oditai	اوڈی ٹائی		عاد
Homeritai	حوموری ٹائی	حمیر	
Adramitai	عذرمیٹائی	حضرموتی	عادارم
Maphoritai	مافوری ٹائی		
Lainitai	لائینیٹائی	لحیان	

تلفظ یونانی بخط انگریزی	تلفظ یونانی بخط فارسی	فارسٹر کی رائے میں	مصنف کی رائے میں
Chaldie	خالڈائی	بنوخالد	
Iolesitai	ایولسٹائی		
Abucaei	ابوکائی		
Lenitai	لینی ٹائی		
Themi	تہیمی		تیم
Zamareni	زمارینی	شمر	ضمر
Scenitai	سینی ٹائی		
Saraceni	ساراسینی	اہل کرہ سردات (سرواتیین)	
Zamareni	زمارینی	بنوضمیر	
Nabathaei	نباتہائی	نبطیین	
Thimnei	تہمانائی		اہل تیماء
Masaemaneis	ماسائمینس		
Vadini	وادینی		
Astapeni	اسٹیپنی		
Katanitei	کٹانی ٹائی		
Tanutai	ٹنوٹائی	قبیلۂ تنوخ	
Manitai	مانی ٹائی	اہل منیٰ (واقع مکّہ)	معین (واقع یمن)
Salapeni	سلافینی		بنوسلف
Achoali	اچاوڈلی		بنوعجل

تلفظ یونانی بخط انگریزی	تلفظ یونانی بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	اصل مصنّف کی رائے میں
Minaet	مینائیت	اہل منیٰ (واقع مکہ)	معین (واقع یمن)
Sabaei	سبائی	سباء	
Anchitai	الخی ٹائی		
Kithibanitai	کیتھی بانی ٹائی	بنو قحطان	قتابین (قتاب واقع یمن)
Madasara	مڈاسارا		
Saphanitai	سفانی ٹائی	بنوسفیان	
Dochremoizai	داخری موائزائی	دارالقرامطہ[1] (واقع بحرین)	
Olameotai	عیلا موٹائی		بنو عیلام
Omanitai	عمانی ٹائی		اہل عمان
Jobaritai	جوباری ٹائی		
Chatramatai	خٹرمٹائی		اہل حضر موت

عربوں اور رومیوں کے تعلقات کے تعارف میں ایک اور واقعہ پہلے یونانی اور رومی اور اب یورپین اربابِ قلم میں نہایت آب وتاب سے ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ ایک رومی سردار آلیوس گالیوس Aeluis Gallus کا پہلی صدی عیسوی میں عرب پر حملہ ہے۔ وہ کہاں تک گیا، اس نے کیا کیا، کیوں واپس آیا اور اس سے کیا کیا فائدے ہوئے؟ ان میں سے ہر ایک چیز کا جواب یورپین مصنفین نہایت مزہ لے لے کر دیتے ہیں۔ اور ایک نے تو عالمِ نشاط میں یہاں تک لکھ دیا کہ وہ مکہ تک پہنچ گیا تھا اور اس حملہ کا نام "انکشافِ ارضی" رکھا گیا ہے۔[2] ہم اس مضمون پر سلسلۂ تاریخ میں اپنے موقع پر بحث کریں گے۔

---

[1] منتخب لذ Forster, Vol II, Pt II

[2] Forster, Vol II, Pt II, Sec. VI.

جغرافیۂ عہدِ قرآن

ملکِ عرب عرب کا ملک حدودِ طبعی کے لحاظ سے ایک جزیرہ نما ہے۔ لیکن اہلِ عرب اس کو ہمیشہ جزیرۃ العرب کہتے ہیں اور اس کو وسطِ معمورۂ عالم یقین کرتے ہیں۔ اس کی تصدیق تحقیقِ جدید سے بھی ہوتی ہے کہ وہ درحقیقت دنیائے قدیم کے قلب میں[1] واقع ہے۔ اس سے قریب ترین ممالک، مشرق میں فارس، جنوب میں ہندوستان، مغرب میں حبشہ، سوڈان اور مصر اور شمال میں ملک شام، الجزیرہ اور عراق ہیں۔

حدودِ عرب عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کی تحدید اس طرح کی ہے کہ مغرب میں بادیۂ شام کے بعض حصے یعنی مقامِ بلقاء سے مقامِ ایلیہ تک جو عقبہ کے قریب ہے، مغرب اور جنوب میں بحرِ احمر، مدین اور جدّہ سے سواحلِ یمن تک، مشرق میں بحرِ ہند، عدن اور ظفار سے مہرہ تک، مشرق میں بحرِ عمان اور خلیجِ فارس، مہرہ، عمان اور بحرین سے بصرہ اور کوفہ تک اور شمال میں نہرِ فرات و بلقا تک۔

جدید طرز میں صاف طور سے یوں کہنا چاہیئے کہ مشرق میں اس کی حد خلیج فارس سے شروع ہو کر بحرِ عمان کو طے کر کے بحرِ ہند پر ختم ہوتی ہے۔ بحرِ ہند عرب کے تمام جنوبی حدود میں پھیل کر مغربی و شمالی گوشۂ عرب میں بحرِ احمر پہ منتہی ہوتا ہے جس کو ہیروڈوٹس وغیرہ قدیم اہلِ جغرافیہ خلیج عرب کہتے ہیں اور جو عرب کی مغربی حدبندی گوشۂ مغربی و شمالی سے گوشۂ مغربی و جنوبی میں خلیج عقبہ تک کرتا ہے۔ اور جس سے حبش اور مصر کی سرزمین عرب سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ خلیج عقبہ جنوبی گوشہ میں جزیرہ نمائے سینا اور عرب کو ایک فاصلۂ قریب تک باہم علیحدہ کرتا ہے۔ اس کے اختتام پر شام کی حد شروع ہوتی ہے، اور بادیۂ شام کو قطع کر کے جنوب میں نہرِ فرات کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف، پھر مشرق و شمال کی سمت میں بصرہ کے پاس آکر خلیج پر منتہی ہوتی ہے۔ اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوگیا ہوگا کہ عرب کے مشرق میں

---

[1] *The Penetration of Arabia*, D.G. Hogarth p. 174.

خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب میں بحر ہند، مغرب میں بحر احمر، مغربی و شمالی میں خلیج عقبہ، شام اور فلسطین اور شمالی و مشرقی میں نہر فرات واقع ہے۔

آپ نے دیکھا کہ عرب جغرافیہ نویسوں کا عرب، عبرانی، یونانی اور رومانی جغرافیہ نویسوں سے چھوٹا ہے کیونکہ اس میں جزیرہ نمائے سینا اور عرب و شام کے بعض حصے شامل نہیں۔ بات یہ ہے کہ یونانیوں نے ان ٹکڑوں پر قبضہ کر لیا تھا اور تا اسلام عرب اس پر قابض نہ ہو سکے۔ اس بناء پر عربوں نے ان کو اپنی مملکت سے خارج سمجھ لیا ورنہ حدودِ طبعی اور جنسیتِ آبادی کے لحاظ سے وہ کبھی خارج نہیں ہوئے[1]۔

مساحتِ عرب | عرب جغرافیہ نویس مساحت کا بیان عموماً زمانۂ رفتار سے کرتے ہیں۔ ابوالفداء نے تقویم البلدان میں عرب کی مربع مسافت سات مہینے گیارہ دن کی بیان کی ہے۔ جدید تحقیق کی رُو سے گو حقیقی طور سے عرب کی پیمائش نہیں ہوئی تاہم وسعت کے لحاظ سے عرب کوئی چھوٹا ملک نہیں ہے۔ وہ جزیرہ نمائے ہندوستان سے بڑا اور ملک جرمنی، فرانس سے چارگنا زیادہ ہے۔ شمال سے جنوب کی جانب پورٹ سعید (یا العریش) سے عدن تک طول پندرہ سو میل اور مغرب سے مشرق کی جانب پورٹ سعید سے فرات تک عرض چھ سو میل ہے اور مجموعی رقبہ تیرہ لاکھ میل مربّع ہے۔

طبعی حالات | عرب کا ملک اس وسعت کے باوجود زیادہ تر بے آباد، خشک، شور اور ریگستان ہے۔ تمام ملک میں پہاڑوں کا جال ہے۔ جا بجا بے آب و گیاہ صحرا ہیں۔ حقیقی دریا کا وجود نہیں۔ عموماً پہاڑوں کے چشموں، وادیوں کے تالابوں اور میدانوں کے کنوؤں پر گذر ہے۔ آب و ہوا کے لحاظ سے یہ نہایت گرم ہے۔ میدانوں میں بادِ سموم جب چلتی ہے تو کوسوں تک زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔

---

[1] مصنفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع جدید) لکھتے ہیں "عرب کی شمالی تحدید مشکل ہے۔ محققین العریش سے شروع کرتے ہیں۔ شمال میں سرحد فلسطین، درمیان میں بحر میّت Dead Sea و خلیج عقبہ ختم ہو کر شمال کی طرف شامی حد کے قریب تدمر، پھر مشرقی جانب کنارۂ فرات اور پھر شمالی و مشرقی دہانہ شط العرب، پھر خلیج فارس، صحرائے شام عرب میں داخل ہے" ملخصاً ج ۲ ص ۲۵۴)

کبھی اس کے ساتھ جب ریگ کا طوفان ہوا پر اُڑتا ہے تو پورا قافلہ کا قافلہ، آبادی کی آبادی ریگ کے ڈھیر کے نیچے دب جاتی ہے۔ اسی لیے ملک عرب میں موسم و ہوا کے کسی واقف کار اور آبادی و صحرا کے کسی رہنما کے بغیر سفر نہایت خطرناک ہے۔

اس ملک کا سب سے بڑا صحرا شمالی حد میں شام و عرب کا درمیانی ریگستانی میدان ہے جس کو عرب بادیۂ شام اور غیر عرب بادیۂ عرب کہتے ہیں۔ دوسرا ریگستان جنوبی حد میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان ایک ناقابل آبادی بے آب و گیاہ وسیع صحرا ہے جس کو دہنا، صحرائے اعظم اور الربع الخالی کہتے ہیں۔ اس کی ایک نوک بحرین اور نجدین سے گذر کر صحرائے شام میں مل جاتی ہے۔ یہ صحرا طول میں دو درجہ اور عرض میں ڈیڑھ درجہ ہے اور مجموعی رقبہ اس کا تقریباً دو لاکھ پچیس ہزار میل مربّع ہے۔

اس ملک میں سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے۔ حجاز کا سب سے مشہور پہاڑ جبل الہدیٰ، طائف کا جبل الکرا، نجد کا جبل عارض و طریق، شمر کا جبل سلمیٰ اور یمن کا جبل کوکبان ہے۔ جبل کوکبان کی بلندی کہیں کہیں سطحِ آب سے تین ہزار فیٹ بلند ہے۔

عرب میں جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے، گو کوئی دریا نہیں لیکن عجب قدرتِ الٰہی یہ ہے کہ یہاں کے پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے جاری رہتے ہیں جن سے دامن کوہ اور وادیاں عموماً سرسبز و شاداب رہتی ہیں۔ کبھی کبھی یہی چشمے پھیل کر تھوڑی دُور تک ایک مصنوعی دریا بن جاتے ہیں۔ پھر وہ یا ریگستان میں جذب ہو جاتے یا سمندر میں مل جاتے ہیں۔ شاہانِ عرب نے انہی چشموں کے روکنے کے لیے بند بنائے تھے۔ کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ چشمے اتفاقاً اُبل کر بصورتِ سیلاب پُرخطر ہو جاتے ہیں۔ عرب کے وہ مقامات اور صوبے جو سواحلِ بحر پر واقع ہیں عموماً سرسبز و شاداب ہیں خصوصاً یمن کا صوبہ جو بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے نہایت زرخیز ہے اور یونانیوں میں وہ اسی سے "زرخیز عرب" کے نام سے مشہور ہے۔ عمان، حضرموت اور نجد تمام تر اور حجاز میں طائف عرب کے بہترین حصّے ہیں۔

حاصلاتِ عرب عرب کی پیداوار زیادہ تر کھجور، سیب اور ہر قسم کے بہترین نوع کے فواکہ ہیں۔ کہیں کہیں زراعت بھی ہوتی ہے۔ اقوامِ قدیمہ میں عرب کی شہرت اس کے طلائی و نقرئی معادن اور بخورات اور خوشبودار اشیاء کی جائے پیدائش ہونے کی بناء پر تھی[1]۔ ہیروڈوٹیس مؤرخِ یونان کی تاریخ میں عرب کی یہ خصوصیت خاص طور سے نمایاں کی گئی ہے اور تورات تو ملکِ عرب کے سونا، چاندی، بخورات کے ذکر سے بھری پڑی ہے[2]۔ مسلمانوں میں ہمدانی نے اپنے جغرافیہ میں معادنِ عرب کا نشان[3] دیا ہے۔

علمائے یورپ میں برٹن Burton نے مدین کے طلائی معادن پر The Gold Mines of Midian خاص ایک کتاب لکھی ہے۔

عمان اور بحرین کے سواحل موتیوں کی کانیں ہیں، جہاں ہر سال ہزاروں غوّاص دریا سے موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن ان کی محنت کا ثمرہ موتیوں کے عرب تاجر کم اور انگریزی کمپنیاں زیادہ تر حاصل کرتی ہیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں بحرین کے موتیوں کی لاگت دو لاکھ پونڈ کے قریب اندازہ کی گئی ہے۔

حیوانات کے لحاظ سے بھی عرب بہترین ملک ہے۔ عرب کے گھوڑے خوبصورتی اور بادرفتاری میں دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اونٹ عرب کی خاص چیز اور ایک عرب کی زندگی کا حقیقی رفیق ہے۔ ان کے علاوہ ہرن، شیر اور دیگر حیوانات بھی عرب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ہیروڈوٹس نے عرب کے اُڑنے والے اور قاتل سانپوں کا ذکر کیا ہے[4] جس کی تصدیق حضرت موسیٰؑ کے کلام سے بھی ہوتی ہے[5] لیکن شاید اب ان کا وجود نہیں۔

اقطاعِ عرب عرب جغرافیہ نویسوں نے ملک کو اس کے حدودِ طبعی کی بناء پر تقسیم کیا ہے۔ عرب عراق اور عرب شام کو چھوڑ کر وہ پانچ صوبوں پر تقسیم ہے؛ تہامہ، حجاز، نجد، یمن اور عروض۔

اس تقسیم کا اصل معیار جبل السراۃ قرار دیا گیا ہے جو عرب کا سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ ہے۔ یہ سلسلہ انتہائے شمال یعنی برّالشام سے شروع ہو کر انتہائے عرب یعنی یمن میں منتہی ہوتا ہے۔ اس

---

[1] ہیروڈوٹس ص ۲۴۰، بیروت ترجمہ عربی [2] پیدائش: ۳۵-۲۵، قضاۃ: ۸-۲۴-۲۶ [3] صفۃ العرب باب المعادن۔

[4] ہیروڈوٹس ص ۲۴۱- بیروت [5] تورات استثناء: باب ۸، درس ۱۵۔

سلسلہ نے عرب کو مشرقی و مغربی دو طبعی حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ مغربی حصہ مشرقی حصہ سے چھوٹا ہے۔ وہ عرضاً دامن کوہ سے سواحلِ بحر احمر تک اور طولاً عرب شام کی حدود سے یمن کی حدود تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس حصہ کا نام حجاز ہے۔ حجاز کا جنوبی حصہ بطرفِ یمن جو نشیبی اور پست ہے، تہامہ اور غور کہلاتا ہے جس کے معنی پستی کے ہیں۔ مشرقی حصہ عموماً بلند اور فراز ہے اور وہ کوہ سرات سے اتر کر وسطِ ملک کو طے کرتا ہوا عراق تک چلا گیا ہے۔ اس حصۂ مشرقی کا نام نجد ہے جس کے معنی فراز و بلند کے ہیں۔ تہامہ اور نجد کے درمیانی اور کوہستانی حصہ کو حجاز اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک حاجز (حجاب) اور پردہ ہے۔ عراق اور جنوبی حدود نجد سے خلیج فارس تک یمامہ، عمان اور بحرین وغیرہ جو قطعۂ ملک ہے اس کو عروض (ترچھا) کہتے ہیں کہ وہ ترچھا اور خم دار واقع ہوا ہے۔ حجاز، نجد اور عروض کے بعد جنوبی حصے میں سواحلِ بحر احمر سے سواحل بحر عمان تک، سواحلِ بحر عرب پر وہ قطعۂ ملک ہے جو اپنے یُمن و برکت اور زرخیزی کی بناء پر یمن کے نام سے مشہور ہے۔

لیکن اب بہت سے اہلِ جغرافیہ کے نزدیک تہامہ کوئی مستقل صوبہ نہیں بلکہ وہ حجاز کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس بناء پر عرب کے چار صوبے قرار دیئے جا سکتے ہیں، عروض، نجد، یمن اور حجاز۔ ان چاروں صوبوں میں سے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر منقسم ہے۔

عروض

عروض جیسا کہ پہلے ہم نے بتایا ہے، وہ قطعۂ ملک ہے جو مشرقی نجد اور حدودِ عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس صوبہ میں یمامہ، بحرین اور عمان کے پار نجد، حجاز اور یمن کے وسط میں ہے۔

۱۔ یمامہ کے حدود اربعہ یہ ہیں: مشرق میں عمان اور بحرین، مغرب میں حجاز اور بعض حصۂ یمن، جنوب میں احقاف یا الربع الخالی، شمال میں نجد۔ یمامہ کا وہ حصہ جو نجد سے متصل ہے آباد و سرسبز ہے۔

یمامہ کی قدیم تاریخ یہ ہے کہ وہ قبائل طسم وجدیس کا مسکن[1] تھا۔ حجر یا قریہ اور جبھۃ ان قبائل کے عہد میں یمامہ کے مشہور شہر تھے۔ یمامہ میں طسم اور جدیس کی بعض عمارات اور قلعوں کے آثار زمانہ اسلام تک باقی تھے جن میں سب سے بڑی عمارتیں قصر شموس اور قصر معنق تھیں[2]۔ شہر حجر جس کا نام القریہ ہے ان قبائل کی حکومتوں کا صدر مقام تھا۔ زرقا جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بہت تیز نگاہ تھی اور دشمنوں کی فوج کو تین روز کی مسافت سے دیکھ لیتی تھی، اسی یمامہ کی رہنے والی تھی۔ مشہور قبیلہ ربیعہ کی بعض شاخیں عہدِ قدیم سے یہاں آباد تھیں۔ ابنِ خلدون نے لکھا ہے کہ بنو عجل کی آبادی بھی یہاں تھی۔

زمانۂ اسلام کے قریب اس سرزمین میں عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو حنیفہ بستا تھا جو بکر بن وائل کی ایک شاخ تھا۔ بنو حنیفہ نے سنہ ۸ھ میں خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عقیدت کیشی کا اظہار کیا۔ اسی صوبہ و قبیلہ کا فرزند مسیلمہ تھا جس نے عہد نبوی کے آخر میں دعوائے نبوت کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ایک جنگِ عظیم کے بعد وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بنو اسد کا ایک مشہور قبیلہ اسلام سے تقریباً ایک صدی پیشتر یہاں آباد تھا جو حکومت کے لحاظ سے کندہ کا ماتحت تھا۔

۲۔ بحرین جس کا دوسرا نام الاحساء ہے، ایک ساحلی مقام ہے۔ اس کے اوپر عراق، اس کے نیچے عمان، مغربی پہلو پر یمامہ اور مشرقی جانب خلیج فارس واقع ہے۔ بحرین موتیوں کے لیے مشہور ہے۔ اس کے جزائر اور سواحل موتیوں کی کان ہیں جہاں ہر سال ہزاروں کشتیاں اور ہزاروں غوّاص موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں۔

قبیلۂ جدیس جو طسم کو مٹا کر یمامہ کا مالک ہوا تھا، حسان شاہِ یمن کے حملوں سے بھاگ کر یہیں پناہ گزیں ہوا تھا۔ بعد کو عدنانی قبائل میں سے قبیلۂ عبدالقیس کا یہ مسکن ہوا۔ ربیعہ کی بعض شاخیں بھی یہاں آباد تھیں۔ چھٹی صدی عیسوی میں بحرین اہلِ فارس کے قبضہ میں تھا اور ان کی طرف سے مناذرہ جو عراق (حیرہ) اور اس کے آس پاس کے ملک میں ایرانیوں کے نائب تھے، بحرین کے حاکم[3] تھے۔ طرفہ جو عرب کا ایک مشہور شاعر تھا، آلِ منذر کے اشارہ سے یہیں قتل ہوا۔ سنہ ۶ھ میں یہاں کا حاکم منذر بن ساوی

---

[1] ابوالفداء ج ۱، ص ۹۹، مصر [2] مقامات وعمارات کے نام یاقوت کے معجم البلدان میں دیکھو۔ [3] یعقوبی، ج ۱، ص ۲۴۰، لیڈن۔

تھا، جو پیغامِ اسلام پہنچنے پر اپنی تمام عرب رعایا کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور یہاں سے بنو عبد القیس کا ایک وفد حاضرِ خدمت نبوی ہوا۔

اسلام کے بعد اس ملک میں سب سے بڑا واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ قرامطہ جو نیم مسلمان مجوسی تھے، ان کی طاقت کا مرکز فارس کے قرب کی بنا پر یہی ملک تھا۔

۳۔ عمان. بحرین کے بعد خلیج فارس سے ہٹ کر بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے. مشرق کی جانب بحر عمان، مغرب کی طرف الربع الخالی، جانبِ جنوب بحرین، جانبِ شمال شمر یمن۔ ساحلی مقامات نہایت آباد اور سرسبز ہیں۔ جبل اخضر یہاں کا سب سے بڑا پہاڑ ہے، جس کی بلندی تین ہزار میٹر ہے۔ ملک عمان کے پہاڑ معدنیات سے اور اس کے دریا موتیوں سے اور اس کی وادیاں غلہ، فواکہ اور خوشبودار لکڑیوں سے مالا مال ہیں۔ عمان کے گھوڑے، گائیں اور بکریاں بھی مشہور رہیں۔

مؤرخینِ عرب کا بیان ہے کہ عمان، عمان بن قحطان کی طرف منسوب ہے۔ لیکن بروایت تورات یہ عمان بن لوط کی طرف منسوب ہونا چاہیئے۔ قبیلۂ ازد جس، جس کو اسد بھی کہتے ہیں، قبل اسلام اس کی ایک شاخ یہاں آباد تھی۔ آج کل یہ ملک ایک مستقل ریاست ہے جس کا پایہ تخت مسقط ہے۔ اہلِ ملک زیادہ تر اباضی طریقہ کے خارجی ہیں۔ ملک کا رقبہ کم از کم اسّی ہزار میل مربّع اندازہ کیا جاتا ہے۔

نجد

نجد وسطِ عرب میں ایک سرسبز و شاداب اور بلند و فراز قطعۂ ملک ہے۔ سطحِ آب سے بارہ سو میٹر بلند ہے اور تین طرف سے بے آب و گیاہ صحراؤں سے محیط ہے اور اسی لیے وہ اجنبی اثر و اقتدار اور بیرونی آمد و رفت سے محفوظ ہے۔ اس کے شمال میں صحرائے شام، مغرب میں صحرائے حجاز، مشرق میں صحرائے دہنا، اور جنوب میں صوبۂ یمامہ ہے۔

نجد عرب کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل کا مسکن تھا۔ کلیب جس سے بڑھ کر عرب جاہلیت کے نزدیک کوئی معزز نہیں ہوا، بکر بن وائل کا سردار تھا جس کے قتل کے بعد انتقام کے لیے بکر و تغلب میں چالیس برس تک آتشِ جنگ مشتعل رہی۔ یہیں کندہ کے نام سے ایک چھوٹی سی عربی حکومت قائم ہوئی جو مناذرہ یعنی ملوکِ حیرہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی۔ نوشیرواں کے باپ قباد نے جب مزدکی مذہب اختیار کیا تو مناذرہ کے مقابلہ میں شہنشاہ فارس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے شاہانِ کندہ نے بھی اس مذہب کو اختیار کر لیا تھا اور آخر یہی امر ان کی تباہی کا باعث ہوا۔

عربی زبان کو نجد کی آب و ہوا سے عجیب و غریب مناسبت ہے۔ مہلہل جو عربی شاعری کا آدم کہلاتا ہے، اسی نجد کی خاک سے پیدا ہوا تھا اور کلیب مذکور کا حقیقی بھائی تھا۔ امرأالقیس جو عرب کا ملک الشعراء تھا، اسی نجد کی حکومت کندہ کا آخری شاہزادہ تھا۔ اور آج بھی جب کہ امتدادِ زمانہ اور اختلاطِ اقوام کے سبب سے فصیح عربی زبان کا تمام جزیرۂ عرب میں کہیں وجود نہیں، یہاں کے پہاڑوں میں قدیم فصیح عربی زبان بلا اختلاط موجود اور محفوظ ہے۔

نجد عہدِ قدیم سے قبائلِ عدنانیہ کا مسکن ہے۔ آخر عہد میں کہلانی قبیلہ کی مشہور و معروف شاخ طے، آجا و سلمیٰ کی پہاڑیوں میں آباد ہو گئی تھی، جن کو شعرائے طے نے ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد

کیا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں جو ظہورِ اسلام کا زمانہ ہے، نجد میں غطفان کا قبیلہ بستا تھا جس کی تأدیب کے لیے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہؓ سنہ ۴ھ میں نجد تشریف لے گئے تھے۔ اس مہم کا نام اہلِ سیرت کے ہاں غزوۂ ذات الرقاع ہے۔ قبیلہ ہوازن اور سلیم نجد کے مغربی حصہ پر قابض تھے۔ قبیلۂ حطیم کی بھی ایک شاخ نجد میں تھی۔

آج کل، نجد، شمر، قصیم اور عارض تین حصوں میں منقسم ہو کر دو شیوخ کے زیرِ حکومت ہو گیا ہے۔ شمالی حصہ جو صحرائے شام و عراق و حجاز کے متّصل ہے، شمر کہلاتا ہے اور کبھی اپنے دارالامارۃ حائل کے نام سے حائل بھی پکارا جاتا ہے۔ جبلِ شمر اور جبلِ سلمیٰ اور کچھ وادیاں اس تقسیم میں داخل ہیں۔ پہاڑی خود رو نہروں سے وادیاں شاداب رہتی ہیں۔ قصیم کا نصف حصّہ حکومت شمر میں داخل ہے۔ شمر کی حکومت آج کل آل رشید کے قبضہ[1] میں ہے۔ آبادی کا تخمینہ تین لاکھ ہے۔ شمر میں پہلے قبیلہ طے کی ایک شاخ شمر آباد تھی جس کے نام سے یہ ملک موسوم کیا گیا ہے۔

عارض جو یمن کے صوبۂ احقاف کے متصل ہے، نجد الیمن کہلاتا ہے اور آج کل نجد سے عموماً یہی سرزمین مراد لی جاتی ہے۔ امیرِ نجد آل سعود سے جس کے دارالامارۃ کا نام مدینۃ الریاض ہے، قصیم کا جنوبی حصہ اسی حکومت کے تابع ہے۔ نجد کا یہ حصہ شمر سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اثر سے عارض کے باشندے زیادہ تر اہلِ حدیث ہیں اور ان کی مردم شماری بیش و کم پانچ لاکھ ہے۔

نجد کے پھول، گھوڑے اور اونٹ مشہور ہیں۔ ہر قسم کے میوے یہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔

---

[1] پچیس برس ہوئے کہ آل رشید کی ریاست ختم ہوگئی اور ابن سعود کی حکومت میں شامل ہوگئی "م س"

یمن

یمن عرب کا سب سے زیادہ سرسبز، سب سے زیادہ آباد، سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ متمدن صوبہ ہے اور اسلام کے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی علم کا مرکز رہا ہے۔ اس کی تاریخ نہایت قدیم ہے اس لیے اکثر مجہول ہے۔ عمارات اور قلعوں کے آثار یہاں نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں جو قدیم شاندار تمدّن کا پتہ دیتے ہیں۔ قرب و جوار کی سلطنتوں نے مثلاً روم، فارس اور حبشہ نے اس پر متواتر حملے کیے ہیں اور کبھی کبھی فتح بھی کیے ہیں۔ یونانی اور رومی مؤرخین کے پاس یمن کے متعلق بعض اہم معلومات ہیں اور کچھ معلومات آثارِ قدیمہ کی مدد سے یورپین علمائے آثار Archaeologists نے حاصل کیے ہیں۔

صوبۂ یمن کے حدودِ حکومت گو مختلف زمانہ و حکومت میں مختلف رہے ہیں تاہم اس کے طبعی حدود یہ ہیں: جنوب میں بحرِ عرب، مغرب میں بحرِ احمر، شمال میں حجاز، نجد اور یمامہ اور مشرق میں عمان و بحرین۔ اس صوبہ کی ابتدائی تاریخ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے، قدامت کی تاریکی میں مخفی ہے۔ جہاں تک معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس سرزمین کے مختلف اقطاع میں۔ وقتاً فوقتاً عمالیق، اہلِ معین، عاد، سبا، اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئی ہیں جنہوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں جن کی عظمت کے آثار اب تک باقی ہیں۔ ترقیٔ زراعت کے لیے وادیوں میں بڑے بڑے بندِ آب بنائے جن میں سب سے زیادہ مشہور سدِّ مأرب ہے۔ جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہوا ہے۔ ہندوستان، فارس، حبش، مصر اور عراق کی تجارتیں انہی کی وساطت سے قائم تھیں۔ پہاڑوں سے معدنیات اور جواہر نکالتے تھے۔ سامانِ عطریات و بخورات ان ہی کے ملک سے تمام مہذب ممالک میں پہنچا تھا۔ آخر زمانہ میں تقریباً ستّر برس کے لیے اہلِ حبشہ یمن پر قابض ہو گئے تھے جن کو آخر کار اہلِ فارس نے نکال دیا اور خود قبضہ کر لیا۔ ظہورِ اسلام کے وقت اہلِ فارس کی طرف سے باذان یہاں کا گورنر تھا، جو ۶ھ میں مسلمان ہو گیا۔ بقیہ اہلِ یمن جو زیادہ تر مذہباً یہودی تھے۔ سنہ ۱۰ھ میں داعیٔ اسلام حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ تمام قبیلہ صرف ایک دن میں

شرفِ اسلام سے مشرّف ہوا۔

یمن کے قدیم مشہور مقامات کے نام یہ ہیں ؛ معین، مأرب، ظفار، شیبان، اوزال، براقش، نشق، خولان، قرن، شبوہ، عمران، صنعاء وغیرہ ہیں۔ ان میں اب اکثر مقامات ویران یا دریائے ریگ میں غرق ہیں۔ بعض موجود ہیں لیکن ان کے قدیم نام متروک ہیں۔ ملک کی کثرتِ آبادی و سرسبزی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ملک کی تقسیم پہلے جن صوبوں پر تھی اور جن کو اہلِ عرب مخلاف کہتے ہیں، مؤرخ یعقوبی نے ان کی تعداد چوراسی[1] بتائی ہے۔ یمن کی بڑی بڑی تقسیمیں حسبِ ذیل ہیں۔

حضرموت احقاف، صنعاء، نجران، عسیر جو علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی حضرموت سے جنوبی مغربی حدود یعنی حجاز تک سواحلِ بحرِ احمر پر واقع ہیں۔

۱۔ حضرموت : ساحلِ بحرِ ہند پر واقع ہے۔ شمال میں بحرِ ہند، جنوب میں الربع الخالی اور الاحقاف اور مغرب میں صنعاء جو ایک نہایت قدیم آبادی ہے۔ قحطان یا یقطان جو یمن کا پدرِ اوّل تھا، اس کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام تورات[2] نے حضرماوت بتایا ہے۔ اس بناء پر اہلِ تاریخ یقین کرتے ہیں کہ یہ قطعۂ ملک اپنے باشندۂ اوّل حضرماوت ابن قحطان کے نام سے منسوب ہے۔ اہلِ حضرموت نے ایک مستقل حکومت بھی قائم کر لی تھی، جس کی مختصر تاریخ مؤرخ ابنِ خلدون[3] نے بیان کی ہے۔ عاد و ثمود کے قبائل کا اصلی مسکن بھی یہی تھا۔ عاد کا قبیلہ یہاں سے ذرا ہٹ کر احقاف میں بس گیا اور ثمود حجاز کے پار جا کر آباد ہوا۔ بالفعل حضرموت ایک مستقل قطعۂ ملک کی حیثیت سے ایک مستقل امام کے ماتحت ہے۔ شادابی اور سرسبزی میں صنعاء سے کم نہیں ہے اور عود قاقلی وغیرہ یہاں کی مشہور نباتات ہیں۔ سال بسال حضرموت میں سوق الرابیہ کے نام سے ایک بازار لگا کرتا تھا اور اسی کے متصل شحر مہرہ میں دوسرا بازار لگتا تھا[4]

۲۔ بلاد الاحقاف : یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم الدہنا یا الربع الخالی کے نام سے واقع ہے۔ گو وہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں

---

[1] معجم البلدان، ص ۲۲۷، لیڈن [2] توراۃ، تکوین، ۱۰-۲۶ [3] تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۳۰، [4] معجم البلدان لیعقوبی ص ۱۰۱، ص ۲۱۴

آبادی کے لائق تھوڑی زمین ہے۔ خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہدِ قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عادِ ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خدا نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔

۳۔ **صنعائے یمن :** ملک یمن میں قلب اور یمن کے قدیم تمدن کی تماشا گاہ درحقیقت یہی ٹکڑا ہے۔ یہ بحر ہند اور بحر احمر کے سواحل پر عرب کے شمالی و مغربی گوشہ میں واقع ہے۔ معین، سباء اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں اسی قطعۂ زمین پر قائم ہوئی تھیں۔ سدِ مأرب یا سدِّ عرم اسی کی وادیوں میں تعمیر ہوا تھا۔ ظفار، مأرب اور ازال یہیں کے پایۂ تخت تھے۔ ملکۂ سبا اسی سرزمین کی شاہزادی تھی۔ قصرِ غمدان، قصرِ ناعط، قصرِ بدہ، قصرِ صرواح، قصرِ مدر اسی قطعۂ ملک میں تعمیر ہوئے تھے، جن کے آثار چوتھی صدی ہجری میں ہمدانی نے بچشم خود مشاہدہ کیے تھے۔

صنعاء جو یمن کا اب پایۂ تخت ہے، قدیم شہر ازال کے پاس اسلام سے ایک مدّت پہلے آباد ہوا تھا۔ سنہ ۱۰ھ میں جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے، یہ ملک مشرّف بہ اسلام ہوا۔ اب یہاں زیادہ تر زیدی طریقہ کے مسلمان آباد ہیں جو عقائد میں معتزلہ کی ایک شاخ اور شیعہ اور اہل سنّت کے وسط میں ہیں۔ یہاں کا امام بھی زیدی سادات کے خاندان سے ہے۔ یمن کے نباتات خصوصاً یمن کا قہوہ (بُن) مشہور رہے ہیں۔ اسلام کے بعد شہر زبید یمن کا ایک مشہور شہر بن گیا، جہاں متعدد علمائے اسلام پیدا ہوئے۔

۴۔ نجران بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان میں ایک مختصر سی آبادی تھی۔ عہدِ قدیم میں یہاں بنو اسماعیل میں سے بجیلہ بن نزار آباد ہوا[1] تھا۔ اسلام کے کچھ پہلے روم و حبش کی کوششوں سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی۔ یمن کی یہودی حکومت نے ان عیسائیوں کو بجبر یہودی بنانا چاہا لیکن روم اور حبش جو مسیحی ہمسایہ سلطنتیں تھیں وہ برابر ان کی حمایت کرتی رہیں۔ نجران میں ایک بہت شاندار کلیسا بھی تعمیر ہوا تھا جو عربوں میں کعبۂ نجران کے نام سے مشہور تھا۔ سنہ ۹ھ میں اہلِ نجران

---

[1] معجم البلدان یعقوبی، ج ۱۷، ص ۲۵۵ ۔

کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا تھا۔

۵۔ عسیر: بحرِ احمر کے ساحل پر حجاز اور صنعاء کے مابین واقع ہے۔ یہاں کے باشندے عموماً اہلِ حدیث ہیں۔ امام عسیر ادریسی خاندان کا ہے۔

ان ملکی تقسیمات کے علاوہ یمن میں بہت سے ساحلی مقامات اور جزائر ہیں مثلاً شحر، مہرہ، مکلہ لحج، جزائر کوریا موریا، جزیرہ بریم وغیرہ۔ ان کی حکومت مختلف شیوخ کے ماتحت ہے اور جو زیادہ تر برٹش گورنمنٹ کے زیرِ اقتدار ہیں۔

ظہورِ اسلام کے زمانہ میں یمن حکومتِ فارس کے ماتحت تھا ۹ھ میں یہاں کا آخری ایرانی گورنر مسلمان ہو گیا اور ملک بلا جنگ و جدال عَلَمِ اسلام کے زیرِ سایہ آگیا۔

حجاز

حجاز بحرِ احمر کے ساحل پر ایک مستطیل صوبہ ہے جس کا نام توراۃ میں فاران بتایا گیا ہے اور جہاں سے تجلئ ربّانی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ اس کے مشرقی جانب نجد، مغربی جانب بحرِ احمر، شمال میں عرب شام یا عرب الحجر، جنوب میں عسیر اور شمالاً جنوباً کوہ سروات کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جس کی بلند تر چوٹی آٹھ ہزار فیٹ ہے۔ سلسلۂ کوہ میں بہت سے چشمے جاری ہیں جہاں گاؤں آباد ہیں۔ باغ لگے ہیں۔ کھیتیاں ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں جنگل ہیں۔ دامن کوہ سرسبز ہے اور وہاں بھی آبادی ہے۔ لیکن زیادہ آباد اور سرسبز وہ حصّہ ہے جو بحرِ احمر کے سواحل پر واقع ہے۔ ان مقامات کے سواحل حصہ ریگستان ہے جہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہو سکتی۔ حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر جدّہ ہے جو مکہ کی بندرگاہ ہے۔ اس کے بعد دوسرا ساحلی مقام ینبع ہے جو مدینہ کی بندرگاہ ہے۔ اندرونِ ملک کے بڑے بڑے شہر مکّہ معظمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

۱۔ مکّہ یا بکّہ جس کا تیسرا نام اُمّ القریٰ ہے، حجاز کا دارالحکومت ہے۔ یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر (ابراہیمؑ) کی بناہ، ایک نوجوان پیغمبر (اسماعیلؑ) کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمدؐ) کا مولد ہے۔ شہر عرض البلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ اور طول البلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ پر واقع ہے۔ سطحِ آب سے تقریباً ۳۳۰ میٹر بلند ہے۔ چاروں طرف پہاڑوں نے قدرتی دیواریں کھینچ دی ہیں۔ بالفعل شرقاً غرباً ۳۰ کلومیٹر لمبا اور جنوباً شمالاً تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر چوڑا ہے۔ مشرقی شمالی سلسلۂ جبلِ خلیج (فلق) جبلِ قیقعان، جبلِ ہندی، جبلِ لعلع، جبلِ کداء سے مرکب ہے۔ آخرالذکر پہاڑ وہی ہے جس کی راہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکّہ کے دن داخل ہوئے تھے۔ جنوبی سلسلہ جبل ابو حدیدہ، جبلِ کدّی، اور جبلِ ابی قبیس کے بعض سلسلہ سے مرکب ہے۔ مشرق میں جبلِ ابی قبیس اور اس کے پیچھے جبلِ خندمہ اور مغرب میں جبلِ عمر واقع ہے۔

حضرت مسیحؑ سے ڈھائی ہزار برس پہلے یہ کاروانِ تجارت کی ایک منزل گاہ تھی۔ تقریباً دو ہزار ق م میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزندِ عزیز حضرت اسماعیلؑ کو یہاں آباد کیا۔ باپ بیٹے نے خدا کے نام پر یہاں ایک قربان گاہ بنائی جس کا کعبہ نام قرار پایا۔ فرزندان اسماعیلؑ کی اولاد ایک مدّت تک یہاں دیگر قبائل پر بالا دست رہی۔ اس کے بعد قحطانی قبائل (بہ روایتِ عام) آئے اور انہوں نے استیلاء حاصل کیا۔ بنو اسماعیل میں سے قصی نے آخر یہاں کی ریاست حاصل کی۔ قصی قریش کا پدرِ اعلیٰ تھا۔ آخر زمانہ میں یہاں کے مالک قریش تھے۔ امورِ مملکت اور صیغہائے حکومت ایک ایک شیخِ خاندان کے زیرِ نگرانی تھے۔ شہر کے علاوہ اسماعیلی قبائل شہر کے آس پاس بھی آباد تھے۔ مکّہ کے جنوب میں جو پہاڑیاں ہیں وہ مشہور قبیلۂ ہذیل کا مسکن تھیں۔ جنوب کی طرف وادی القریٰ ہے جو قدیم قبائل کا مسکن تھا۔ اس کے اطراف میں قبائلِ کنانہ رہتے تھے۔ مکّہ کے پاس جبلِ حبشی کے دامن میں قبائلِ احابیش رہتے تھے۔

۲۔ مدینہ منوّرہ: قبلِ ہجرتِ نبویؐ اس شہر کا نام یثرب تھا۔ ہجرت کے بعد اس کا نام بدل کر مدینۃ النبی یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا "شہر" ہوا، اور کثرتِ استعمال سے ال قائم مقام مضاف الیہ ہو کر المدینہ رہ گیا۔ یہ شہر سمندر کی سطح سے چھ سو انیس میٹر بلند ہے اور طول ۳۹ درجہ ۵۵ دقیقہ اور عرض ۲۴ درجہ ۱۵ دقیقہ شمال خط استوا پر واقع ہے۔ گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ ۴۸ درجہ تک بڑھتا ہے اور جاڑوں میں دن کو صفر سے دس درجہ اوپر رات صفر سے پانچ درجہ نیچے ہوتا ہے۔ اس لیے جاڑوں میں اکثر صبح کو پانی یہاں یخ ہو جاتا ہے۔ پہلے یہاں عمالیق آباد تھے۔ لیکن عہدِ اسلام میں یہاں یہود اور قبائلِ اوس و خزرج آباد تھے۔ محققینِ حال کا بیان ہے کہ یثرب مصری لفظ "اتھریبس" کی تعریب ہے۔ ہمارے یہاں کے مؤرخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے اور اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ عمالیق ۳۲۰۰ ق م میں مصر کے حکمران تھے اور ۱۹۰۰ ق م میں وہاں سے نکالے گئے تھے۔ اس بنا پر شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ قبل مسیح اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان ہے۔ عمالیق کے بعد یہاں سب سے اوّل یہود آ کر آباد

ہوئے۔ اس کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آباد ہوئیں۔ یہ اوس و خزرج وہی قبائل ہیں جن کا لقب اسلام میں انصار ہوا اور جنہوں نے اسلام کی دعوتِ اوّلیں قبول کی اور مسافرینِ اسلام کو اپنے گھروں میں اُتارا جس کی مکافات میں خداوند تعالیٰ نے انصار کے نام سے ان کو زندگیٔ جاوید بخشی اور ان کے شہر کو پینتیس کروڑ نفوس کا مرکز قرار دیا۔

بنو لام جو طے کی ایک شاخ ہے، مدینہ کے کوہستانی مقام میں آباد تھی۔ ہمدانی نے لکھا ہے کہ اسلام کے بعد یہ شاخ دیارِ ربیعہ کو منتقل ہوگئی۔ بنو ظفر بھی ہمدانی کے بیان کے مطابق مدینہ کے مقابل ہی سکونت پذیر تھے۔ بنو کلاب جو مشہور قبیلہ تھا، وہ مدینہ کے اطراف میں ربذہ، فدک، اور عوالی میں آباد تھا جو اسلام کے بعد حسبِ روایاتِ ہمدانی شام کو منتقل ہوگیا اور وہاں اس نے اپنی ایک ریاست قائم کی۔

۳۔ طائف حجاز کی جنّت ہے۔ بے انتہا سرسبز و شاداب مقام ہے۔ امرائے حجاز عموماً گرمی وہیں بسر کرتے ہیں۔ ابتداءً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا، بعد کو وہ مشہور قبیلۂ ثقیف کے قبضہ میں آیا۔ قبلِ ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں دعوتِ اسلام کے لیے تشریف لائے لیکن جس طرح خلیلؑ کے ایک شہر نے مسیحؑ کو قبول نہیں کیا، طائف نے بھی آپؐ کو قبول نہ کیا۔ ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا۔ ۹ھ میں سردارِ ثقیف عروہ بن مسعود نے اسلام قبول کیا اور خود اپنی قوم کے ہاتھ سے اسلام کی راہ میں مارا گیا، لیکن اس کی منادی بے اثر نہ رہی۔ اسی سال وفدِ ثقیف خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر عقیدت کیش ہوا۔

۴۔ دیگر مقامات، ان شہروں کے علاوہ بعض اور مقامات بھی قابلِ ذکر ہیں۔ مدینہ سے کچھ آگے بجانبِ شمال وہ میدان واقع ہے جہاں ثمود کا قبیلہ آباد تھا۔ یہ جوف اور وادیٔ القریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ پایہ تخت کا نام حجر تھا جس کا قرآن میں بھی ذکر آیا ہے۔ یہ شہر زیادہ تر اپنے پیغمبر صالحؑ کے نام سے مدائنِ صالح کہلاتا ہے۔ ۹ھ میں تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شہر سے گذر ہوا تھا۔ اسی سے متّصل دوسری آبادی تیماء ہے۔ حجر اَب حجاز

ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ حجر کے بعد ایک اسٹیشن المعظم چھوڑ کر دوسرا اسٹیشن تبوک ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومیوں کی مدافعت کے لیے اقامت فرمائی تھی۔ مدینہ کی مغربی جانب خیبر ہے جو یہود کی جنگی قوت کا مرکز ہے، اور جہاں یہودیوں کے بڑے بڑے قلعے تھے۔ س۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے اور اس کی تسخیر فرمائی۔ حجر کے مقابل مغرب کی جانب بحر احمر کے ساحل پر شہر مدین آباد تھا جو حضرت موسیٰ کا دارالہجرۃ، ان کے خسر ثیرو یا حوباب (حضرت شعیبؑ) کا وطن اور مدیانیوں کا پایۂ تخت تھا۔

آغازِ اسلام میں یہ تمام شہر یہودیوں کے قبضہ میں تھے اور یہاں ان کے بڑے بڑے قلعے تھے جن کو اسلام نے عہدِ نبوّت میں یکے بعد دیگرے فتح کیا۔

عربِ شام

یعنی وہ قطعۂ عرب جس کو یونانی عربِ سنگستانی کہتے ہیں اور جو شام، مصر، بادیۂ شام اور حجاز و نجد کے مابین واقع ہے۔ یہ آبادی عرب کا بہت قدیم حصّہ ہے بلکہ اوّلین حصّہ ہے۔ اکتشافاتِ جدیدہ سے پہلے بھی گو اس ملک کی وقعت کم نہ تھی کہ اس کے صحرا میں بنو اسرائیل کا مسکن تھا۔ اس کے ایک پہاڑ پر اسرائیل کا ایک پیغمبر (حضرت موسیٰؑ) خدا سے ہم کلام ہوا تھا۔ اس کے متصل ارضِ موعود واقع ہے۔ جس کو ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کے خدا نے اسرائیل کے فرزندوں کو وراثۃً بخشا تھا۔ لیکن اکتشافاتِ جدیدہ کے بعد اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ یہاں عمالقۂ عرب کی آبادی ہے۔ ان ہی کھنڈروں میں ان کی عظیم الشّان حکومت قائم تھی جس کا سلسلہ حجاز تک پھیلا تھا اور جس میں بلقاء، عمان، بصریٰ، تدمر وغیرہ شہر داخل تھے۔ تدمر ایک مشہور تجارتی مقام تھا۔ زباء یہاں کی ایک ملکہ کا نام ہمیشہ عربوں میں ضرب المثل رہا ہے۔ اسلام سے کچھ پہلے یہ ملک بنو جفنہ ایک عرب خاندان کے زیرِ حکومت تھا جو غساسنہ کے نام سے موسوم ہے اور جس کا پایۂ تخت بصریٰ تھا۔ قبیلہ جہینیہ کی متعدد شاخیں یہاں آباد تھیں۔ ہمدانی نے لکھا ہے کہ اسلام کے بعد عربِ شام میں حلب تک بنو عجل آباد ہوئے تھے۔ طے کی یہ شاخ ربیعہ یہیں آباد تھی۔ بنو حذیمہ کی اکثر شاخیں غزّہ کے پاس سکونت پذیر تھیں۔ ظہورِ اسلام کے وقت یہ تمام اطراف رومیوں کے زیرِ سایہ عرب عیسائی امراء اور یہود کے قبضہ میں تھے۔

عربِ عراق

عربِ عراق سے وہ سرزمین مراد ہے جس کو یونانی عرب ریگستانی کہتے ہیں اور خلیج فارس، دریائے فرات، بادیۂ شام اور نجد کے مابین واقع ہے۔ اب عام طور سے لوگ اس کو عراقِ عرب کہتے ہیں۔ اس حصہ میں بھی عہدِ قدیم میں عمالقۂ عرب نے ایک شاندار حکومت قائم کی تھی۔ قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ یہاں بھی آباد تھی۔ اسلام کے بعد عہد فاروقی میں اسی سرزمین میں کوفہ اور بصرہ آباد ہوئے جو خالص عربی کا تمدن کا مظہر اور علمائے اوّلین کے مرکز تھے اور جس کی سرزمین میں متعدد علوم دنیاویہ و علوم اسلامیہ کی بنیادیں قائم ہوئیں۔

ابنِ خلدون نے لکھا ہے کہ اسی عربِ عراق میں اسلام سے پہلے سنجار نام مقام میں نہر فرات کے پاس قبیلۂ عبید کی ایک ریاست تھی جس کا آخری بادشاہ ضیزن بن معاویہ تھا۔ اس خاندان کے آثارِ عمارات اب تک میدانِ سنجار میں باقی ہیں۔ زبید شاخِ طے بھی اسی مقام میں آباد ہوئی تھی۔ بنو عجل کی ایک شاخ یمامہ سے عراق تک پھیلی ہوئی تھی۔

ظہورِ اسلام کے ماتحت ایک عرب خاندان (مناذرہ) یہاں کا فرمانروا تھا۔ اس کا پایہ تخت کوفہ کے متصل شہر حیرہ تھا۔

اقوامِ ارض القرآن

اُمِ سامیہ

تاریخِ ارض القرآن (عرب) کو جن قوموں سے تعلق ہے وہ عموماً امم سامیہ ہیں۔ امم سامیہ کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت تفصیلِ ذیل سے واضح ہوگی:۔

علم الاقوام اور علم الالسنہ کے محققین نے اقوامِ عالم کو اخلاق، عادات، اعتقادات، اور زبان کے اتحاد و تشابہ اور جسم، اعضاء اور دماغ کی مماثلت کے لحاظ سے تین مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اریائی، Arian or Indo-European مثلاً ہندوستان، ایران، فرنگستان۔
۲۔ تورانی، Turowian or Mongolian مثلاً ترکستان، چین، منغولیا وغیرہ۔
۳۔ سامی، Semitic عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، کلدانی، فنیشین وغیرہ۔

بعض علماء اقوامِ عالم کی علم الالوان یعنی اختلافِ رنگ کی بنا پر تین تقسیمیں کرتے ہیں۔

۱۔ جنس ابیض White Race عام امم سامیہ، فرنگستان۔
۲۔ جنس اسود یا احمر Black or Red Race باشندگانِ افریقہ۔
۳۔ جنس اصفر Yellow Race جاپان، چین و بقیہ امم تورانیہ۔

تیسری تقسیم توراۃ کی ہے۔ طوفانِ نوحؑ کی زندگیٔ ثانی کے بعد وہ بھی دنیا کی تمام قوموں کو تین خاندانوں پر منقسم کرتی ہے۔ حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے، یافث، حام اور سام اور دنیا ان ہی کی تین نسلوں کی یادگار ہے۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

بنو یافث | یافث کی سات اولادیں ہوئیں۔ غامر، ماجوج، مادی، یادان، توبال، موشوخ، تیرس۔ تورات کا بیان ہے کہ جزائر میں رہنے والی اقوام اسی خاندان سے ہیں۔

بنو حام | حام کی چار اولادیں تھیں کوش (پدر حبش) مصرائیم (پدر مصر) کنعان (فینیقیہ) اور فوط۔

۱۔ کوش سے سبا، حویلہ، ستباہ، رگماہ، سبیگاہ پیدا ہوئے۔ اسی کوش کی نسل سے نمرود کا خاندان پیدا ہوا جو بابل کا پہلا بادشاہ تھا۔

۲۔ مصرائیم سے لودی، انامی، لہبی، نافوتی، فطروسی، کفتوری اور کسلوہی جس سے فلسطین کا خاندان پیدا ہوا۔

۳۔ کنعان سے صیدا، حتی، یابوسی، عموری، جرجاشی، حوی، ارکی، سینی، اروادی، صماری اور حماتی پیدا ہوئے۔

عموماً یہ شام کے باشندے تھے جن میں سے شہر صیدا اور حماۃ اب تک ان کی یادگار باقی ہیں۔

بنو سام | سام کے پانچ بیٹے تھے عیلام، ارفخشد، لود، اشور (اسیریا) اور آرام۔

تورات کو ان تمام خاندانوں میں سے صرف بنو سام سے تعلق ہے اور بنو سام میں سے بھی وہ صرف دو کی اولادوں کا ذکر کرتی ہے۔ آرام اور ارفخشد۔

۱۔ آرام کے بیٹے عوض، حول، جشر اور مس۔

۲۔ ارفخشد کے بیٹے کا نام سلح تھا۔ سلح سے عبر پیدا ہوا جو تمام بنی عبر (بنو قحطان، بنو ابراہیم، بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل) کا باپ تھا۔ عبر کے دو بیٹے تھے یقطان (یعنی قحطان جو قحطانی عربوں کا جدّ اعلیٰ ہے) اور فلج۔ فلج سے رعو، رعو سے سروج، سروج سے نحور، نحور سے تارح (اند) اور تارح سے حاران اور حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے[1]۔

حضرت ابراہیمؑ کے تین بیٹے تھے، اسماعیل جو شمالی عرب کے اسماعیلی عربوں کے باپ ہیں۔ اسحاق جن سے اسرائیل کا گھرانہ چلتا ہے اور بنو قطورا جن میں ایک مدیانی ہے۔

---

[1] ان تمام بیانات کے لیے دیکھو سفر تکوین: باب ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔

توراۃ کی یہ تقسیمات کہاں تک تحقیقاتِ علمی کے مطابق ہیں؟ اس سوال کے مختلف جوابات ہیں۔ علمائے یورپ کا ایک فرقہ ان میں سے اکثر کو لغو سمجھتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ محقق فرقہ کہتا ہے کہ یہ تقسیمات نسبی اور لسانی نہیں ہیں بلکہ صرف[1] جغرافی اور سیاسی ہیں۔

لیکن یورپ کا وہ گروہ جو معقول اور منقول کی تطبیق کا کوشاں ہے وہ سفرِ تکوین کے بیانات اور علم و بحث کے نتائج کو ایک ہی سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ توراۃ نے جو نام گنائے ہیں وہ تلاش و تحقیق کے بعد تھوڑے سے تغیّر کے ساتھ قدیم تاریخی ناموں سے خواہ وہ خود اشخاص کے ہوں یا ان کے مقامات کے ہوں، بالکل مطابق ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سفرِ تکوین کی اس فہرستِ انساب پر نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف فلسطین اور اس کے آس پاس کے مقامات مقامات مثلاً سوریا (شام) سیرما، بابل، کلدان، میدیا، سیسانیہ، مصر، دمشق، لیبیا، افریقہ، سینا اور عرب کا ایک خاکہ ہے۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس فہرست میں اشخاص کے بجائے زیادہ تر اقوام کے نام ہیں اور جو اشخاص کے نام نظر آتے ہیں وہ بھی حقیقت میں اقوام کے نام ہیں جن کے مسکن اب تک فلسطین کے آس پاس موجود ہیں اور خود ان اشخاص یا اقوام کے نام جیسا کہ آگے ظاہر کیا جائے گا، عَلَمیّت کے بجائے اپنا جغرافی نام ظاہر کرتے ہیں۔

بہر حال توراۃ کی تقسیم نسبی (سام، حام، یافث) یا علمائے السنہ کی تقسیم لسانی (ایرانی، تورانی، سامی) یا علمائے اقوام کی تقسیم لونی (ابیض، احمر، اصفر) میں سے جو بھی معتبر ہو اُن اقوام کے لیے جو عرب و شام و عراق میں آباد ہوئیں، یہ عجیب مزیت ہے کہ وہ ہر نوعیت تقسیم کے لحاظ سے ایک ہی جماعت میں داخل ہیں۔ ان کو توراۃ کی بناء پر بنو سام کہہ سکتے ہو، تقسیمِ لسانی کی بناء پہ اُمم سامیہ اور تیسری حیثیت سے جنس ابیض۔

بنو سام اور اُمم سامیہ کی اصطلاح میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ بنو سام صرف ان قبائل و اقوام پر

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۴، ص ۶۱۸ [2] جغرافیہ قدیم لذہوان، فصل جغرافیۂ تورات۔

مشتمل ہے جن کو توراۃ سام کی اولاد بتاتی ہے۔ لیکن اسم سامیہ کا اطلاق ان تمام قبائل و اقوام پر ہے جو سامی زبان بولتے تھے یا بولتے ہیں۔ اس خصوصیت کی بنار پر عیلام جس کا مسکن خلیج فارس کے فارسی سواحل سسینیا جس کو سوستان بھی کہتے ہیں)، ہیں اور لود جس کا مسکن بھی اسی کے پاس لودیا میں ہے، اسم سامیہ سے خارج ہوں گے کہ ان کی زبان کبھی سامی نہ تھی۔ اور کنعان[1] (فنیشیا) بابل اوّل، کوش، (حبش)، عمورانی وغیرہ کا اسم سامیہ میں شمار ہوگا کہ ان کی زبان ہمیشہ سامی رہی ہے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون السنۂ سامیہ۔

اممِ سامیہ کا مسکنِ اوّل

اممِ سامیہ زمانۂ تاریخ کے پہلے سے متفرق لیکن متصل مقامات میں آباد ہیں۔ اس لیے سوال یہ ہے کہ امم سامیہ جب صرف چند کنبوں سے عبارت تھیں تو ان کا مسکن کہاں تھا۔ مؤرخینِ عرب کے نزدیک اس کا ایک ہی جواب ہے کہ عرب!

یورپ کے موجودہ علمائے اقوام والسنہ کے نزدیک اس سوال کے جواب میں چار نظریے پیش ہیں:

اوّل یہ کہ ان کا مسکن افریقہ ہے جہاں سام کے بھائی حام کی اولاد زمانۂ تاریخی میں آباد ملتی ہے۔ اس نظریہ کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ سامی اور حامی زبانوں میں بہت شدید مشابہت ہے نیز یہ کہ سامی اور حامی اور خصوصاً جنوبی عرب کے سامیوں اور حامیوں (شاید حبش مراد ہوں) کے بعض اعضاء میں مشابہتِ تامہ پائی جاتی ہے۔

لیکن یہ دلیل نہایت عجیب ہے کہ دو بھائیوں میں اگر مشابہت پائی جاتی ہے اور ایک افریقہ میں رہتا ہے تو کیا ضرور ہے کہ دوسرا بھی افریقہ ہی میں پہلے رہتا ہو۔ یہ کیوں نہیں فرض کیا جا سکتا کہ خود حامی پہلے سامی خاندانوں کے ساتھ رہتے تھے اور ایک مدّت کی یکجائی کے بعد ان سے الگ ہوئے۔ اسی یکجائی واجتماع واتحادِ نسل کے بقیہ آثار دونوں میں اب تک موجود ہیں۔

جنوبی عرب (یمن) اور حبشیوں میں یقیناً تشابہ ہے لیکن اس کا سبب بالکل ظاہر ہے۔ حبش کوئی مستقل آبادی ونسل نہیں ہے بلکہ وہ یمنی عربوں کی ایک نو آبادی[1] اور ان کی نسل کا مخلوط حصہ ہے۔ اسی لیے عرب ان کو "حبش" (مخلوط) کہتے ہیں۔ اور اسی بناء پر قدیم مؤرخین یمن وحبش کو دو مستقل ملک

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع ۱۱، جلد ۴، ص ۲۶۴۔

نہیں قرار دیتے ہیں بلکہ ایک ہی ملک ایتھوپیا Ethopia کے ان کو دو ٹکڑے[۱] سمجھتے ہیں۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بنو سام کا پہلا وطن آرمینیہ اور کردستان تھا۔ لیکن اس تھیوری کی صحت پر کوئی دلیل بجز تورات کے چند الفاظ کے (جن کے معنی غلط قرار دیئے گئے ہیں جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے) کچھ اور نہیں ہے۔ اسی لیے نولدیکی نے جو محقق ترین مستشرق ہے، لکھا ہے کہ "اس تھیوری کو اب کوئی تسلیم نہیں کرتا"[۲]

تیسری تھیوری پروفیسر گیڈی Guidi ایک اٹالین مستشرق کی ہے۔ اس کی رائے ہے کہ سامیوں کا مسکن اوّل فرات کا حصۂ زیریں تھا۔ گیڈی نے اپنے دعویٰ کو عجیب وغریب مقدمات پر مبنی کیا ہے۔ ان کا اجمالی بیان یہ ہے :

یہ ظاہر ہے کہ ابتدائی زبان میں سب سے پہلے ابتدائی ضروریات اور گرد و پیش کی چیزوں کے لیے الفاظ پیدا ہوں گے اور اس لیے یہ الفاظ عموماً مختلف خاندانوں اور زبانوں میں تقسیم ہونے کے بعد بھی بطور ترکہ موروثی کے مشترک طور سے باقی رہیں گے۔ سامی زبان میں اس قسم کی چیزوں کے لیے جو مشترک الفاظ ہیں مجموعی طور سے ان کا وجود جہاں پایا جائے گا وہی امم سامیہ کا مسکنِ اوّل ہوگا۔ اس حیثیت سے جو مشترک چیزیں معلوم ہوتی ہیں ان کی شہادت ہے کہ وہ فرات کے حصۂ زیریں کی پیداوار ہیں۔

نولدیکی اس رائے کی بھی تردید کرتا ہے کہ اوّلاً ابتدائی ضروریات کے قدیم مشترک الفاظ تطاولِ زمانہ سے باقی کہاں رہے ہیں۔ ثانیاً یہ اصول خود صحیح نہیں کہ تمام ابتدائی ضروریات کے لیے ابتدائی زبان اور اس کے فروع میں مشترک الفاظ ہوں گے۔ خیمہ، لڑکا، آدمی، بڈھا وغیرہ، ان معانی کے لیے اکثر سامی زبانوں میں مختلف الفاظ ہیں، تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ان کے لیے موطنِ اوّل میں الفاظ نہیں پیدا ہوئے تھے۔ حالانکہ زندگی کی یہ ابتدائی باتیں ہیں۔ ثالثاً جنوبی و شمالی امم سامیہ میں بعض مشترک الفاظ ہیں جو اصول مذکورہ کے مطابق مسکنِ اوّل کے متولدات ہونے چاہییں حالانکہ بمشکل ان کا وجود فرات کے مقام میں تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

---

[۱] یہ بحث مفصل "اصحاب الفیل" میں دیکھو۔ [۲] انسائیکلو برٹانیکا طبع ۱۱، ج ۲۴، ص ۶۲۔

گیڈی Guidi سے پہلے اسی قسم کی دلیل وان کریمر نے قائم کی تھی اور اُس کے مطابق اس کا یہ نتیجہ تھا کہ سامی قوموں کا ابتدائی مسکن ایشیائے وسطیٰ میں نہر جیحون و سیحون کے پاس ہے۔ ایک ہی قسم کی دلیل سے دو مختلف نتائج کا ظہور دونوں کے ابطال کی دلیل ہے۔

چوتھی تھیوری جو قرینِ صواب اور باعتبار دلائل مستحکم ہے، یہ ہے کہ بنوسام کا مسکنِ اوّل ملکِ عرب تھا۔ اس تھیوری کے طرف دار یورپ اور امریکہ کے علماء کی ایک کثیر جماعت ہے جس کے مشاہیر ارکان یہ ہیں: ڈی خوئے De George شریڈر Schrader ونکلر Winckler ٹیل Tiele میر Meyer اور اسپرنگر Sprenger نولدیکی Noldke کی رائے بھی اسی طرف راجح ہے۔ انگریز علماء میں کین Keane روبرٹسن اسمتھ Robertson Smith سموال لے انگ Samuel Laing اور ولیم رائٹ William Wright اور امریکن سائس Sayce اور راجرس R.W. Rogers وغیرہ محققین کبار کی یہی رائے ہے۔ اس جماعت کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب سے نکل کر قومیں اِدھر اُدھر پھیلی ہیں۔

۲۔ عربی زبان تمام السنہ سامیہ میں سے قدیم سامی زبان کے قدیم تر ہے۔

۳۔ عربوں کی جسمانی ساخت خالص و صحیح سامی ساخت ہے۔

۴۔ ان کی اجتماعی و معاشرتی زندگی صحیح ابتدائی سامی یادگار ہے۔[1]

مزید توضیح کے لیے ہم بعض علمائے السنہ و اقوام کے خیالات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔ امریکہ کا مشہور مصنّف اور علمائے سامیہ کا محقق سائس Sayce اپنی تصنیف "اسیرین گرامر" Assyrian Grammar میں اس مسئلہ کے متعلق اپنی حسبِ ذیل رائے ظاہر کرتا ہے۔

• سامی روایات ہر حیثیت سے ملکِ عرب کو اپنا اصلی گھر ہونا ظاہر کرتی ہیں۔ دنیا کا یہی ایک ٹکڑا ہے جو خالص سامی باقی رہا ہے۔ جنسی خصوصیات، مذہبی کی شدّت، توحش، غیر قوموں سے

---

[1] ان تمام حوالوں کے لیے دیکھو: *History of Babylon And Assuria* by R.W. Rogers Vol I, p. 306, 307.

احتراز، بدویانہ زندگی، ان تمام چیزوں کی بہترین تشریح ریگستان کی اصل ہے۔"

ڈاکٹر اسپرنگر Dr. Sprenger "جغرافیۂ عرب قدیم" Geography of Ancient Arabia میں لکھتے ہیں:

> "میرے یقین کے مطابق تمام سامی قومیں عرب ہی کے تو بر تو طبقے ہیں۔ انہوں نے اپنے کو طبقات در طبقات بنا رکھا تھا۔ اور کون جانتا ہے کہ مثلاً کنعانیوں سے پہلے جن سے ہم تاریخ کی ابتدا میں ملتے ہیں، کتنے طبقے گذر چکے تھے۔"

شریڈر Schrader ایک جرمن رسالہ میں اپنا خیال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

> "مذہبی لسانی، لغوی تحقیقات، جغرافی اور تاریخی بیانات، سب ظاہر کرتے ہیں کہ ان مختلف سامی قوموں کا مسکن اوّل عرب ہے۔"

مشہور مستشرق ڈی خوی DE George ۱۸۸۲ء میں ایک اکاڈیمی کے خطبۂ صدارت میں اپنا اعتقادیہ ظاہر کرتا ہے:

> "عرب وسطیٰ ہی سامی قوموں کا مسکن اوّل ہے، جہاں سے مختلف طبقات نکل کر شام، بابل، عمان اور یمن وغیرہ میں پھیلے اور اپنے پیشروؤں کو آگے کردستان، ارمنیہ اور افریقہ میں دھکیلتے رہے۔"

کیمبرج یونیورسٹی کا عربی پروفیسر ولیم رائٹ W. Wright تصنیف "السنہ سامیہ کی نحو" میں لکھتا ہے:

> "ان مختلف علماء میں سے کس کی رائے صحیح ہے۔ ہم آہستہ آہستہ اس کا فیصلہ کر سکیں گے لیکن اسی اثناء میں صرف یہ کہوں گا کہ میں خود کو عربی صف میں شریڈر Schrader اور ڈی خوی DE George کے ساتھ[1] منسلک کرتا ہوں۔"

امریکہ کا پروفیسر راجرس Rogers اپنی تصنیف "تاریخ بابل و اشور"

---

[1] ان تمام حوالوں کے لیے دیکھو: *Grammar of Semitic Languages* by Wright p. 789.

History of Babylon & Assuria میں لکھتا ہے کہ امم سامیہ کا مسکن اوّل عرب ہونا اب عموماً مسلّم ہے:

"سامی قومیں کہاں سے آئیں۔ بعضوں کا خیال ہے کہ شمال کی جانب سے کردستانی کوہستان سے آئیں..... اور عرب، کنعان اور ارمینیہ کے ملک میں پھیلیں،...... لیکن یہ رائے اب ساقط ہے...... دوسری تھیوری یہ ہے کہ امم سامیہ کا ابتدائی وطن افریقہ ہے۔ اس کی دلیل حامی و سامی زبانوں کا تشابہ ہے...... اس رائے کی تائید میں سب کچھ کہا گیا ہے۔ پھر بھی تیسرے نظریہ کے لیے قوی رائیں ہیں کہ سامی قوموں کا مسکن اوّل عرب ہے جہاں سے موجیں مارتی ہوئی وہ وسیع و زرخیز قطعاتِ ملک کی تلاش میں بابل و جزیرہ میں آئیں اور نیز کنعان کے مغربی ملک میں آئیں۔ یہ آخری رائے معلوم ہوتا ہے کہ نئے نئے طرف داروں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اب موجودہ اربابِ علم کی یہ عموماً قبول کردہ ہے۔"[1]

سموال لے انگ Samuel Laing انگلینڈ کا ایک مقبول مصنّف اور تاریخ قدیم کا واقف کار "اصول الانسانیہ" میں اپنی حسبِ ذیل رائے ظاہر کرتا ہے:-

"شواہد اشارہ کرتے ہیں کہ سامی اقوام کا ابتدائی وطن جنوبی مغربی ایشیا (اور جنوبی مغربی ایشیا میں شاید عرب) ہے۔ عرب کے سوا سامی اقوام ہر جگہ بغرضِ سکونت یا بغرضِ فتح باہر سے آتی ہوئی نظر آتی ہیں اور ہر جگہ وہ اپنے سے پہلے قدیم باشندوں کو موجود پاتی ہیں۔ لیکن عرب میں وہ اصلی باشندوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ کلدانیہ اور اسیریا کے قدیم روایات میں بھی وہ جنوب سے (عرب جنوب میں ہے) آتی ہوئی ظاہر کی گئی ہیں، کچھ خلیج فارس سے اور کچھ بادیۂ عرب و شام کو قطع کر کے۔"

چند سطروں کے بعد وہ پھر لکھتا ہے:

"اور صرف عرب میں ہم امم سامیہ کو اور تنہا امم سامیہ کو نہایت قدیم زمانہ سے پاتے ہیں۔"[2]

---

[1] جلد ۱، ص ۳۱۵ -

[2] Human Origin by Samuel Laing

ہیرن Heeren ایک مشہور مصنّف جس کا موضوع "قدیم تجارت و سیاست کی تاریخی تحقیقات" ہے، اپنا اعتقاد اس مسئلہ کی نسبت اس طرح ظاہر کرتا ہے[1]:

> تقریباً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (یعنی اہلِ اسیریا) عرب سے آئے جو غالباً سامی قبائل کا عموماً اصلی وطن ہے گو کہ دوسرے مقامات میں مقامی حالات کی بنا پر انہوں نے اپنی اس طرزِ زندگی میں جس کے وہ اپنی مادری ملک کے ریگستانی صحرا میں عادی تھے تبدیلی کر لی۔

سب سے تازہ ترین تحقیق کا ماخذ انسائیکلوپیڈیا ہے۔ محقق کبیر نولدیکی جو موجودہ یورپ میں مشرقی زبان و تاریخ کا سب سے بڑا فاضل ہے، اپنے مضمون "السنہ سامیہ"[2] میں کہتا ہے:

> بعض مشہور محققین خیال کرتے ہیں کہ جنس سامی کا مولد عرب ہو سکتا ہے۔ بہت سی چیزیں ہیں جو اس تھیوری کی تائید کرتی ہیں۔ تاریخ ثابت کرتی ہے کہ نہایت قدیم زمانہ سے عرب کے ریگستان سے قبائل نکل نکل کر قریب کے سرسبز ممالک میں آباد ہوتے رہے ہیں۔ آرامی اور عبری زبانوں میں بہت سے ایسے نشان پائے جاتے ہیں جن سے ابتدائی خانہ بدوشانہ حالت پائی جاتی ہے۔ اور عرب کا شمالی حصہ صحرائے مابین شام و عرب خانہ بدوش قبائل کا مسکن ہے اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیرکٹر اپنے خالص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے اور ان کی زبان قریب ترین اصل زبان ہے۔"

نولدیکی دوسری تھیوری کی تغلیط کے بعد اس تھیوری پر چند ریمارکس کرتا ہے جن کا آخری فقرہ یہ ہے:

> بہرحال ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں کہ یہ تھیوری کہ عرب امم سامیہ کا مسکنِ اوّل ہے، کسی معنی سے غیر معقول نہیں ہے۔[3]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا ایک اور مضمون نگار لفظ "عرب" کے تحت میں لکھتا ہے[4]:

---

[1] *Historical Researches of Ancient Commerce & Politics* by Heeren

[2] *Encyclopaedia Britanica* Vol. 24 p. 620, (11th Edn)

[3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم، ج ۲۴، ص ۶۲۰ [4] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم ج ۲، ص ۶۲۳۔

> "ملکِ عرب اُمِ سامیہ کا اصلی وطن ہے۔ اس کی تائید متعدد علماء کی رائے سے ہوتی ہے، گو ابھی یہ مسئلہ محقق نہیں ہے، لیکن تحقیقاتِ السنہ اور اکتشافاتِ آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رائے کا صحیح ہونا بہت ممکن ہے۔ عرب سے نکل کر قبائلِ سامیہ کا دوسرے ممالک میں پھیل جانا آسانی سے تصور میں آسکتا ہے۔ بابل کی جانب سے بھی حرکت کرنا آسان ہے کہ کوئی قدرتی روک ان دونوں ملکوں کے درمیان نہیں، اور خود تاریخی زمانہ میں کئی مثالیں ہیں، آرامی اقوام کا نقلِ مکان اور ہجرت بھی قدرتی موانع سے خالی ہے۔"

اب تک زبان، آثار، رسوم و عادات، تشابہ جسمی اور دلائلِ طبعی کی بناء پر بحث تھی، اب تاریخ کا موقع ہے۔ سامی قوم کی سب سے قدیم تاریخ توراۃ ہے۔ توراۃ میں موقع کے حسبِ ذیل الفاظ ہیں:

> اور تمام روئے زمین میں ایک ہی بولی تھی۔ اور وہ جب پورب سے روانہ ہوئے تو ایسا ہوا کہ انہوں نے سنعار (بابل) کے ملک میں ایک میدان پایا اور وہاں رہنے لگے۔ تب خداوند نے ان کو تمام روئے زمین پر پراگندہ کیا...... اس لیے اس کا نام بابل ہوا[1]۔

بنو سام بابل میں پورب کے ملک سے آئے۔ پورب سے یہاں کیا مراد ہے علمائے توراۃ ابھی تک اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ اس سے مراد آرمینیہ ہے کیونکہ کشتی نوح جس پہاڑ پر آکر رُکی تھی، عبری میں توراۃ نے اس کا نام "اراراط" بتایا ہے۔ اور اراراط کی نسبت مفروض ہے کہ وہ آرمینیہ میں واقع ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ آرمینیہ بابل کے پورب میں ہے اور نہ فلسطین کے پورب میں ہے۔ اس مشکل کو متعدد تدبیروں سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے بعض کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت موسیٰ مصر اور عرب میں رہے تھے اس لیے ان ملکوں کے اعتبار سے اس کو پورب کہا ہے۔ بعضوں کا جواب اس سے زیادہ تعجب انگیز ہے کہ چونکہ انسان نے سب سے پہلے سمتِ مشرق کو جانا کہ وہ مطلعِ خورشید ہے، اس لیے پورب کہا ہے[2]۔

---

[1] تکوین، باب ۱۱، عدد ۱-۹۔

[2] Gruden p. 126.

حقیقت یہ ہے کہ توراۃ کے ان فقروں سے یہ توبالکل ظاہر ہے کہ بابل مسکنِ اوّل نہ تھا۔ وہ یہاں پورب کے ملک سے آئے تھے اور وہی ان کا مسکنِ اوّل تھا۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ توراۃ کے محاورہ میں پورب سے عموماً فلسطین کا پورب مراد ہوتا ہے جو توراۃ کی جائے تالیف ہے۔ اس کے بعد یہ طے کرنا ہے کہ فلسطین کے پورب سے کون سے ملک توراۃ میں مقصود ہوتے ہیں۔ توراۃ کے استقصاء سے یہ متفقاً ثابت ہے کہ تورات میں پورب کے عموماً دو ملک مراد لیے گئے ہیں، بابل[1] اور عرب[2]۔ لیکن جب اس فقرہ میں خود یہ مذکور ہے کہ وہ بابل میں پورب کے ملک سے آئے تو متعین ہوگیا کہ یہاں پورب کے ملک سے مراد ملک عرب ہے۔

مجموعۂ توراۃ کے بعد سب سے قدیم ماخذ یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخ یہود ہے جو ایک حیثیت سے کہا جاسکتا ہے کہ توراۃ کی تفسیر ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق اس میں حسب ذیل فقرہ ہے۔ بنوسام کی آبادی کی نسبت لکھتا ہے[3] کہ:

"وہ نہرِ فرات سے بحرِ ہند تک آباد تھے۔"

نہرِ فرات سے بحرِ ہند تک عرب کے سوا کیا کوئی اور ملک ہے ؟

بحث کا فیصلہ اس سے ہوجاتا ہے کہ عرب کے سوا قدیم الایام سے کوئی قوم اس کی مدعی نہیں کہ ان کا ملک بنوسام کا مسکنِ اوّل ہے اور امم سامیہ کا مسقط الرأس ہے۔ عرب عام طور سے اس کے مدعی ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ شواہد و قرائن کی شہادت کے ساتھ جب کوئی دوسرا مدعی موجود نہیں تو مقدمہ انہی کے حق میں فیصل ہونا چاہیئے۔ عربی تاریخوں میں اس دعوے کا بتصریح ذکر ہے، مؤرخ ابن قتیبہ جس نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی ہے لکھتا ہے:

واما سام بن نوح فسکن وسط الارض	سام بن نوح نے درمیانی زمین یعنی
الحرم و ماحولہ، والیمن الی حضرموت	مکّہ اور اطراف مکّہ مثلاً یمن، حضرموت

---

[1] تکوین: ۹-۱ [2] تکوین: ۲۵-۶ قضاۃ: ۶-۲۳ اوّل سلاطین: ۴-۳۰ تکوین: ۱۰-۳۰ وغیرہ۔

[3] ترجمۂ انگریزی (۱۸۲۴ء) ج ۱، ص ۲۵۔

الی عمان الی البحرین و ببرین و دباز	عمان، بحرین، ببرین و دبّاز و دوّ و
و دوّ و دھناء[1]	دہناء تک کو آباد کیا۔

مؤرّخ یعقوبی جس کا زمانہ بھی اسی کے قریب ہے اور سنہ ۲۸۰ھ میں وفات پائی ہے، لکھتا ہے[2]:

وصار لولد السام الحجاز والیمن	فرزندانِ سام کے قبضہ میں حجاز، یمن اور
وباقی الارض۔	باقی ملک آیا۔

ان مقدمات پر ایک دفعہ کا اور اضافہ کرد کہ قرآن مکّہ کو اُمّ القریٰ (آبادیوں کی ماں) کا خطاب دیتا ہے:

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ۔[3]

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ ص ۲ مصر

[2] یعقوبی ج ۱، ص ۱۷، لیڈن

[3] الانعام : ۹۲

مسکنِ اوّل سے ہجرت

عرب کے ملک میں پانی کا دریا نہیں لیکن وہاں انسانوں کا دریا ہے۔ تاریخ نے چار بار اس دریا میں طوفان آتے دیکھا ہے۔ ایک مسیحؑ سے ڈھائی ہزار یا تین ہزار برس پہلے جب یہاں سے قبائل کا سیلاب موجیں مارتا ہوا بابل اور اسیریا، مصر اور فنیشیا (کنعان) میں پھیل گیا۔ اس سیلاب کا زور کم ہو رہا تھا کہ پندرہ سو ق م میں ایک اور طوفان ادومی، موابی اور مدیانی قبائل کا اٹھا اور پاس کے ملکوں میں پھیل گیا۔ لیکن اس کا دائرہ پہلے سے کم تھا۔ تیسری بار معینی، سبائی وغیرہ اُٹھے اور پھیلے۔ لیکن سب سے آخری طوفان جو پہلی صدی ہجری میں مسیحؑ سے چھ سو برس بعد اٹھا، وہ سب سے زیادہ وسیع الاثر تھا جو ایک طرف گنگا کے دہانے سے مل گیا اور دوسری طرف بحرِ محیط سے۔

اس باب میں صرف پہلی جنبش و حرکت کا بیان ہے۔ اس جنبشِ اوّل کی تاریخی شہادتوں کا بڑا حصہ ہم "امم سامیہ کا مسکنِ اوّل" میں پیش کر آئے ہیں۔ لیکن نئی شہادتوں کے پیش کرنے سے بھی ہم ابھی نہیں تھکے ہیں۔ امریکن مؤرخ ولیم راجرس William Rogers اپنی تاریخ بابل میں لکھتا ہے:

> "امم سامیہ کا مسکن عرب ہے جہاں سے نکل کر وہ انتقال مکان کی موجیں مارتے ہوئے آباد و سرسبز قطعہ کی تلاش میں بابل و الجزیرہ میں اور نیز بعید قطعۂ مغربی یعنی کنعان میں پھیل گئے۔"[1]

ایک دوسرا انگریز مصنف سموال لے انگ Samuel Laing اپنی مشہور تصنیف اصول الانسانیہ میں لکھتا ہے:[2]

---

[1] Roger's *History of Babylon And Assur* Vol I, p. 307

[2] *Human Origin* by Samuel p. 35.

"ہر جگہ عرب کے سوا سامی قوموں کو ہم نشان دے سکتے ہیں کہ وہ مسافرانہ باہر سے بغرض سکونت یا بغرض فتح آرہی ہیں اور جو ہر جگہ جہاں وہ جاتی ہیں اپنے سے پہلی قوموں کو ان پر پاتی ہیں۔ لیکن وہ عرب میں قدیم باشندوں کی حیثیت سے نظر آتی ہیں۔ کلدانیہ اور اسیریا کی ابتدائی روایات میں سامی قوموں کو جنوب سے آئی ہوئی ظاہر کیا گیا ہے۔ کچھ تو خلیجِ فارس کی طرف سے اور کچھ سیدھے بادیۂ عرب و شام سے جو رفتہ رفتہ قدیم اکادی آبادی کے ساتھ مل جاتی ہیں، یا ان کو ہٹا کر خود ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔"

مصر میں سامی عنصر کا "چالان"، اس کے بعد ہوا ہے جس نے مصر کی قدیم تہذیب پر کوئی اثر نہیں کیا۔ سیریا (شام) اور فلسطین میں غالباً فینیقی، کنعانی اور عبرانی خلیج فارس یا حدودِ عرب سے براہِ راست یا اسیریا (عراق) اور مصر کے توسّط سے باہر سے آئے ہیں جنہوں نے کبھی اپنے کو ان ممالک کا قدیم باشندہ نہیں کہا۔"

ایک فرنچ مؤرّخ ہوآرٹ Cl Huart اپنی تاریخ عرب کے دیباچہ میں لکھتا ہے،

"تین ہزار ق م میں ہم سامی اقوام کو اِدھر اُدھر انتقالِ مکانی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کنعانی شام میں نظر آتے ہیں، جہاں فینیقی Phoeniciens خلیج فارس کے سواحل (بحرین) سے آکر تجارتی شہر قائم کرتے ہیں۔ جہاز رانی میں ترقی کرتے ہیں۔ ایجین تہذیب کو ختم کرتے ہیں اور یورپ کو جانے کا بحری راستہ پیدا کرتے ہیں۔ ہائیکسوس (Hyksos) مصر میں داخل ہوتے ہیں اور اس کا ایک حصہ فتح کرکے وہاں اپنا بادشاہ مقرر کرتے ہیں۔ لیکن خود ریگستانِ عرب کے بدوی عرب کی تاریخ اب تک مجہول ہے۔ اسی اثناء میں وہ بھی شہروں کی بنیاد ڈالتے ہیں اور حکومتیں قائم کرتے ہیں جن کی دولت کا مدار تجارت ہے[1]

شریڈر Schrader اپنے اس نظریہ کی تمام سامی قومیں عرب سے پھیلی ہیں، ان

---

[1] Huart, Tome I, p. 14.

الفاظ میں تشریح کرتا ہے:

> شمالی سامی قومیں یعنی ارمن، بابلی اور کنعانی جنوب میں اپنے دوسرے بھائیوں سے جدا ہو کر ایک متحد جماعت کی صورت میں بابل آ گئے۔ وہاں باہم ایک مدت تک اجتماعی حالت میں رہے۔ ارمن سب سے پہلے اس جماعت سے الگ ہوئے ہوں گے اور اس کے ایک معقول زمانہ کے بعد کنعانی اور سب سے آخر میں اشوری۔"
>
> عین اسی وقت میں ان میں سے بعض قوموں کی ہجرت جنوبی سمت میں واقع ہوئی۔ شمالی عربوں کو عرب وسطیٰ میں چھوڑتے ہوئے یہ ہجرت گزیں جزیرہ نمائے عرب کے سواحل پر آباد ہوئے جہاں سے ان کی ایک جماعت دریا کو عبور کر کے افریقہ پہنچی اور حبشہ میں خیمہ زن ہوئی۔[1]

ان تشریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سامی قومیں ایک مدت تک کے اتحاد و اجتماع کے بعد ملکِ عرب سے نکل نکل کر اطراف کے ممالک میں پھیل گئیں اور وہاں انہوں نے زور و اقتدار پیدا کیا۔ عرب مؤرخین بھی اس واقعہ سے ناواقف نہ تھے۔

مشہور مؤرخ ابن قتیبہ فرزندانِ سام کی تقسیم و تفریق کے بعد لکھتا ہے:

فمنهم العماليق۔ امم تفرقوا في البلدان ومنهم فراعنة مصر والجبابرة[2]	ان ہی میں سے عمالیق ہیں۔ یہ متعدد قوموں کے مجموعہ تھے جو ممالک میں متفرق ہو کر پھیلے۔ منجملہ ان کے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں۔

ابنِ خلدون کا بیان ہے:

وكان لهذه الامم ملوك ودول في جزيرة العرب وامتد ملكهم	ان اقوام میں بہت سے بادشاہ گذرے اور ان کی عرب میں بادشاہیاں ہوئیں

---

[1] W/Wright p. 9

[2] کتاب المعارف ص ۱۰ - مصر -

فیها الی الشام ومصر فی شعوبٍ منهم[1]   جن کے چند قبائل کا سلسلۂ حکومت مصر و شام تک وسیع ہوگیا تھا۔

اسی قسم کی تصریحات دوسرے مؤرّخینِ عرب نے کی ہیں۔ ابن ہشام کلبی جس کا مخصوص موضوع "عرب جاہلیت کی تاریخ و روایت" ہے، اس نے اس موضوع پر کہ "عرب سے یہ قومیں نکل نکل کر کہاں پھیلیں" دو کتابیں لکھی ہیں۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ پہلی کتاب کا نام تفرّق عاد ہے۔ یعنی عاد کی قوم عرب سے نکل کر کہاں کہاں گئی۔ دوسری کتاب کا موضوع بیان کتاب من نقل من عاد وثمود والعمالیق وجرهم وبنی اسرائیل من العرب ہے۔ یعنی عاد، ثمود، عمالیق[2]، جرہم اور بنی اسرائیل جو عرب سے نکل کر باہر گئے ان کے حالات۔"

---

[1] تاریخ ابن خلدون: ج ۲، ص ۲۵۹۔ [2] عمالیق کی نسبت متعدّد امور قابل تنبیہ ہیں۔

۱۔ عمالیق کی لفظی حقیقت کیا ہے؟ عمالیق خود السنۂ سامیہ کے قواعد پر عملوق کی جمع ہے۔ عملوق دو لفظوں سے مرکب ہے عم עם جس کے معنی عبری میں قوم کے ہیں اور یہی لفظ عربی میں اُمّۃ ہے اور ملوق عام وادی کو کہتے ہیں۔ لیکن قدیم زمانہ میں شمالی عرب کا از خلیجِ فارس تا حدودِ سینا جس کو رومی و یونانی عربیا ڈزرٹا یعنی عرب ریگستان یا عرب الوادی کہتے ہیں، نام تھا۔ دوسرے حصہ کو یعنی مغربی و شمالی عرب کو جو از سینا تا حدودِ مصر "مغان" کہتے تھے۔ "ملوق" اور "مغان" ان ہی ممالک کے نام کی حیثیت سے بابلی کتبہ میں ... ۳ ق م میں مستعمل ہوئے ہیں۔ دیکھو

[1] Encyclopaedia of Islam : Vol I, p. 377

History of Babylon and Assur by W. R. Rogers, Vol I, p. 369

۲۔ توراۃ میں عمالق، عیشاؤ بن اسحاق بن ابراہیم کے ایک پوتے کا نام بتایا گیا ہے[1]۔ کاتبین اسفارِ یہود کی رائے معلوم ہوتی ہے کہ اقوام عمالیق اسی عمالق بن عیشاؤ کی اولاد ہیں لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ عمالق بن عیشاؤ کا زمانۂ پیدائش تقریباً ۲۰۰ ق م ہونا چاہیئے۔ پھر ایک شخص کو کنبہ، کنبہ کو قبیلہ اور قبیلہ کو قوم ہونے کے لیے اور خصوصاً ایسی قوم ہونے کے لیے جو بنی اسرائیل کے کئی لاکھ آدمیوں کا مقابلہ کر سکے[2]، کم از کم پانچ سو برس درکار ہیں۔ اس بناء

---

[1] تکوین: ۳۶ - ۱۲ [2] توراۃ سفر العدد

پر عمالیق کا قومی ظہور چودہ پندرہ سو ق م سے ادھر نہیں ہو سکتا حالانکہ روایاتِ عرب اور شہادتِ آثار کے رُو سے عمالیق کا وجود اس سے ہزار برس پہلے ثابت ہے۔

لیکن اگر ہم بغور توراۃ کا مطالعہ کریں تو ہم کو خود توراۃ سے عمالیق کا وجود اس عمالق بن عیشاؤ سے بہت پہلے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے عہد (۲۲۰۰ ق م) میں جب بابل و عیلام اور سادوم کے بادشاہوں میں جنگ ہوئی ہے، وہاں لکھا ہے[1] کہ

”انہوں نے تمام عمالیق کے ملک میں ان کو مارا۔“

دوسری جگہ بلعام کاہن کی زبان سے توراۃ میں جو پیشین گوئی ہے اس میں عمالیق کو ”اوّل الامم“ سے خطاب[2] کیا ہے۔ اگر یہ عمالیق وہی عمالق بن عیشاؤ کی اولاد ہیں جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے تو اس کو بجائے ”اوّل الامم“ کے ”آخر الامم“ ہونا چاہیئے کہ ۱۵۰۰ ق م سے پہلے بہت سی قومیں اٹھ چکی تھیں۔

۳۔ عمالیق سے غالباً قدیم اہلِ عرب واقف نہ تھے کیونکہ با ایں ہمہ جبروت و عظمت آیاتِ قرآن، روایاتِ احادیث اور صحیح و غیر مشکوک اشعارِ عرب میں ان کا نام نہیں آیا۔ توراۃ میں اور یہودیوں کے لٹریچر میں البتہ کثرت سے عمالیق کا ذکر ہے اور ان کو ایک جبّار قوم کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس بناء پر ظاہر ہے کہ عمالیق کا علم یہودیوں کی راہ سے عربوں میں آیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بہت بڑا جبّار و قہّار قبیلہ قرار دے دیا جس کے سامنے ان کا ”عاد“ بھی دب کر رہ گیا۔

---

[1] تکوین: باب ۱۰ [2] سفرالعدد: ۲۴ - ۲۰

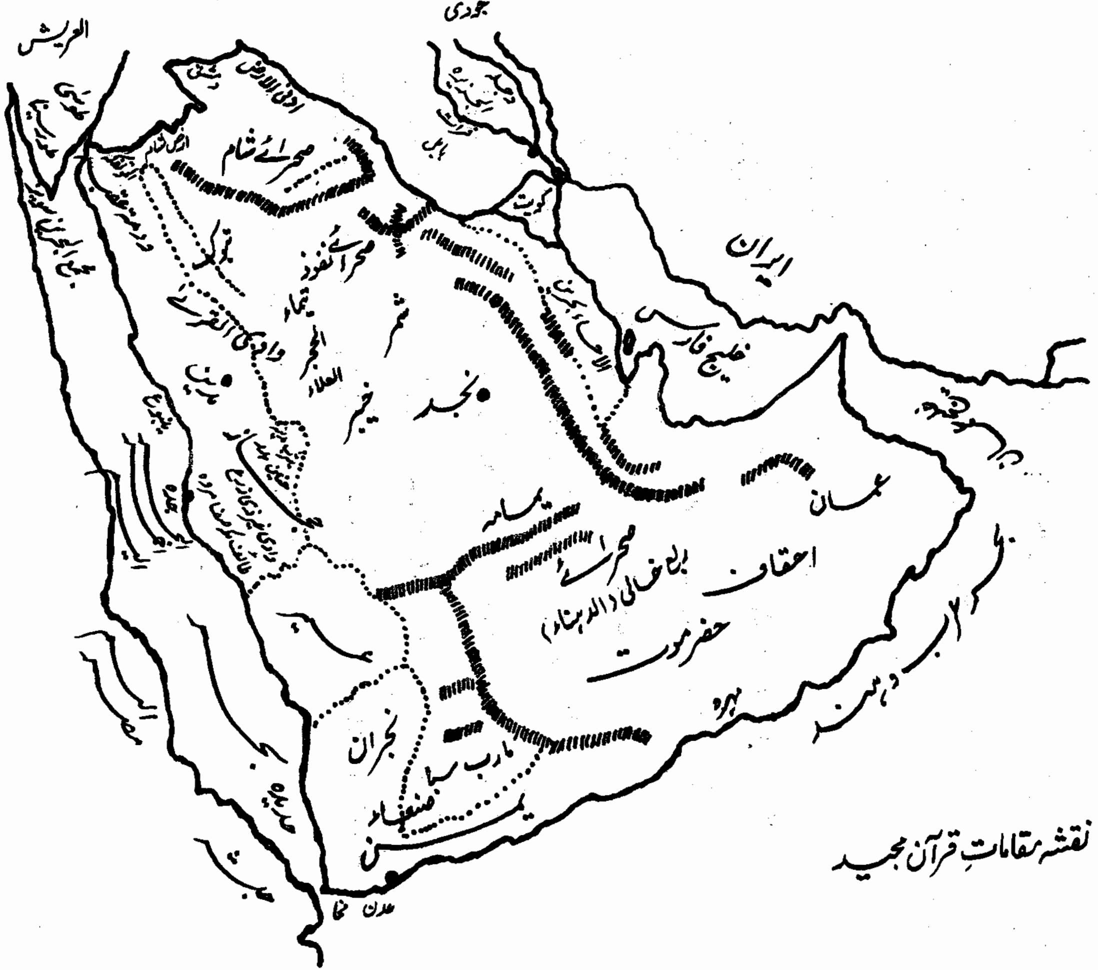
جودی
دجلہ
الجزیرہ
فرات
بابل
کویت
ایران
خلیج فارس
الاحساء بحرین
بحر عمان
عمان
یمامہ
صحرائے ربع خالی (الدہناء)
احقاف
حضر موت
مہرہ
بحر ہند
العریش
طور سینا
مجمع البحرین
دمشق
ادنی الارض
ارض شام
صحرائے شام
تبوک
صحرائے نفود
تیماء
الحجر
العلاء
شمر
نجد
خیبر
وادی القریٰ
مدین
ینبوع
حجاز
بدر
حنین
وادی غیر ذی زرع
طائف مکہ صفا مروہ
جدہ
البحر الاحمر
عسیر
نجران
مارب سبا
صنعاء
یمن
عدن
مخا
حدیدہ
مصر
حبش

نقشہ مقاماتِ قرآن مجید

امم سامیہ کے انساب

بہر حال توراۃ کی رُو سے ان سامیوں کے باہمی نسبی تعلقات بہ تفصیلِ ذیل ہیں[1]۔

طبقاتِ انساب

۱۔ نوح کے بیٹے سام کی پانچ اولادیں تھیں، عیلام، اشور، ارفکسد، لود اور ارم۔ ارم کے چار بیٹے تھے، عوض، حول، جشر اور مس۔ ارفکسد کے بیٹے کا نام سلح تھا، سلح سے عبر پیدا ہوا۔ عبر کے دو بیٹے ہوئے، قحطان اور فلج۔

۲۔ قحطان سے المداد، سلف، حضار موت، یارح، بدورام، اوزال، وقلا، عائل، ابی مائل، سباء، اوفر، حویلاہ اور اوباب پیدا ہوئے جن کی آبادی جنوب عرب میں یعنی یمن میں مسا سے ظفار تک ہے۔

۳۔ فلج سے رعو پیدا ہوا۔ رعو سے سروج، سروج سے نحور، نحور سے تارح (آذر) حضرت ابراہیم اور حاران کا باپ پیدا ہوا۔ یہ خاندان کلدانیوں کے شہر بابل میں آباد تھا۔ حضرت ابراہیمؑ مع اپنے برادر زادہ لوطؑ کے کنعان آئے جس کو فلسطین اور اب عموماً کسی قدر وسعت دے کر شام کہتے ہیں۔

۴۔ حاران سے لوطؑ پیدا ہوئے۔ لوطؑ کے دو بیٹے عمون جو اب عمان کہلاتا ہے اور مواب جو شمالی عرب میں سینا کے پاس ایک حکومت کا بانی تھا۔

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعدد بیٹے تھے۔ اسحاق پسر سارہ جنہوں نے کنعان یعنی فلسطین و شام میں حکومت کی۔ مدیان[2] پسر قطورا جو حجاز کے پاس بحر احمر کے ساحل پر آباد ہوا۔ اسماعیلؑ پسرِ ہاجرہ جو اپنے بھائی مدیان سے کسی قدر آگے بادیۂ فاران میں آکر رہے۔

---

[1] تکوین، باب ۱ - ۱۱ - ۲۵ [2] مدیان کے کئی بھائی تھے لیکن ان کے حالات نامعلوم ہے۔

۶۔ اسحاق کے دو بیٹے تھے یعقوبؑ (جن کا لقب اسرائیل ہے اور جو بنی اسرائیل کے مورث ہیں) یہ پہلے کنعان میں تھے بعدازاں حضرت یوسفؑ کے مصر پہنچنے پر مصر گئے جہاں ان کی اولاد کئی سو برس تک مصر کی غلامی میں رہ کر حضرت موسیٰؑ کے عہد میں پھر کنعان واپس آئی۔ دوسرے بیٹے کا نام عیشاؤ (اور لقب ادوم) تھا۔ یہ شمالی عرب کے کوہ سرات میں ادومی قبائل کا جدّ اعلیٰ تھا۔

۷۔ اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے ہوئے جو توراۃ کی پیشین گوئی کے مطابق خاندان کے بارہ رئیس تھے۔ نبایوط، قیدار، ادب ایل، مبشام، مشمع، ادومہ، مسا، حدود، تیما، جطور، نفیش اور قدمہ۔ یہ تمام خاندان حویلا و یمن سے سور (سیریا یعنی شام) تک پھیلے تھے۔

ان ہم نسب اقوام و قبائل کا باہمی رشتہ اور تعلق حسب ذیل شجرہ سے واضح ہوگا۔

شجرۂ اقوامِ ارض القرآن بمطابقت توراۃ

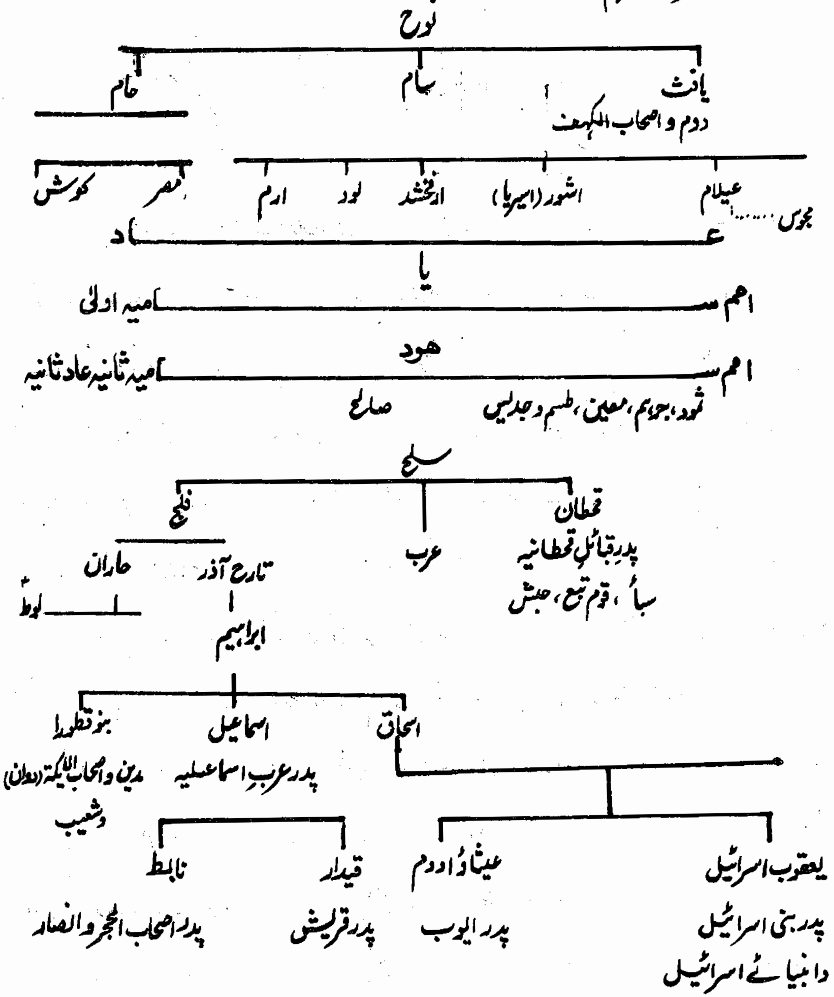
نوح
یافث
روم و اصحاب الکہف
سام
حام
عیلام
مجوس......
اشور (اسیریا)
ارفخشد
لود
ارم
مصر
کوش
ع
اد
یا
امم سامیہ اولیٰ
ہود
امم سامیہ ثانیہ عاد ثانیہ
ثمود، جواسم، معین، طسم و جدیس
صالح
سلح
قحطان
پدرِ قبائلِ قحطانیہ
سبأ، قوم تبع، حبش
عرب
فلج
تارح آذر
ابراہیم
حاران
لوطؑ
اسحاق
اسماعیل
پدرِ عرب اسماعیلیہ
بنو قطورا
مدین و اصحاب الایکہ (ددان) و شعیب
یعقوب اسرائیل
پدرِ بنی اسرائیل و انبیائے اسرائیل
عیشاؤ ادوم
پدرِ ایوب
قیدار
پدرِ قریش
نابط
پدرِ اصحاب الحجر و الضار

اس تمام سلسلۂ انساب میں سے عرب اور قرآن کی تاریخ کو امم سامیہ اولیٰ و ثانیہ، بنو قحطان اور بنو ابراہیم سے بحث ہے اور یہی تین سلسلے عرب کے مستقل اور دائمی باشندے ہیں اور انہی کے حالات و واقعات کی تشریح اس کتاب کا موضوع ہے۔

طبقہ اُولیٰ

امم سامیۂ اُولیٰ

امم سامیہ کی جو تفصیل اوپر بیان ہوئی اس کی بنا پر امم سامیۂ اولیٰ سے مقصود وہ قدیم سامی قبائل ہوں گے جو عرب کے سب سے پہلے اور ابتدائی باشندے تھے اور مختلف اغراض سے یہاں سے نکل کر بابل، مصر اور شام وغیرہ کے ملکوں میں پھیلے۔ عرب مؤرخین ان کو امم بائدہ (برباد ہو جانے والے قبائل) کہتے ہیں کہ وہ اپنے ملک (عرب) سے نکل کر برباد ہو گئے یا انقلابات و حوادث سے مٹ گئے۔ بعض لوگ ان کو عرب عاربہ (خالص اور غیر مخلوط عرب) کہتے ہیں کہ وہ عرب کے خالص اور غیر مخلوط النسل باشندے تھے اور نیز یہودیوں کی غلط پیروی میں ان کو عمالق بھی کہا گیا ہے۔

یورپ کے علمائے آثار ان قوموں کے الگ الگ نام نہیں بتا سکتے۔ وہ مبہم طور سے صرف ان کو سامی کہتے ہیں۔ اہل عرب اپنے ان قدیم ہم وطنوں کا ایک ایک کر کے نام بتاتے ہیں۔ ان سے عاد، ثمود، جرہم، لحیان، طسم اور جدیس وغیرہ مشہور قبائل ہیں۔ عاد سب سے بڑا اور سب سے وسیع قبیلہ تھا اور تمام عرب بائدہ میں قوت حاکمہ تقریباً اسی کو حاصل تھی۔ عربوں کی روایت کے مطابق عرب اور عرب سے باہر بابل اور مصر میں یہ عظیم الشان حکومتوں کا بانی تھا۔

ان قبائلِ بائدہ کا سلسلۂ نسب عموماً مؤرخینِ عرب نے ارم بن سام اور اس کی مختلف شاخوں سے ملایا ہے لیکن کس قبیلہ کو ارم بن سام کی کس شاخ سے تعلق تھا، علمائے انساب کی آراء اس باب میں اس قدر باہم متعارض ہیں کہ فیصلہ مشکل ہے۔ ہم ذیل میں ارم کے مشاہیر قبائل کا نسب دو کتابوں سے نقل کرتے ہیں جن میں سے ایک قدیم ترین ماخذ ہے یعنی معارف ابن قتیبہ[1] اور دوسری متاخر ترین

---

[1] معارف: ص ۱۰۔ مصر

ہے یعنی سبائک الذہب[1] قلقشندی۔

ابن قتیبہ	قلقشندی
عالیق بن لاوذ بن ارم بن سام	عملیق بن لاوذ بن سام
جدیس بن لاوذ بن ارم بن سام	جدیس بن ارم بن سام
عاد بن عوص بن ارم بن سام	عاد بن عوص بن عبیل بن ارم بن سام
ثمود بن جثر بن ارم بن سام	ثمود بن جاثر بن ارم بن سام
طسم	طسم بن لاوذ بن سام

ان انساب کی تحقیق بظاہر سخت مشکل ہے، مؤرخ ابن خلدون نے ان مشکلات کو کسی قدر حل کرنا چاہا ہے لیکن انسان کے لیے بیکار ہوگا کہ ظلمت کدہ میں روشنی کی جستجو کرے۔ مجملاً اس قدر یقینی ہے کہ وہ بنوسام تھے اور زیادہ آگے بڑھیں تو یہ کہیں گے کہ آرامی عنصر ان میں غالب تھا۔ عربی زبان میں آرامی الفاظ نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں[2]، یہاں تک کہ قدیم شہر عرب "مکہ" کا نام بھی آرامی ہے[3]۔ ثمود کے جو کتبات ملے ہیں وہ بھی بخط آرامی ہیں[4]، اور خود ثمود کا نام ثمود ارم تھا اور عاد کے نام کا تو ارم جزء لاینفک ہے:۔

کان یقال عاد ارم فلما ھلکوا قیل	پہلے عاد ارم کہا جاتا تھا جب وہ مٹ گئے تو
ثمود ارم فلما ھلکوا قیل نمرود	ثمود ارم کہا گیا۔ جب وہ بھی برباد ہوگئے تو
ارم[5]۔	نمرود ارم کہا گیا۔

عجیب تر یہ ہے کہ یہ ارامی سامی خاندان جن جن مقامات میں پھیلے خود ان کا نام "ارم" ہوگیا، چنانچہ توراۃ کی زبان میں ما بین النہرین (عراق) کا نام "ارم نہرایم" اور "پدان ارم" ہے۔ ملک شام کو "ارم" اور ارم دمشق" اور شمالی عرب کو "ارام" کہا گیا ہے۔ نیز ایک اور شہادت یہ ہے کہ بابل، سیریا،

---

[1] سبائک الذہب: ص ۱۳-۱۴۔ بمبئی [2] سوادالسبیل: پروفیسر پی آرنلڈ۔ لاہور [3] العرب قبل الاسلام: جرجی زیدان صفحہ ۲۴۰ [4] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: جلد ۲۴، صفحہ ۲۲۶ [5] تاریخ ابن خلدون: ج ۱، ص ۷۱۔

شام، کنعان، فینشیا اور شمالی عرب میں جو قدیم کتبات پائے گئے ہیں ان کی زبان اکثر ارامی ہے یا ارامی الفاظ سے[1] پُر ہے۔

کوئی بڑی قوم جب برسرِ اقتدار ہوتی ہے تو حقیقت میں اس کل کے ضمن میں کوئی جزء ممتاز ہوتا ہے اور اس کے انتساب سے مجموعی قوم مقتدر اور ممتاز تسلیم کر لی جاتی ہے۔ امم سامیہ کی کثیر الافراد جمعیت میں ضروری ہے کہ کوئی خاص جزء قوّتِ حاکمہ کا مالک ہو اور بقیہ اجزاء اس کے اشارہ پر حرکت کرتے ہوں۔ اس جزء کا حقیقی نام کچھ ہو لیکن اہلِ عرب اس کا نام عاد بتاتے ہیں۔ ولامشاحۃ فی الاصطلاحات۔

تاریخ قدیم کے بعض یورپین مصنفین عاد کو صرف ایک فرضی اور مذہبی کہانی *Mythology* سمجھتے ہیں، لیکن یہ انتہائی غلطی ہے۔ تحقیقاتِ جدیدہ نے فیصلہ کیا ہے کہ عرب کے تمام قدیم باشندے (امِم سامیہ) ایک کثیر الافراد باعظمت جمعیت تھی جس نے بابل، مصر و شام میں بڑی بڑی حکومتیں قائم کیں۔ یہ حقیقت اور واقعہ ہے۔ اہلِ عرب اگر اپنی زبان میں ان قدیم باشندوں کو امم بائدہ اور ان کی جماعت کے افراد کو عاد و ثمود وطسم و جدیس کہتے ہیں تو کیا اس وضع اسماء کے جرم میں حقیقت اور واقعہ مٹ جائے گا؟

سب سے مستند ذریعہ ہمارے پاس قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید نے عاد کی حقیقت یہ بیان کی ہے: اَلَمْ تَرَكَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ[2]، اس آیت سے یہ ظاہر ہوا کہ عاد ارم ہی کا حصہ تھا۔

دوسری جگہ خدا فرماتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ	اے عاد کے لوگو خدا کے اس احسان کو
بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ .	یاد کرو کہ اس نے قومِ نوح کے بعد تم کو
(الاعراف: ۶۹)	اپنی خلافت عطا کی (یعنی حکومت دی)

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱، السنہ سامیہ اور ہیرن کی کتاب "سیاسی وتجارتی تحقیقات" ۔ (Historical Rsearches of *Ancient Commerce & Politics* Heeren, Vol I, p. 381.

[2] الفجر ۶-۷۔

قوم نوح کی بربادی کے بعد عرب میں جو سب سے پہلی مقتدر اور حکمران جماعت ظہور پذیر ہوئی، قرآن کی زبان میں اسی کا نام عاد ہے۔ کیا قدیم و ابتدائی امم سامیہ کی یہی حقیقت نہیں ہے۔

فرانس کا مشہور اسلامی مؤرخ مسیو سیدیو Sedles اپنی تاریخ عرب میں لکھتا ہے:

> قبائلِ بائدہ کے حالات قابلِ وثوق نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے بلکہ مفروض ہو سکتا ہے کہ عاد مسیح سے ۲۰۰۰ برس پہلے مصر و بابل پر قابض تھے اور ان کا نام اس زمانہ میں چوپان یا ہیک سوس (چرواہے بادشاہ، یعنی بدوی بادشاہ) تھا۔[1]

لیکن امم سامیہ کی حقیقت سمجھنے کے بعد یہ "فرض" فریقین سے بدل سکتا ہے۔

---

[1] تاریخ عرب (ترجمہ عربی) از سیدیو، ذکر امم بائدہ۔

عاد

گذشتہ مباحث سے مفصل معلوم ہو چکا ہے کہ قدیم امم سامیہ اور عاد مترادف لفظ ہیں۔ اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ عاد کی شخصیت تاریخی وجود اور دعوائے حکومت کے متعلق کوئی شک باقی نہ رہے۔ اب دوسرے مسائل کی طرف توجہ کا موقع آیا ہے۔

لفظ عاد السنۂ سامیہ میں لٹریچر کے لحاظ سے عبرانی سب سے قدیم زبان ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم الفاظ کی اصلیت عربی سے زیادہ اس میں محفوظ ہے۔ لُغوی حیثیت سے عربی میں عاد کے کوئی معنی نہیں ملتے۔

عبری میں "عاد" کی اصلیت موجود ہے، עד کے معنی "بلند و مشہور" کے ہیں اور عجیب تر یہ کہ "ارم" سے ארם اور "شم" (سام) کے بھی یہی معنی ہیں۔ ان معنوں کا بقیہ اثر عربی میں بھی موجود ہے۔ ارم کے معنی پہاڑی اور نشانِ راہ کے پتھر کے لغت میں مذکور ہیں۔ اور "شم" سے "شمم" اور "سمو" تو اب تک مستعمل ہیں۔

تورات میں "عاد" مذکر[1] کے نام کے لیے اور "عادہ" عورتوں[2] کے لیے کئی جگہ آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد قدیم میں یہ نام عمومًا مستعمل تھا۔

عاد کا زمانہ نام کے بعد دوسری بحث زمانہ کی ہے۔ عرب قبلِ اسلام میں کوئی باقاعدہ تاریخ رائج نہ تھی اس لیے عرب بائدہ کا کوئی زمانہ مذکور نہیں۔ لیکن اس بنا پر کہ مؤرخینِ عرب نے عاد کو عوض بن ارم بن سام کا حقیقی فرزند لکھا ہے (؟) اس لیے اس کا زمانہ ۳۰۰۰ ق م سے پہلے قرار دینا چاہیے۔ قرآن مجید نے عاد کا جہاں ذکر کیا ہے اس کو خلفائے قوم نوح کہا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرزمینِ شام کی دوبارہ آبادی کے بعد بنو سام کی پہلی ترقی

---

[1] تاریخ ایام اوّل ۷-۲۱ [2] تکوین: ۳۶-۲، تاریخ ایام اوّل: ۲۰۰۰۔

عاد سے شروع ہوتی ہے اس لیے اس آیت سے نہ صرف زمانہ کی تعیین ہوتی ہے بلکہ ہماری اس تھیوری کی بھی تائید ہوتی ہے کہ ارم سامیۂ اولیٰ اور علی الاغلب عاد ایک چیز ہے اور اسی لیے قرآن نے ان کو عادِ اولیٰ کہا ہے :

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَاۨ الْاُوْلٰى	اسی خدا نے عاد اولیٰ کو برباد کیا ۔
(النجم : ۵۰)	

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے اور آج کل عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ بنو سام کی حقیقی ترقی کا عہد دو ہزار دو سو ق م دو ہزار ق م ہے ۔ سامی اقوام حملۂ مصر و بابل کی بھی یہی تاریخ ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد ارم کا وجود دو ہزار دو سو ق م سے شروع ہوتا ہے ۔ انتہائے مدّت کی تعیین کی یہ صورت ہے کہ پندرہ سو ق م میں یمن میں ایک دوسری قوّت کا ظہور معلوم ہوتا ہے اور اس سے کچھ ہی پہلے حضرت موسیٰؑ کا زمانہ ہے ۔ حضرت موسیٰؑ کے عہد سے پہلے عاد کی تباہی عام ہو چکی تھی ۔ قرآن مجید نے نقل قصص میں ہمیشہ عاد کا ذکر حضرت موسیٰؑ و فرعون سے پہلے کیا ہے بلکہ ایک موسوی مسلم فرعون کے دربار میں کہتا ہے :۔

يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ	بھائیو ! میں ڈرتا ہوں کہ جماعتوں کے دن
الْاَحْزَابِ ۙ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ	کی طرح اور قومِ نوح، عاد، ثمود اور جو ان
وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ	کے بعد ہیں، ان کے دن کی طرح ایک دن
(المومن : ۳۰ - ۳۱)	تم پر بھی آئے ۔

ان وجوہ سے عاد کی عظمت اور ترقی کا زمانہ دو ہزار دو سو ق م سے سترہ سو ق م تک ہو سکتا ہے ۔ صالحینِ عاد کا وجود اس کے بعد بھی ابتدائے عہد مسیح تک باقی رہا ہے اور یونانیوں نے عادرمیٹا (عاد ارم) اور عاد ائیت کے نام سے ان کا ذکر حضرموت اور یمن کے باشندوں میں کیا ہے ۔ تمیز کے لیے عہدِ اوّل کو عادِ اولیٰ اور عہدِ ثانی کو عادِ ثانیہ کہتے ہیں ۔

عاد کا مقام عاد کی مرکزی آبادی عرب کی بہترین حصہ یعنی یمن و حضرموت میں سواحلِ خلیج فارس

سے حدودِ عراق تک تھی[1]۔ دراصل حکومت کا مرکز ملکِ یمن تھا لیکن خلیج فارس کے کنارے کنارے وہ عراق تک وسیع تھی جس سے نہایت آسانی سے وہ راہ معلوم ہو سکتی ہے جدھر سے یہ قوم عرب سے عراق میں اور عراق سے دیگر ممالک میں پھیلی اور یہی جدید تحقیقات کی رُو سے بھی امم سامیہ کا راستہ سمجھا جاتا ہے[2]

عاد کا دور دراز کے ممالک میں جانا عربوں میں اس قدر مسلّم تھا کہ وہ شعراء کے ہاں تمثیلوں میں آگیا ہے۔ ایک جاہلی شاعر محرز بن مکعبر ضبیؒ کہتا ہے:

حتی انتهی لمیاہ الجوف ظاهرة مالم تر قبلهم عاد ولا ارم

وہ وسطِ صحرا کے تالاب پہ آکر رُکا یہ وہ رفتار تھی جو اس سے پہلے عاد اور ارم بھی نہیں چلی

عاد کی سلطنتیں عرب کا ملک ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے جہاں بڑی اور حوصلہ مند قوموں کے لیے ترقی کا کوئی میدان نہیں ہے۔ ناچار پُرجوش قومیں باہر نکل پڑتی ہیں۔ عرب کا جزیرہ نما جنوب مغرب اور کسی قدر مشرق کی جانب سے پانی سے گھرا ہوا ہے اس لیے آسان اور قدرتی راستہ ان کے لیے بعض مشرقی اور عموماً شمالی ممالک ہیں یعنی بابل و شام و سینا۔ بابل سے ایران کا راستہ ہے۔ شام سے بحر ابیض و بحر روم ہو کر یورپ اور افریقہ کی طرف بھی رُخ کیا جا سکتا ہے۔ ۱۸۵۹ء سے پہلے جب نہر سویز موجود نہ تھی، بحر ابیض اور بحر احمر کے درمیان آج کل کی طرح متصل دریائی راستہ نہ تھا نہ جزیرہ نمائے سینا اور مصر کے درمیان سوئز کی مصنوعی نہر تھی۔ ایک پتلی سی خشک زمین تھی جو شام، عرب اور جزیرہ نمائے سینا کو خشکی کی راہ سے مصر سے ملاتی ہے۔ ہندوستان کی قدیم حملہ آور قوموں کے لیے جس طرح درۂ خیبر مشہور راستہ ہے اسی طرح مصر کے قدیم حملہ آوروں کے لیے یہی پتلی گلی ایک پامال راہ تھی۔ امم سامیۂ اولیٰ یا عاد کی سیاسی تاریخ کی دو جولاں گاہ ہیں، بیرونِ عرب اور اندرونِ عرب۔

---

[1] معارف ابن قتیبہ: صفحہ ۱۰ - مصر۔

[2] سموال لے انگ کی ہیومن اوریجن *Human Origin* ص ۳۳ و ۳۹۔

بیرونِ عرب

(۴۰۰۰ ق م۔ تا ۱۹۰۰ ق م)

۱۔ عربِ سامیہ یا عاد بابل میں۔

۲۔ عربِ سامیہ یا عاد مصر میں۔

۳۔ عربِ سامیہ یا عاد دیگر ممالک میں۔

۱۔ عربِ سامیہ یا عاد بابل میں

کسی مقدمہ کی صحت کے صرف تین جزء ہیں۔ مدّعی کا دعویٰ، مدّعا علیہ کا اعتراف اور گواہوں کی شہادت۔ اگر کسی مقدمہ کے یہ تینوں اجزاء بہم پہنچ جائیں تو مقدمہ کی صحت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اہلِ عرب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عراق کے شہر بابل پر حکومت کی۔ اہلِ عراق اس کا اعتراف کرتے ہیں اور تحقیقاتِ جدیدہ کی شہادت اس کی تائید کرتی ہے۔ پھر اصل مقدمہ میں کس کو شک ہوگا؟

اہلِ عرب کا دعویٰ | علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

فمنهم العمالیق امم تفرقوا فی البلدان ومنهم فراعنة مصر والجبابرة[1]،

انہی میں عمالیق ہیں۔ یہ متعدد قومیں ہیں جو ملکوں میں منتشر ہو گئی تھیں اور انہی میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں۔

مؤرخ ابن خلدون کی تحقیق ہے جس کو اس نے اپنی تاریخ میں کئی جگہ دُہرایا ہے:

ان قوم عاد والعمالقة ملکوا العراق[2] یقال انهم انتقلوا الی جزیرة العرب من بابل لما زاحمهم فیها بنو حام[3]

عاد اور عمالیق عراق کے بادشاہ ہو گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بابل سے جزیرہ عرب میں اس وقت چلے آئے جب بنو حام نے ان کی

---

[1] کتاب المعارف: ص ۱۰، مصر۔ [2] کتاب العبر: جلد ۲، ص ۲۵۹، مصر۔ [3] کتاب العبر: ج ۲، ص ۱۹، مصر۔

نزلوها (الحجاز) ایام خروجهم من	مزاحمت کی۔ یہ لوگ عراق سے نکلنے کے زمانہ
العراق امام النماردة من بنی حام[1]	میں بنو حام کے بادشاہ سے بھاگ کر حجاز چلے آئے۔

اہلِ ایران کا بیان اہلِ ایران کا دعویٰ ہے کہ عراق و بابل کی قدیم ترین حکومت انہی کے ہاتھ میں تھی اس لیے اس واقعہ کی نسبت ان سے بھی پوچھنا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جمشید کے بعد جو بنو سام ابنِ نوح کا معاصر تھا، ضحاک تازی (عرب) نے ملک پر قبضہ کر لیا۔ عرب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

والیمن تدعیه وتزعم انه من	اہلِ یمن بھی اس کے مدعی ہیں اور گمان کرتے
انفسها وهو الضحاك بن علوان	ہیں کہ یہ بادشاہ ان ہی کی قوم کا تھا، اور اس
(تاریخ طبری، ج ۱، ص ۲۰۲، مطبوعہ یورپ)	کا نام ضحاک بن علوان تھا۔
وبلغنا ان الضحاك هو نمرود وان	ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ضحاک ہی نمرود تھا۔
ابراهیمؑ ولد فی زمانه وانه صاحبه	حضرت ابراہیمؑ اسی کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے،
الذی اراد احراقه۔	اور یہی تھا جس نے ان کے جلانے کا قصد کیا تھا۔

(تاریخ طبری، ج ۱، ص ۲۰۵)

فردوسی جو اہلِ ایران کی تاریخ کا ترجمان ہے، ضحاک تازی (عرب) اور اس کی ہزار سالہ عہدِ حکومت کا مفصل بیان شاہنامہ میں کرتا ہے۔

توراۃ کا بیان بنی اسرائیل کا خاندان عہدِ ابراہیمی سے پہلے اسی ملک کا باشندہ تھا اور نہایت قدیم زمانہ سے (۲۵۰۰ ق م) اس کے تعلقات یہاں سے قائم ہیں۔ اس بنا پر اس باب میں ان کی رائے بھی قابلِ وقعت ہوگی۔ توراۃ کی روایت ہے کہ "بابل کا سب سے پہلا بادشاہ کوش کا بیٹا نمرود تھا۔" اصل عبارت یہ ہے:

"کوش حام کا بیٹا تھا . . . . . کوش اولاد، سبا، حویلہ، سبا تا، رعماہ اور سبا تیکا اور رعماہ کے بیٹے شبا اور دیدان۔ کوش نے نمرود کو پیدا کیا . . . . . اور اس کی حکومت کی ابتدا بابل اور ایرخ (عراق)

---

[1] ڈنکر کی تاریخ قدیم، ج ۱، ص ۲۴۹۔

میں ہوئی۔ (تکوین : ۱، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰)

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اقوام کی ابتدائی تقسیم جدید تحقیق کے مطابق نسلی نہیں بلکہ جغرافی ہے۔ یہ تمام اقوام جن کا اولادِ کوش کے نام سے ذکر ہوا ہے، وہ سب جنوبی سمت اور سواحلِ خلیج فارس کے باشندے ہیں یعنی عرب ہیں۔ یورپ میں تاریخِ قدیم کا سب سے بڑا مؤرخ فاضل ڈنکر ہے۔ وہ بابل کی فصل تاریخ میں توراۃ کے اس فقرہ کی تفسیر یوں کرتا ہے :

> سفر تکوین مثل متأخرین یہود کے "کوش" کے نام کے اندر ان اقوام کو داخل کرتا ہے جو جنوبی سمت میں رہتے ہیں۔ نوبی، اثوبی (اتھوپین) اور جنوبی عرب کے قبائل، یہاں پر ہم ان فرزندان کوش کو جنہوں نے بابل کی بنیاد ڈالی، جنوبی قبائل کے باشندے کہہ سکتے ہیں جو تقریباً خلیج فارس کے سواحل پر مقیم تھے۔[1]

اہلِ عراق کا بیان بابل کا ایک کلدانی مؤرخ بردشوس نامی ہے جو اصلاً بابلی اور بعل کے معبد کا ایک کاہن تھا۔ یہ مسیح سے شاید ۴۰۰ برس پہلے تھا۔ اس نے بابل کی قدیم تاریخ لکھی تھی۔ اصل کتاب تو ضائع ہو گئی لیکن یہودی اور یونانی مصنفین نے اس کے حوالہ سے بہت سی باتیں لکھی ہیں اور سنداً اس کی بعینہٖ عبارت بھی نقل کی ہے۔ ان ہی منقول عبارتوں میں ایک ملوکِ بابل کا ایک ہے۔ مؤرخ موصوف کلدانی بادشاہوں کے بعد عرب بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے۔ ان کی تعداد وہ انیس اور ان کی مدتِ حکومت دو سو پچیس برس قرار دیتا ہے۔ اصل نقشہ یہ ہے۔ یہ نقشہ قابلِ تنقید ہے لیکن قابلِ تغلیط نہیں۔

عدد	خاندانِ ملوک	سال
۱۰	بادشاہانِ قبلِ طوفانِ نوح	۴۳۲۰۰۰
۸۶	بادشاہانِ بعد طوفان	۳۴۰۰۰
۸	میڈیا کے غاصب بادشاہ	۲۲۴

---

[1] ڈنکر کی تاریخ قدیم : ج ۱، ص ۲۴۹

عدد	خاندانِ ملوک	سال
۱۱	شاہان غیر معروف	۲۴۸
۴۹	کلدانی بادشاہ	۴۵۸
۹	عرب بادشاہ	۲۲۵

تحقیقاتِ جدیدہ اہلِ عرب اور اہلِ بابل کے بیانات سے اس سے زیادہ کوئی اور علم حاصل نہیں ہوتا کہ کسی قدیم زمانہ میں "عرب سامیہ" کے ایک خاندان نے عراق پر حکومت کی۔ اس سے زیادہ حالات قدامت کی تاریکی میں مخفی ہیں۔ لیکن آرکیالوجی کی اعانت سے بابل کے آثار و حفریات[1] نے قدامت کے پردہ کو چاک کر دیا ہے۔ اب نئے سرے سے بابل کا تمدن زندہ ہو رہا ہے، اور علم الآثار کے چراغِ طلسمی میں اب نظر آ رہا ہے کہ بابل و اسیریا کا ہر پتھر در حقیقت ان کی تاریخ کا ایک صفحہ ہے[2]

---

[1] زمین کے کھودنے سے جو پرانی چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔ [2] ہر چیز مذہب سے شروع ہوتی ہے۔ توراۃ بابل و اسیریا کے سلاطین اور شہروں کے نام سے پُر ہے۔ نوعِ انسان کا افتراق بابل میں ہوا (تکوین، باب ۱۰)۔ حضرت ابراہیمؑ بابل و کلدان کے شہروں سے نکل کر فلسطین آئے تھے۔ یہودیوں کی تباہی اہلِ بابل کے ہاتھ سے ہوئی۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ یورپ کے علمائے آثار ان ممالک کی تنقیب و اکتشافات کی طرف توجہ کریں۔ اس کی ابتدا سولہویں صدی سے ہوئی اور اب تک جاری ہے۔ سینکڑوں کتبات خطوط، کتابیں (منقوش بہ سنگ) مجسمات، سکّے، عمارات، نشانات، واقعاتِ تاریخی کی منقوش یادگاریں زمین سے نکالی گئیں۔ خط اور زبان کی مشکل حل کی گئی اور باقاعدہ اکتشافات و تحقیقات کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ یہاں تک کہ بابل سے بابل و اسیریا کی عظیم الشان تاریخ مدوّن ہو گئی۔ سینکڑوں علمائے مشرقیات نے ان تحقیقات میں اپنی زندگیاں وقف کیں۔ ان میں سے مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں، ہربرٹ (سنہ ۱۶۷۷ء) سرجان چارڈن (سنہ ۱۷۰۰ء) کارنبس ڈی بُردان (سنہ ۱۷۰۴ء) نیوبھر (سنہ ۱۷۶۲ء) جولیس موہل (سنہ ۱۸۲۳ء) جارج اسمتھ (سنہ ۱۸۲۶ء) اور ہالوسے وغیرہ۔ اس وقت بھی ایک جرمن سوسائٹی مشغول کار ہے اور اس کے حیرت انگیز نتائج اسی سال شائع ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں عجیب بات یہ ہے کہ بابل و اسیریا کی تحقیقات و اکتشافات میں دولتِ عثمانیہ اور بعض ترک مثلاً سلمان حمدی بے اور خلیل بے کے نام بھی نہایت روشن ہیں۔

قدیم بابل (اہلِ فارس سے پہلے) کے جو کتبات و آثار ملے ہیں زبان کی حیثیت سے یہ دو قسم کے ہیں۔ سامی اور غیر سامی۔ ان سے بابل کے قدیم باشندوں کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر کتبات پر سلاطین کی تاریخیں ہیں اور جن پر تاریخ مرقوم نہیں ہے ان کے زمانہ کی تعیین قرائن سے کی گئی ہے۔ غیر سامی کتبات و آثار عموماً قدیم ترین ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر سامی آبادی سامیوں سے پہلے یہاں آباد تھی۔ ان کی زبان سومری اور اکادی ہے جس سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ وہ غیر سامی آبادی اکادی اور سومری تھی جو تشابہ نام و زبان کے لحاظ سے غالباً تورانی النسل ظاہر ہوتی ہے۔

ارضِ بابل کے اس عہد کے تمام کتبات کو بہ ترتیب رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۴۰۰۰ ق م کی ابتدا میں قدیم سومری الفاظ کی بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اور یہ آمیزش اور اختلاط رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے تا آنکہ الفاظ، خط اور خیالات بالکل سامی ہو جاتے ہیں۔ اور ایک مدت تک کتبات و آثار بالکل سامی رہتے ہیں پھر ایک زمانہ کے بعد سومری کتبات کا دوسرا دَور شروع ہوتا ہے جس کا خاتمہ ایک اور تورانی النسل زبان عیلام Elamite پر ہوتا ہے، جس کا وطن خلیجِ فارس کا فارسی ساحل تھا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد ۲۵۰۰ ق م میں زبان بالکل سامی ہو جاتی ہے اور بعد ازاں ایک مرکب و متحد زبان کی صورت نظر آتی ہے (اس کے بعد کے انقلابات ہمارے موضوع سے الگ ہیں)

نقشہ کی ان سادہ لکیروں میں اگر ہم رنگ بھر دیں تو ایک قومی و سیاسی تاریخ کا مسلسل مرقع تیار ہو جائے گا کہ پہلے یہاں سومری و اکادی قوم آباد تھی Akkadian and Sumerian رفتہ رفتہ عرب کے سامی عنصر کی آمیزش شروع ہوئی جس نے آہستہ آہستہ سیاسی قوت حاصل کر لی۔ اور ایک مدت تک حکومت اس کے ہاتھ میں رہی، یہاں تک کہ سومریوں نے پھر جدید قوت حاصل کر لی جس کا عیلامیوں Elamite کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا۔ عیلامیوں کی حکومت کے بعد پھر عربی سامی قوت کا عروج شروع ہوا اور اس نے عیلامیوں کو مٹا کر اپنی پہلی جگہ پھر اختیار کر لی۔ بعد ازاں

ایک مدت کے بعد ایک مشترک وطنی حکومت کی بنیاد پڑی ۔

ان قدیم ترین حکومتہائے بابل کے سلسلہ میں ہم نے دو جگہ عرب سامی خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک ۴۰۰۰ ق م اور ایک ۲۴۰۰ ق م میں یہ دونوں علیحدہ علیحدہ بیان کے محتاج ہیں ۔

۴۰۰۰ ق م اس خاندان کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ سامی تھا۔ باہر سے آیا تھا اور ابتداً نہایت وحشی تھا۔ یہ بیرونی وحشی سامی کون تھے؟ غالباً عرب! اس خاندان کے حالات کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے :-

"تقریباً چار ہزار ق م کی ابتدا میں سومری لوگوں نے جو ایک اعلیٰ تمدن حاصل کر رہے تھے، اپنے ملک کو ایک بار (اس کے بعد) وسیع التعداد وحشی قبائل سے پُر پایا۔ یہ سامی تھے جو نہایت قریبی خون کا تعلق عربوں سے رکھتے تھے جو ایک بار (اس کے بعد) اسپین تک دوڑ چکے ہیں یہ عبرانیوں سے بھی اسی قسم کی مشابہت رکھتے تھے جو ایک بار نہر اردن کو عبور کرکے کنعان پہنچے تھے ۔

بعضوں کا خیال ہے کہ یہ کردستان سے آئے اور بابل پہنچ کر یہاں سے آرمینیا عرب اور کنعان وغیرہ میں پہنچے۔ لیکن یہ خیال اب متروک ہے گو کہ ایک دو آدمیوں کے نام اب بھی اس کے مؤیدین میں نظر آتے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ افریقہ سے آئے اور مصر سے نکل کر تمام خطے میں پھیلے ،،...... اس تھیوری کے اثبات میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن پھر بھی ایک تیسری تھیوری کے لیے بہت کچھ باقی ہے کہ "ان کا اصل مسکن عرب تھا جہاں سے نکل کر ایک سرسبز وسیع قطعہ کی تلاش میں الجزیرہ، بابل اور دور مغرب میں کنعان میں موجیں لیتے ہوئے نکل آئے ۔

یہ آخری خیال روز بروز نئے نئے طرفداروں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ عموماً اب یہی جدید علماء کی مقبول رائے ہے[1]

---

[1] (ملخصاً) تاریخ بابل و اسیریا از ڈبلیو۔ آر۔ راجرز، ج ۱، ص ۴۵۲

> سومری حکومت کے اسی عہد کا ایک چھوٹا سا اور ٹوٹا سا کتبہ ملا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت ایک جدید داخل ہونے والی قوم سے جس نے شمالی بابل کو لے لیا تھا، دوبارہ اس کی واپسی کے لیے کوشاں تھی۔ یہ نئی آنے والی قوم کون تھی؟ جس جس کا اصلی گھر غالباً عرب تھا لیکن اب وہ کچھ دنوں سے بابل کے شمالی و مغربی حصہ میں غالباً الجزیرہ میں آباد تھی۔ سامیوں نے ملک کے تمام آباد اور زرخیز شہر جن پر سومری جیتے تھے، اپنے قبضہ میں کر لیے[1]"

اس زمانہ میں حکومت ایک شہر سے عبارت تھا جس کے آس پاس کچھ گاؤں، کچھ خیموں کی آبادی اور کچھ اِدھر اُدھر رہنے والے قبائل ہوتے تھے۔ شہر میں ایک شاہی قصر اور ایک ہیکل پتھروں کا بنا ہوتا تھا۔ ہیکل کا کاہن اور قصر کا بادشاہ عموماً ایک ہی شخص ہوتا تھا اور کبھی دو ہوتے تھے۔ ہر شہر کے ہیکل کا ایک خاص دیوتا تھا جس کے قبضۂ قدرت میں تمام شہر کی جان ہوتی تھی۔ اس وقت شہر "کش" اور "غشبان" سومریوں کے خاص شہر تھے۔

جس عہد کا قصہ ہم لکھ رہے ہیں تقریباً دو سامی شہر یا حکومتوں کا ذکر پاتے ہیں۔ ایک حکومت کش و غشبان دارخ جس کا تمہیدی ذکر اوپر ہوا اور دوسری حکومتِ اغاد۔

حکومت کش و غشبان دارخ یہ حکومت بابل میں پہلی سامی حکومت ظاہر ہوتی ہے۔ اس حکومت کے صرف تین کاہن بادشاہوں کے نام معلوم ہیں، اوکوش کاہنِ غشبان، لوغل زاغیسی ابن اوکوش، لوغل اوکیسلسی۔

۱۔ "اوکوش" کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ غشبان کا کاہن اور سیاسی سے مذہبی قوت زیادہ رکھتا تھا۔

۲۔ "لوغل زاغیسی" نے اپنے باپ سے زیادہ سیاسی قوت حاصل کی۔ وہ کش اور غشبان دونوں کا بادشاہ تھا۔ تقریباً چار ہزار ق م میں اس نے تیسرے شہر "ارخ یا ارک" (عجب نہیں کہ لفظ عراق کی یہی اصل ہو) کی بنیاد ڈالی، جس نے اسے کل ملک کا دارالحکومت مقرر کیا۔

---

[1] تاریخ بابل و اسیریا از ڈبلیو۔ آر۔ راجرز، ج ۱، ص ۳۸۳۔

۲۔ "لوغل اوکیسلیسی" اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سومری طاقت نے پھر عود کیا ہے شہر کو بیرونی قوموں سے واپس لے لیا۔

حکومتِ اغاد کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان میں چار بادشاہ گذرے ہیں، (لطّی بعل (بعل ایک دیوتا تھا)، شرغنی شرعلی کر، نرام سِن کر اور بن شرعلی۔

(۱) لطّی بعل کے نام کا خود کتبہ نہیں ملا، لیکن اس کے بیٹے شرغنی کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ اپنے باپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"شرغنی شرعلی بن لطّی بعل اغاد کا قدرت والا بادشاہ بعل کے ہیکل ایکور کا شہر نپُّور میں بنانے والا۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ ہونے کے علاوہ بہت سی عمارتوں کا بانی بھی ہے۔

(۲) "شرغنی شرعلی کر" (۸۰۰ ق م) اس کا پورا نام ہے لیکن کبھی صرف شرغنی بھی پایا گیا ہے۔ لیکن زیادہ مشہور یہ شرغون اوّل یا سرجون اوّل کے نام سے ہے۔ سرغون اس خاندان کا گل سرسبد ہے اور حکومتہائے بابل کے بزرگ ترین بادشاہوں میں اس کا شمار ہے۔ اس کے جو کتبات اس وقت تک ملے ہیں وہ متفقاً اس کی عظمت وجلال کے بیانات سے پُر ہیں۔ اس نے ایک طرف سومریوں کی قوّت کا خاتمہ کردیا اور دوسری طرف فارس میں عیلامیوں کو مغلوب کرلیا۔

بعد کی تاریخوں میں شرغون کے کارناموں کے بیان میں اتنا مبالغہ کیا گیا ہے کہ وہ معمولی انسانیت سے نکل کر ایک غیر معمولی انسان بن جاتا ہے۔ ایک لوح پر جو آٹھویں صدی ق م کی کتابت ہے اور جس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ شرغون کے مجسمہ کی نقل ہے، اس کی پیدائش وظہور کے متعلق عجیب داستان تحریر ہے۔

(۳) "نرام سِن کر" (۲۷۵۰ ق م) بھی عظمت میں اپنے باپ سے کم نہیں۔ اس کا خطاب تھا "شاہِ چار دانگِ عالَم"۔ "نرام سن" کی خاص مہم زمینِ "منعان" پر حملہ ہے۔ "مغان" سے غالباً جزیرہ سینا ملحق بہ شمالی مغربی عرب مراد ہے۔ اس کے قریب شہر "مغان" اب تک معلوم ہے۔

فاتح ہونے کے علاوہ یہ بادشاہ بانیٔ عمارات بھی ہے۔ نپّور اور اغادیں ہیکل تعمیر کرائے اور شہر پناہیں بنوائیں۔ سفار میں آفتاب دیوتا کا ہیکل تیار کرایا۔

(۴) "بن غلی شرعلی" خاتمِ خاندان اور مجہول الحال ہے[1]

۲۴۰۰ ق م

گذشتہ صفحات میں ڈھائی ہزار برس کا مرقع پیش کیا گیا جس میں بابل کے اسٹیج پر سومری، عیلامی اور سامی قوموں کا کبھی بہ صلح و آشتی کبھی بہ جنگ و جدال ظہور ہوتا رہا۔ دو ہزار چار سو قبل مسیح میں ایک اور سامی قوم کا ظہور ہوا جس نے تمام قوموں کا خاتمہ کر دیا اور ایک متحد سامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس حکومت کی قومیت کی حقیقت امریکن مؤرخ راجرس ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

> "سومری تہذیب اب پیری کو پہنچ چکی تھی، موت کے جراثیم اب اس میں پیدا ہو چکے تھے۔ دوسری طرف سامی تمدن زندگی اور جوش سے لبریز تھا۔ سامی ریگستانِ عرب کی آزاد ہوا سے

---

[1] اس فصل کے لکھتے وقت حسبِ ذیل کتابیں ہمارے پیش نظر تھیں:-

اے۔ ایچ لیرڈ کی کتاب "نینوی اور اس کی یادگاریں" (*Nineveh And Its Remains*, by A. H. Layard, London, 1839)

پروفیسر جی۔ رالنسن کا "کتابچہ تاریخ قدیم" (A Manual of Ancient History by Prof. G. Rawlinson)

اے۔ ایچ۔ لیرڈ کی "تحقیقاتِ آثارِ نینوی و بابل" (*Discoveries in the Ruins of Nineveh And Babylon* by A. H. Layard 1853).

لیکن رالنسن کی کتاب صرف تاریخ یونان و روم اور توراۃ سے ماخوذ ہے اور لیرڈ کی کتابوں کی معلومات گو بابل و نینوی کی ذاتی سیاحت کے نتائج ہیں تاہم پرانے ہو چکے ہیں۔ راجرس Rogers کی "تاریخ بابل و اشور" (*History of Babylon And Assur*) جو بالکل جدید تصنیف ہے اور جس کی بناء صرف تحقیقات تازہ پر ہے اور جو تمام یورپ کے دار الآثار اور کتب خانوں کے مطالعے کے بعد لکھی گئی ہے، زیادہ تر اس فصل کا مآخذ ہے۔

باہر آئے تھے۔ وہ اپنی رگوں میں زندگی رکھتے تھے۔"[1]

اس خاندان کا شجرۂ ملوک جیسا کہ کتبات سے ظاہر ہوا ہے، حسب ذیل ہے:[2]

۱۔ سمو۔ ابی	۲۴۵۴-۲۴۴ ق م	۱۵ برس
۲۔ سمولا ایلو	۲۴۳۹-۲۳۹۱ ق م	۳۵ برس
۳۔ ذابلو	۲۴۰۴-۲۳۹۱ ق م	۱۴ برس
۴۔ اُفل۔ سِنُ	۲۳۹۰-۲۳۷۳ ق م	۱۸ برس
۵۔ سِنُ مبلّط	۲۳۷۲-۲۳۴۳ ق م	۳۰ برس
۶۔ حمورابی	۲۳۴۲-۲۲۸۸ ق م	۵۵ برس
۷۔ سمو۔ ایلونا	۲۲۸۷-۲۲۳۵ ق م	۳۵ برس
۸۔ ابی۔ شوع	۲۲۵۲-۲۲۲۸ ق م	۲۵ برس
۹۔ عمی۔ ستانا	۲۲۲۷-۲۲۰۳ ق م	۲۵ برس
۱۰۔ عمی۔ صادقا	۲۲۰۲-۲۱۸۲ ق م	۲۱ برس
۱۱۔ سمو۔ ستانا	۲۱۱۸-۲۱۵۱ ق م	۳۱ برس

اس فہرست میں پہلا نام "سموابی" کا ہے۔ اس کی نسبت کوئی واقعہ نہیں معلوم ہے۔ اس کا نام صرف سلاطین کی فہرست میں ملا ہے۔ اس کے بعد کے جانشینوں کی نسبت بھی ہم کو کوئی صحیح علم نہیں ہے۔ "سمولا ایلو" کے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ اس نے بابل میں چھ قلعے تعمیر کرائے تھے۔ "ذابلو" صرف ایک ہیکل کے بانی کی حیثیت سے معلوم ہے جو شہر کے دیوتا کے نام سے بنا تھا۔ افل سن اور سن مبلط بھی مجہول الحال ہیں۔

اس خاندان کا مشہور و ممتاز بادشاہ حمورابی ہے جس کی نسبت ہماری اطلاعات کسی قدر وسیع

---

[1] تاریخِ بابل واشور، ج ۱، ص ۳۸۳۔ [2] تاریخِ بابل واسیریا از راجرس، ج ۱، ص ۳۲۔

ہیں۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ملک کو عیلامیوں سے پاک کر دیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمورابی سے پہلے تک عیلامیوں کا زور ملک میں باقی تھا اور عجب نہیں کہ حمورابی کے اسلاف کی عدمِ اہمیت و عدمِ شہرت اسی علت کا معلول ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ حمورابی کے پہلے کے بادشاہوں کے ساتھ شاہی القاب نظر نہیں آتے۔

اَب تک جو کتبات اس خاندان کے مِلے ہیں وہ عموماً حمورابی ہی کے ہیں جن سے اس بادشاہ کی عجیب و غریب عظمت ظاہر ہوتی ہے[1]

تورات میں سب سے پہلا جو سیاسی واقعہ مذکور ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں شمالی عرب میں عراق اور شام کے بادشاہوں کی باہمی جنگ ہے۔ اس موقع پر شنعار (بابل) کے بادشاہ کا نام امرافیل یا امورافیل مذکور ہوا ہے[2] الف اور غ کا اور ب پ اور ف کا مبادلہ السنۂ سامیہ میں بہت متداول ہے، اس لیے عجب نہیں کہ امرافیل، اصلاً اموراقی ہو اور اموراقی حمورابی کا عبری تلفظ ہو۔ ”ال“ کا اضافہ (بمعنی خدا) صرف عبری ناموں کی مناسبت سے کیا گیا ہے جیسے اسرائیل، شماعیل، حزقییل وغیرہ۔ مرافیل اور حمورابی کے اتحاد کی بڑی دلیل دونوں کا تقریباً اتحادِ عصر اور اتحادِ ملک بھی ہے۔ بہرحال اگر یہ قیاس صحیح ہے تو حمورابی اور حضرت ابراہیمؑ کا باہم ایک ہی زمانہ ہوگا۔[3]

حمورابی کے ایک اور کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید یہ دنیا کا سب سے پہلا مقنّن ہو۔ بابل کے ایک منارہ پر اس کے قوانین کندہ ملے ہیں جو توراۃ کے احکام سے بہت مشابہ ہیں[4]۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا[5]۔ اہلِ ضلال کہتے ہیں کہ توراۃ کے احکام ان ہی قوانین سے ماخوذ ہیں۔ اربابِ ہدایت کہہ سکتے ہیں کہ یہ احکام حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کے ہیں جن کو حمورابی نے سُنا اور قبول کیا، فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔

حمورابی کے بعد جو بادشاہ اس خاندان میں ہوئے، وہ باپ کی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے۔

---

[1] History of Babylon & Assur by Rogers Vol I, p. 391،

[2] تکوین: باب ۱۴۔ ۱۱

[3] History of Bablyon & Assur by Rogers Vol I, p. 390.

[4] حمورابی کے یہ قوانین انگریزی میں ایک رسالہ کی صورت میں چھپ گئے ہیں۔

[5] البقرہ: ۲۶

عرب سامیہ یا عاد مصر میں

عراق کی طرح مصر میں بھی اس واقعہ کے تین اجزاء ہیں۔ اہلِ عرب کی روایت، اہلِ مصر کا بیان اور تحقیقاتِ جدیدہ کی تصدیق، بلکہ اس مقدمہ میں ایک چیز اور زیادہ ہے یعنی توراۃ کے اشارات۔

روایتِ عرب علامہ ابن قتیبہ کی شہادت ہے:۔

فمنهم العماليق امم تفرقوا في البلدان ومنهم فراعنة مصر،[1]	ان ہی (قبائلِ عرب) میں سے عمالیق ہیں۔ یہ متعدد قومیں ہیں جو ممالک میں پھیل گئیں۔ انہی میں مصر کے بادشاہ تھے۔

مؤرخ یعقوبی لکھتا ہے[2]:۔

فلما ملكوا النساء طمع فيهم العمالقة ملوك الشام فغزاهم ملك العمالقة وهو يومئذ الوليد بن دومع وطئ البلاد فرضوا ان يملكوه عليهم فاقام دهراً طويلا ثم ملك بعده ملك آخر من العمالقة يقال له الريان بن الوليد وفرعون يوسف	مصریوں نے جب عورتوں کو بادشاہ بنایا تو شام کے بادشاہ جو عمالیق تھے، لالچ میں آگئے اور ان کے بادشاہ نے جس کا نام ولید بن دومع تھا حملہ کر کے ملک کو پامال کیا۔ اہلِ مصر ان کی بادشاہی پر راضی ہو گئے۔ ایک زمانہ تک یہ بادشاہ زندہ رہا پھر عمالیق کا دوسرا بادشاہ ہوا، جس کو لوگ ریان بن ولید کہتے تھے۔ حضرت یوسفؑ کا معاصر فرعون یہی ہے۔

جزئیاتِ بیان اور نام گو صحیح نہ ہوں لیکن اصل واقعہ ثابت ہے۔ اور کیا عجب کہ یہ عربی نام

---

[1] کتاب المعارف: ص ۱۰۔ مصر

[2] تاریخ یعقوبی، جلد اوّل، ص ۲۱۱، لیڈن

اصلی ناموں کے ترجمہ ہوں ۔ اسی قسم کا بیان اور تاریخوں میں بھی ہے ۔ معجم یاقوت میں ہے

وقیل ان فراعنة مصر کانوا من العمالیق وکان منہم فرعون ابراھیمؑ .....وفرعون یوسفؑ..... وفرعون موسیٰؑ۔[1]	کہا گیا ہے کہ مصر کے فرعون عمالیق میں سے تھے۔ ان ہی میں حضرت ابراہیمؑ کا فرعون اور حضرت یوسفؑ کا فرعون اور حضرت موسیٰؑ کا فرعون ہے۔

مؤرّخ طبری کی روایت ہے :

وانه ملك علی مصر اخاه سنان بن علوان وھو اوّل الفراعنة وانه کان ملك مصر حین قدمها ابراھیم خلیل الرحمان.	اس نے مصر پر اپنے بھائی سنان بن علوان کو بادشاہ بنایا۔ یہ مصر کا پہلا فرعون تھا۔ حضرت ابراہیمؑ جب مصر گئے تو یہی فرعون تھا۔

(۲۰۲ - ۱ع - یورپ)

اس معاصرت کی تائید دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔

مؤرّخ ابنِ خلدون کی تحقیق[1] ہے :

ان بعض ملوك القبط استنصر ملك العالقة لعهده .... فجاء معه وملك مصر۔	قبط (قدیم باشندگانِ مصر) کے بعض سلاطین نے اپنے زمانہ کے شاہِ عمالیق سے مدد مانگی۔ وہ آیا اور اس نے مصر پر قبضہ کرلیا۔

اہلِ مصر کا بیان مسیح سے دو ہزار برس پہلے مصر پر ایک اجنبی قوم نے قبضہ کیا۔ اس کا نام اہلِ مصر سوس SOS چرواہے) اور ہیک سوس Hycsos چرواہے بادشاہ) بتلاتے ہیں۔ یہ چرواہے بادشاہ کون تھے ؟ عرب ! جو اکثر شتربانی سے جہاں بانی تک پہنچے ہیں اور اس وقت بھی ان کو یہی

---

[1] تاریخ ابنِ خلدون ، جلد ۲ - مصر ۱۲۰

لقب دیا گیا لیکن کیا کیا جائے کہ چرواہا ہونا نہ صرف عرب کا بلکہ تمام امم سامیہ کا قومی و ملکی پیشہ ہے اور اس کی تحریری شہادت آج سے دو ہزار برس پیشتر کی ہمارے پاس موجود ہے یہاں تک کہ پیشوایانِ امم سامیہ بھی اس سے مستثنٰی نہیں [1]

بہرحال انہی عرب چرواہوں کی نسبت اہلِ مصر کا اعتراف ہے کہ مسیح سے دو ہزار برس پیشتر مصر پر حکمران تھے۔ مصر کا قدیم مؤرّخ اسکندریہ کا مانیتھو ہے جس نے مسیح سے دو سو ساٹھ برس پیشتر یونانی میں مصر کی تاریخ لکھی تھی۔ اصل کتاب تو مفقود ہے لیکن اس کی جستہ جستہ عبارتیں بعد کے یونانی اللسان مصنفین کے یہاں منقول ہیں جن میں سے ایک یہودی مؤرّخ یوسیفوس Josephus بھی ہے۔

یوسیفوس Josephus نے ایک خاص رسالہ ان یونانیوں کی رد میں لکھا ہے جو یہودیوں کی قدامتِ عہد و مجد کے منکر تھے۔ اور اسی سلسلہ میں غیر یہودی مؤرخین کی شہادتیں نقل کی ہیں جن میں سے اسکندریہ کا یہ مانیتھو Manetho بھی ہے۔ مانیتھو Manetho نے ہیک سوس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا یہاں اقتباس نقل کرتے ہیں :

> "ایک ہمارا بادشاہ طیماؤس Timaens نامی تھا۔ اس کے عہد میں یہ ہوا لیکن ہم نہیں جانتے کہ کیونکر ہوا۔ خدا ہم پر خفا تھا۔ ایک عجیب طریقہ سے شریر الخلقت لوگ "اطراف مشرق" سے چلے آئے وہ اس قدر بہادر تھے کہ وہ ہمارے ملک میں گھس گئے۔ نہایت آسانی سے بزور مسخر کرلیا۔ گو ان سے ہماری ایک قسمت آزما جنگ ہوئی لیکن جب انہوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کرلیا جنہوں نے اپنی طاقت سے ہم پر حکومت کی تھی، تو ہمارے شہروں کو جلا دیا۔ ہمارے دیوتاؤں کے ہیکلوں کو برباد کر دیا .... آخر وہ حاکم بن بیٹھے اور اپنا ایک بادشاہ بنایا جس کا نام "سلاطیس" Salatis

---

[1] فلسفۂ یہودیت، یوسیفوس ذکر موسٰی بمدین نیز توراۃ دیکھو۔ حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر نبی نے بکریاں چرائیں اور میں نے بھی چرائی ہیں"۔ سر ولیم میور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بکریاں چرانے سے آپؐ کی ذلت و تحقیر کا پہلو نکالتے ہیں، ان کو یوسیفوس پڑھنا چاہیئے تھا اور اپنی مذہبی کتاب توراۃ میں دیکھنا چاہیئے تھا کہ ابراہیمؑ اسحاقؑ، یعقوبؑ اور موسٰیؑ کا کیا پیشہ تھا ؟

> تھا..... سلاطیس Salatis نے مصر بالا اور زیریں دونوں سے خراج وصول کیا اور مناسب مقامات پر دستے متعین کیے۔ خصوصاً مشرقی حصوں کی حفاظت اہلِ اسیریا کے مقابلہ میں پیش بینی کے لیے بہت کرتے تھے جو اس زمانہ میں قوی ترین قوت تھی.... سلاطیس Salatis نے تیس برس حکومت کی۔ پھر ایک دوسرا بادشاہ ہوا جس کا "بینون" Beon نام تھا۔ اور یہ چوالیس برس زندہ رہا۔ بعد ازیں چھتیس برس سات مہینے کے لیے "ابوفیس" Apophis بادشاہ ہوا اور پھر جینیاس Janias نے پچاس برس اور ایک مہینہ تک حکومت کی۔ اور ان سب کے آخر میں "اسیس" Assis بادشاہ ہوا۔ انچاس برس دو مہینے اس کی بادشاہی کا زمانہ ہے۔
>
> اس تمام قوم کا نام ہائیک سوس Hycsos رکھا گیا تھا، یعنی "چرواہے بادشاہ" کیونکہ ہائیک کے معنی مقدس زبان میں "بادشاہ" کے ہیں اور "سوس" عام زبان میں چرواہے کو کہتے ہیں۔ اور ان دونوں لفظوں سے مل کر ہائیک سوس بنا ہے۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عرب تھے"۔ پانچ سو گیارہ برس یہ مصر پر قابض رہے[1]

ان عرب حملہ آوروں کے نام و لقب کے متعلق ایک بات یہاں قابلِ ذکر ہے۔ عرب کی صحیح روایات میں فاتحِ مصر کا نام "شدّاد" ظاہر کیا گیا ہے۔ مانیتھو Manetho نے "سلاط" لکھا ہے۔[2] حقیقت میں یہ دونوں لفظ معناً ایک ہی ہیں۔ "شدّاد" کے معنی "قوی" اور "جابر" کے ہیں اور "سلاط" بھی سامی زبانوں میں یہی معنی رکھتا ہے جس سے عربی زبان میں "سلطان"، "سلطنۃ" اور "سلطہ" نکلے ہیں۔

"ہیک" Hyc کو اگر ہم "شیخ" کا محرف نہ کہیں جو امیر بدو کا خاص لقب ہے، تو اس کو خاص مصری لفظ تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ مانیتھو نے بتایا ہے۔ لیکن سوس SOS کا لفظ تو خاص عربی ہے سوس کے اصل معنی نگرانی و انتظام کے ہیں۔ اسی مناسبت سے چرواہے کو بھی "سوس" ابتداً

---

[1] *Josephus*, Vol II, p. 398

[2] "ی" اور "س" جو سلاطیس کے آخری اجزاء ہیں مذکر نام کے آخر میں یونانی اور لاطین میں زائد کر دیے جاتے ہیں۔

سے کہتے ہوں گے جس سے منتقل ہو کر گلّہ بانی سے جہاں بانی کے لیے عربی میں یہ لفظ مستعمل ہوا۔ اسی ماخذ سے سیاسۃ کا لفظ اب عام طور سے اس معنی میں بولتے ہیں۔ (سیاسۃ کا اصل مادہ لغت میں بھی سوس ہے) یعنی اوّل یعنی گلّہ بانی و چوبانی کا اثر صرف ایک لفظ میں ہمارے ہاں باقی ہے، یعنی "سئیس" خادمِ اسپ۔ عجب نہیں کہ عبری میں یہیں سے لفظ "صوص" ס7ס = ס گھوڑے کے لیے مستعمل ہوا ہو۔ تیسرے بادشاہ کا نام "ابوفیس" Apophis بھی عربی وضع کا ہے۔ آخری نام "اسیس" Assis وہی نام ہے جس کو ہم "عزیز" کہتے ہیں اور اب تک امرائے مصر کا لقب جانتے ہیں۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کے قصّہ میں "عزیز" ہی کا لفظ ہم پاتے ہیں۔

قرائنِ توراۃ توراۃ میں حضرت ابراہیمؑ کا جب پہلی بار ظہور ہوتا ہے تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ عراق سے مصر تک کی زمینوں میں سفر کرتے ہوئے ملتے ہیں اور اپنی بیوی سارا کو جو رشتہ کی بہن بھی تھیں، اپنی بہن ظاہر کرتے ہیں، اور فرعونِ مصر قرابت کی درخواست کرتا ہے۔ لیکن جب اصل واقعہ ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ خود اپنی بیٹی "ہاجرہ" کو کنیزگی میں پیش کرتا ہے[1]۔ کیا ان واقعات سے نسبی تعلق کا اشارہ نہیں ملتا؟

ڈیڑھ سو برس کے بعد اتفاقاً حضرت یوسفؑ مصر تشریف لے جاتے ہیں اور باوجود اس کے کہ ان کا عبرانی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور اہلِ مصر عبرانیوں کو ذلیل جانتے ہیں اور ان کے ساتھ کھانا عار سمجھتے ہیں[2]۔ فرعونِ مصر یوسفؑ کی عزت کرتا ہے۔ ان کو اپنا نائب السلطنت مقرر کرتا ہے[3]۔ یوسفؑ کے پدر بزرگوار حضرت یعقوبؑ اور ان کے خاندان کے مصر آنے پر فرعون اور ارکانِ سلطنت خوشی کا اظہار کرتے ہیں[4]۔ اور ان کے مرنے سے نہایت رنجیدہ ہوتے ہیں[5]۔ اور سب سے عجیب یہ کہ حضرت یوسفؑ

---

[1] یہ واقعہ کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں، توراۃ میں نہیں مگر یہودی روایات میں موجود ہے اور ان کا مصری ہونا تکوین میں بھی مسلّم ہے۔

[2] توراۃ تکوین؛ باب ۴۳-۳۲

[3] توراۃ تکوین؛ باب ۴۱-۴۰-۴۲

[4] توراۃ تکوین؛ باب ۴۵-۱۶

[5] توراۃ تکوین؛ باب ۵۰-۳-۱۱۔

اپنے خاندان کو تاکید کرتے ہیں کہ فرعون اگر پوچھے کہ تم کون ہو تو یہ جواب دینا کہ ہم چرواہے ہیں اور چوبانی ہمارا آبائی پیشہ ہے[1]۔ پھر خود توراۃ کا یہ عجیب تر بیان کہ "مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے تھے[2]" یقیناً یہ سیاسی نفرت تھی۔ ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چرواہے بادشاہوں کا وجود تاریخی ہے اور حضرت یوسفؑ اور بنی اسرائیل کا قیام انہی عرب سامیہ یا چرواہے بادشاہوں کے عہد میں ہوا جیساکہ مؤرخینِ عرب کا بھی بیان ہے۔ اور یہ بھی اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان عبرانی اور مصر کے خاص شاہی خاندانوں میں ضرور کوئی خاص قومی تعلق تھا جس کا اظہار کنایۃً حضرت یوسفؑ باوجود اس علم کے کہ مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے ہیں چوبانی کے ذریعہ سے کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جیساکہ اوپر گذر چکا اہلِ مصر اس بدوی حکمران خاندان کو تحقیراً "شاشو" یعنی چوپان کہتے تھے۔

چند صدیوں کے بعد بنی اسرائیل کا مصر میں مبتلائے مصائب ہونا ہمارے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب اہلِ مصر یعنی بنو حام نے سابق حکمران خاندان یعنی بنو سام کو مصر سے نکال دیا اور ان کی حکومت کا مصر میں خاتمہ ہوگیا تو بنو اسرائیل جو بنو سام کی ایک شاخ تھی، اور بعہدِ حکومتِ سابقہ مصر میں نہایت طاقتور ہو گئے تھے، ان کو سیاسی وجوہ سے کمزور کردینا چاہا۔ توراۃ میں اس موقع پر حسبِ ذیل عبارت ہے:۔

> "لیکن اسرائیل کی اولاد برومند ہوئی اور بہت بڑھی اور فراواں ہوئی اور بہت زور پیدا کیا۔ اور وہ زمین ان سے معمور ہوئی تب مصر میں ایک نیا بادشاہ جو یوسفؑ کو نہ جانتا تھا پیدا ہوا اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا دیکھو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں۔ ہم ان کے ساتھ دانشمندانہ تدبیر کریں تاکہ ایسا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور جنگ پڑے تو ہمارے دشمنوں سے مل جائیں اور ہم سے لڑیں اور ہم کو نکال دیں[3]۔"

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کا معاملہ بالکل سیاسی تھا۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے۔ فرعون حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی نسبت کہتا ہے:۔

---

[1] توراۃ تکوین: باب ۴۶ - ۳۲ نیز باب ۴۷ - ۳ [2] توراۃ تکوین: باب ۴۶ - ۳۴ [3] سفر خروج: باب اوّل
۷ - ۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۱ ،

اِنْ هٰذٰانِ لَسٰحِرٰانِ یُرِیْدٰانِ	یقیناً یہ دونوں جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ تم
اَنْ یُّخْرِجٰاکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ۔	کو تمہارے ملک سے نکال دیں۔

(طٰہٰ ۔ ۶۳)

توراۃ کے اس فقرہ کا کہ "تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسفؑ کو نہ جانتا تھا"، ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ "تب ایک نئی بادشاہی قائم ہوئی۔ جو بنی اسرائیل سے جو سابق سامی حکومت کی ایک شاخ تھی، نفرت رکھتی تھی۔"

ہمارے خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ نے عربِ سامیہ کی حکومتِ مصر کی جو مدّت قرار دی ہے، یہ تقریباً وہی ہے جو ابراہیمؑ سے لے کر (جو ابتدائے حکومت کا زمانہ ہم فرض کرتے ہیں) حضرت موسیٰؑ سے کچھ پہلے تک (جو اختتام کا زمانہ ہے) توراۃ نے قرار دی ہے، یعنی تقریباً پانچ سو پچیس برس، کیونکہ بنی اسرائیل کی سکونتِ مصر کا زمانہ، جو حضرت یوسفؑ سے حضرت موسیٰؑ تک ممتد ہے، توراۃ نے چار سو تیس برس بتایا ہے۔[1] اس پر حضرت ابراہیمؑ سے حضرت یوسفؑ تک کا زمانہ اور اضافہ کرو۔ یہ چار پشتیں ہیں جن کے لیے سو برس فرض کیا جا سکتا ہے۔ مجموعہ ۵۳۰ ہوتا ہے۔ اور مانیتھو Manetho نے اس حکومت کا زمانہ پانچ سو گیارہ برس بتایا ہے۔ چند سال جو توراۃ میں فاضل ہیں، یہ وہ ہیں کہ دوسری وطنی حکومت مصر میں قائم ہوئی۔ جس کے چند سالہ مظالم سہہ کر بنی اسرائیل مصر سے نکلے۔

بنی اسرائیل اور عربِ سامیہ کے باہمی تعلّق مصر کے نہ صرف توراۃ کے ان فقروں سے ثبوت ملتا ہے بلکہ مصر اور عرب دونوں کی تاریخوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعقوبی کی عبارت ہم نے پہلے بھی نقل کی ہے اور پھر نقل کرتے ہیں:۔

ثم ملك بعده ملك آخر من	اس کے بعد عمالقہ میں سے ایک اور بادشاہ ہوا
العمالقة يقال له الريان بن	جس کا نام ریان بن ولید تھا۔ وہ حضرت یوسفؑ

---

[1] سفرِ خروج باب اوّل ۷ ۔ ۸ ۔ ۹ - ۱۰ - ۱۱

الولید وھو فرعون یوسف……	کا فرعون تھا ، پھر حضرت موسیٰؑ کا فرعون بادشاہ
ثم ملك فرعون موسیٰ وھو الولید	ہوا جس کا نام ولید بن مصعب ہے۔
ابن المصعب[1]،	

لیکن ایک بڑی غلطی ان روایات میں یہ ہے کہ فرعونِ موسیٰؑ کو بھی عمالیق میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے ہی ان کا خروج ہو چکا تھا۔

ادھر تو یہ خلط مبحث ہے، ادھر مانیتھو Manetho کے ہاں تاریخ مصریین دوسرا خلطِ مبحث ہے۔ وہ عربوں کو اور بنی اسرائیل کو گویا ایک ہی سمجھتا ہے اور ظاہر ہے کہ باہر کا آدمی ایک قبیلہ کے باہمی خاندانوں کے فصل و وصل کو کیا جانتا ہے؟ ہندوستان میں تمام یوروپین انگریز ہیں۔ یورپ میں ترک ہر مسلمان کا نام ہے۔ اسپین میں عرب اور مسلمان ایک تھے۔ مانیتھو Manetho کہتا ہے:-

> "مصر کے بادشاہ نے ان چرواہوں کو مفتوح کر لیا اور درحقیقت ان کو مصر کے اطراف سے نکال دیا۔ لیکن وہ اوارس نام ایک زیرہ میں نظر بند کر دیئے گئے جس کی وسعت دس ہزار ایکڑ تھی۔ پھر اس شرط پر کہ وہ مصر چھوڑ دیں گے، رہا کر دیئے گئے اور انہوں نے اپنا راستہ صحرا کی طرف شام کا لیا۔ اور چونکہ وہ اسیریا سے ڈرتے تھے اس لیے اس ملک میں جس کو یہودیہ کہتے ہیں، ایک شہر بنا لیا جس کو یروشلم کہتے ہیں[2]۔"

مانیتھو Manetho نے یہاں متعدّد غلطیاں کی ہیں۔ اولاً دو واقعوں کو باہم ملایا، عرب سامیہ کی جلاوطنی اور بنی اسرائیل کی قید اور دونوں کو ایک ہی خاندان سے متعلق سمجھا۔ ثانیاً یہ کہ بنی اسرائیل عمالیق سے خوف زدہ تھے نہ کہ اسیریا سے۔ سوم یہ کہ بنی اسرائیل نے دریا کا راستہ اختیار کیا تھا نہ کہ صحرا کا۔

توراۃ کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امم سامیہ میں سے عربوں کے تعلقات

---

[1] تاریخ یعقوبی: جلد ۱، صفحہ ۲۱۱، لیڈن

[2] Josepus, Vol IV, p. 339.

[3] تکوین: ۱۲:۱۶

مصر کے ساتھ سب سے زیادہ تھے۔ اسماعیلی عربوں کی ماں "ہاجرہ" مصر کی تھیں[1]۔ خود حضرت اسماعیلؑ کی ماں کے سوا ان کی بیوی بھی مصریہ تھیں[2]۔ عربوں کے قافلے برابر مصر کو آتے جاتے تھے[3]۔ خود حضرت یوسفؑ کو دربارِ مصر تک جس نے پہنچایا[4]، وہ عرب ہی تھے۔ حضرت یوسفؑ کے عہد میں جب مصر اور اس کے آس پاس کے ملکوں میں قحط پڑا، تو یمن سے جو عام روایت کی رُو سے عاد و عمالیق کا وطن تھا، یہاں کی شاہزادی نے مصر سے غلّہ طلب کیا تھا۔ یہ واقعہ اس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کو مسلمان علمائے آثار نے ابتدائی صدی میں یمن میں پایا تھا[5]۔

اس کتبہ سے نہ صرف توراۃ کے اس فقرہ کی تائید ہوتی ہے کہ "تمام زمین میں قحط پڑا"، بلکہ ان عربوں میں جو یمن میں تھے اور ان سامی عربوں میں جو اس وقت چرواہے بادشاہوں کے نام سے مصر میں تھے، باہم تعلقات کا اظہار ہوتا ہے۔

تحقیقاتِ جدیدہ مانیتھو نے جو کچھ لکھا ہے Egyptologists عالمِ مصریات یعنی آثارِ مصریہ کے ماہرین اس پر کچھ اضافہ نہیں کرتے۔ وہ صرف اس کی شرح کرتے ہیں، آثار سے ثابت کرتے ہیں کہ ہیک سوس سامی عرب تھے۔ بعض اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں کہ خود مصری اصلاً شاید سامی عرب ہیں[6]۔

ہائیک سوس کے عرب ہونے کی نسبت سب سے پہلی شہادت ایک مستند جرمن مؤرّخ ہیرن Heron کی پیش کرتے ہیں۔ مؤرخ موصوف لکھتا ہے:۔

> "اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف جہات سے مصر میں یہ قبائل حملہ آور تھے لیکن وہ جو مشرق سے آئے تھے یعنی عرب، سب سے زیادہ زبردست تھے۔ یہ مصر زیریں تک دوڑ پڑے[7]۔"

آگے چل کر لکھتا ہے:

---

[1] تکوین: ۱۲-۱۳ [2] تکوین: ۲۱-۲۱ [3] تکوین: ۳۷-۲۶ [4] تکوین: ۳۷-۲۹ [5] ابن ہشام: اس کتبہ کی اصل عبارت کو ہمدانی نے اکلیل میں نقل کیا ہے۔ حمیری عبارت کا عربی ترجمہ مقدمہ میں گذر چکا ہے۔ [6] تاریخ مصر قدیم: مصنفہ جی رالنسن، جلد ۱، صفحہ ۹۸، [7] تاریخ مصر قدیم: مصنفہ جی رالنسن، جلد ۲، ص ۱۱۲۔

"ان کی لمبی ڈاڑھی، سلے کپڑے ہر چیز ان کے عرب ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔"[1]

جارج رالنسن George Rawlinson جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ قدیم کا پروفیسر تھا اور مصر کی تاریخ قدیم کا مصنّف ہے، لکھتا ہے:-

"مصر جو پانچ سلطنتوں میں بٹ گیا تھا اس کے ضعف نے شمالی مشرق سے باہر کے حملہ آوروں کو طمع دلایا۔ دو سو آٹھ ق م میں یا اس کے کسی قدر بعد ایک طاقت ور دشمن شمال مشرق سے مصر زیریں میں داخل ہو گیا۔ یہ ممفط کی حکومت کے برباد کرنے اور اور ملک کے حصۂ زیریں واقع طول البلد ۳۰،۰۲۹ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ حملہ آور ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھے جو شام یا عرب کے صحرانورد اور بدوی لوگ تھے۔"[2]

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے:-

"مصریوں کے دوسرے دشمن اس جانب میں شاشوش تھے، جو شاید ہیک سوس ہیں اور بظاہر عرب معلوم ہوتے ہیں۔"[3]

ایک جرمن فاضل بروکس ہنرخ Brugsch Heinrick نے مصر کی تاریخ صرف کتبات و آثار کی بناء پر لکھی ہے۔ اس کی کتاب کا ترجمہ انگریزی میں ہو گیا ہے۔ تاریخ مذکور میں فاضل موصوف کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ "ہائیک سوس یقیناً سامی تھے۔ مصر کی قدیم زبان میں ہائیک بادشاہ اور سوس چرواہان اور اہلِ بادیہ کو کہتے ہیں۔[4] اہلِ عرب کی اس روایت کو بھی اس نے تائیداً نقل کیا ہے کہ شدّاد بن عاد نے مصر پر حملہ کیا تھا۔"[5]

برٹش میوزیم لندن میں جو مجموعاتِ مصریہ Egyptian Collections ہیں، ۱۹۰۹ء میں ان کا ایک دلیل نامہ Guide لکھا گیا ہے جو معلوماتِ تازہ کا خلاصہ ہے۔ ہائیک سوس کے متعلق اس میں حسب ذیل تحقیق ہے:[6]

"تیرہویں خاندانِ حکومت کے زوال کے بعد نسبتاً فوراً ہی مصر زیریں Delta اور شمالی اطراف مصر

---

[1] تاریخ مصر قدیم: مصنفہ جی رالنسن، ج ۲، ص ۱۱۸ [2] ایضاً ج ۱، ص ۶۶ [3] ایضاً ص ۱۰۱ [4] ایضاً ص ۲۷۳/۳۴۷

[5] ایضاً ص ۲۶۶ [6] ایضاً ص ۲۲۴۔

پر متحدہ سامی بدوی قبائل نے آہستہ آہستہ قبضہ کر لیا، جن کے سرداروں کا نام بہ روایتِ یوسیفوس (المتوفی سنہ ۱۰۰ء) ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھا۔ لفظ "ہائیک سوس" دو مصری لفظوں سے ماخوذ ہے۔ "ہیکس" اور "شاشو" یعنی "شیخ" یا حاکم قبائل بادیۂ صحرائے مشرق و شام وغیرہ۔"

W. Cooktoy ایک انگریز مؤرخ صاحب جو ایک چھوٹی سی لیکن مستند تاریخ کے مصنّف ہیں، فاتح عربوں کی شجاعانہ قوّت سے برہم ہو کر لکھتے ہیں[1]:

> "زمینِ عرب جہاں کے بادیہ نشین قبائل جو تاریخ کے قدیم ترین عہد سے گلہ بان اور غارت گر ہیں اور اب تک ہمارے زمانہ میں بھی وہ ایسے ہی ہیں، مصر میں داخل ہونے والی قوموں کی ماں تھی جنھوں نے نہایت سختی سے قدیم مصریوں کو ستایا...... ان کا نام ہائیک سوس تھا یا چرواہے بادشاہ۔"

اس عصرِ جدید میں مسلمان مؤرخین میں عمالقہ یا عرب سامیہ اور ہائیک سوس کے ایک ہونے کا خیال سب سے پہلے ایک مصری مسلمان عالم، علامہ رفاعہ بک طہادی کو پیدا ہوا، جن کی ذات مصر کے دورِ انقلابِ علمی کا پہلا نتیجہ اور معلومات مغربی و مشرقی کے پیوند کا پہلا ثمر تھا۔ ان کی تاریخ مصر بنام "انوار توفیق الجلیل" سنہ ۱۲۸۵ھ میں آج سے تقریباً پچاس برس پہلے شائع ہوئی ہے۔ اس میں اس موقع کی عبارت یہ ہے:

ودولتهم تسمى دولة الهقصوص	ان کی سلطنت کا نام ہیک سوس کی سلطنت
واشتهروا بالتواريخ باسم الملوك	ہے۔ یہ بادشاہ چرواہے بادشاہوں کے نام سے
الرعاة وفى كتب التواريخ الاسلامية	مشہور ہیں۔ اسلامی تاریخوں میں ان کا نام
يقال لهم العمالقة[2]	عمالقہ ہے۔

جمہور کی اس آواز متفق میں کہ "ہائیک سوس" سامی عرب تھے، کبھی کبھی ایک دھیمی آواز بھی سنائی دیتی ہے کہ وہ تورانی یا منگولین تھے۔ آج سے اسّی برس پیشتر مسٹر روسی لینی Roselin نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ اس مدّعی کے پاس اس دعویٰ کی صرف یہ دلیل ہے کہ سوائس جو ہیک سوس کا جزء ہے اور ایک تورانی قوم کے یونانی نام سیتینس Scythenus

---

[1] تاریخ مصر قدیم، مصنفہ جی رالنسن، ص ۲۔ [2] انوار توفیق الجلیل فی اخبار مصر، ج ۱، ص ۵۷، مصر سنہ ۱۲۵۸ھ۔

یں بعض حروف کی تمسخر انگیز لفظی مناسبت ہے۔ جرمن عالم ہیرن Heron نے اس کی تردید میں کہا ہے:۔

> "ہائیک سوس جو مصر کے ایک بڑے حصہ پر مصر کے سولھویں اور سترہویں خاندانِ حکومت میں قابض ہو گئے تھے، مسٹر روسی لینی کا اور میرا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بادیہ نشین تھے کیونکہ آثار میں جو ان کی تصویر دکھائی گئی ہے وہ گلّوں اور چوپایوں کے جھنڈ کے ساتھ ہے۔ اس سے سب نے یہ طبعی طور پر سمجھا ہے کہ وہ حدودِ مصر کے بدوی قبائل تھے۔
>
> میں یقین کرتا ہوں کہ ان میں عرب قوم کو میں اپنی مخصوص خصوصیات ڈاڑھی، لمبے کپڑے اور کھلے رنگ میں پاتا ہوں اور جو ایک ایسی رائے ہے جس کی قوت کے ساتھ شہادت (خود ناقلِ روایت) یوسیفوس Josephus نے دی ہے۔ مسٹر روسی لینی ان سیتھنس فرض کرتے ہیں۔ سیتھنس سے مقصود شاید ایشیائے وسطیٰ کے تورانی بدوی قبائل ہیں لیکن ان کے ذکر کردہ بیان سے...... علاوہ ازیں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو یہ دکھا سکے کہ ان قبائل نے اس قدر بعید زمانہ میں کوئی مہم بہ غرض فتح اس قدر بعید فاصلہ کے لیے اختیار کی ہو۔
>
> مسٹر روسی لینی کی دلیل صرف لفظی تشریح پر مبنی ہے جس کی بنا پر ان کو نظر آتا ہے کہ مصری نام سائس Sciss سیتھنس Scythens ہے، جس کے معنی برباد کنندہ کے ہیں۔ میں اس مسئلہ کے اندر پڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن میں اپنے اعتراف و بیان میں بھی توہم نہیں کر سکتا۔[1]

پچاس ساٹھ برس کے عرصہ میں دھیمی آوازیں اور بھی ضعف آ گیا ہے۔ آج سے دس بارہ برس پہلے ایک کتاب لکھی گئی ہے جس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تنہا تورانی نہ تھے بلکہ سامی عرب بھی اس میں شریک تھے۔

> "اس میں معتدبہ حد تک شک ہے کہ ہائیک سوس کس قومیت سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بعض صرف کنعانی، عرب اور دوسرے سامی قبائل سمجھے گئے ہیں لیکن حیتی Hittites ایک تورانی

---

[1] جلد ۲، ص ۴۵۰۔

قبیلہ) بھی ان کے ساتھ شریک معلوم ہوتے ہیں اور ان کے لیڈر تورانی معلوم ہوتے ہیں۔

اس فیصلہ کی بنا پر کہ آخری سلاطین ہیک سوس کے جو دو مجسمے ابھی حال میں ملے ہیں وہ بالکل تورانی شکل کے ہیں[1]"

بعض اشخاص کی مشابہت شکل سے بغیر کسی تاریخی اور اثری دلیل کے قومیت کا فیصلہ عجیب ہے اور اسی لیے یہ آواز ہمیشہ بالکل غیر مسموع رہی ہے۔ تازہ ترین خیال جو برٹش میوزیم ایجپشین گائیڈ (دلیل نامۂ آثار مصریہ) اور انسائیکلوپیڈیا طبع یازدہم مضمون مصر Egypt کو پڑھ کر متفقاً تسلیم شدہ نظر آتا ہے، یہی ہے کہ ہیک سوس "متحدہ سامی" تھے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہیک سوس کے عرب ہونے پر اس قدر پیہم دلائل موجود ہیں جن کا استخفاف تحکم ہے۔ تم ان پر ایک بار اور مجموعاً نظر ڈال لو:

۱۔ عربوں کا بیان کہ انہوں نے زمانۂ قدیم میں مصر پر حکومت کی۔

۲۔ قدیم اہلِ مصر کا اعتراف کہ عرب یہاں حاکمانہ داخل ہوئے۔

۳۔ ہیک سوس بادشاہ اوّل کے نام کا عرب کے ذکر کردہ فاتحِ مصر سے مطابقت معنوی و لفظی۔

۴۔ سلاطین ہیک سوس کے نام کا عربی اللفظ یا سامی المآخذ ہونا۔

۵۔ آثار میں ان کے مجسمہ کا عربی شکل و لباس میں ہونا۔

۶۔ عرب و مصر کے قدیم تعلقات۔

۷۔ ہیک سوس کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان کا بعینہٖ عربوں میں موجود ہونا۔

۸۔ توراۃ کے قرائن و اشارات۔

۹۔ علمائے آثار کی تائید۔

۱۰۔ یوسیفوس وغیرہ کے قدیم بیانات کی بنا پر اکثر یورپین مؤرخین کا ان کے عرب ہونے کی

---

[1] سموال لے انگ: صفحہ ۱۷-۱۹ Samual Laing, *Human Origin*

تصدیق کرنا۔

۱۱۔ ان تمام مباحث و مطارحات کے بعد سب سے آخری، قطعی اور فیصلہ کن شہادت خود اس قوم کی نقل کرتے ہیں جس نے "شاسو" کو اپنے ملک سے نکالا کہ وہ خود "شاسو" کو کیا سمجھتے تھے۔ مصر کا قدیم بادشاہ رعمسیس سوم اپنے ایک کتبہ میں اپنی ایک فتح کی نسبت لکھتا ہے:۔

"میں نے ساعیر کو جو "شاسو" کے قبائل میں ہیں برباد کر دیا۔"

ساعیر سے مقصود اہلِ ساعیر ہیں جو شمالی عرب میں ایک کوہستانی مقام ہے اور جہاں ادومی عربوں نے ایک حکومت قائم کی تھی۔ توراۃ میں کوہِ سعیر کا نہایت کثرت سے ذکر ہے۔

عرب سامیہ

اسیریا، ایران، فنیقیہ، قرطاجنہ، کریٹ اور یونان میں۔

عرب سامیۂ اولیٰ کا ان ممالک میں گذر یا یہاں کسی حکومت کی تاسیس ایک تعجب انگیز واقعہ ہے لیکن غیر معقول نہیں۔ ۱۲۰۰ ق م میں بابل کی جگہ اسی ملک میں اسیریا کی حکومت قائم ہوئی۔ ایران اس وقت تک کوئی مستقل ملک نہ تھا۔ اسیریا اور بابل کا ایک جزء تھا۔ فنیقی (Phoenicians) شام وفلسطین کے سواحل بحر ابیض پر آباد تھے۔ توراۃ میں ان کو آرامی کہا گیا ہے۔ یہ دنیا کی سب سے پہلی تاجر اور ایشیا سے یورپ کا سفر کرنے والی قوم سمجھی جاتی ہے اور یہی قوم ہے جس نے قدیم یورپ میں تہذیب کی روشنی پیدا کی۔ اس نے ایک طرف افریقہ کی زمینِ شور میں کارتھیج تمدن کی تخم ریزی کی اور دوسری طرف یورپ کے برفستان (یونان) میں تہذیب وتمدن کی آگ روشن کی۔

ان مباحث کی نسبت تفصیلاً بحث واثبات تو طولِ کلام ہے، چند مستند کتابوں کے حوالہ سے ضروری نتائج پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

اسیریا | اسیریا کے متعلق سب سے آخری بحث میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سامی قوم[1] تھی اور یہ معلوم ہے کہ وہ خلیج فارس کے سواحلِ عرب سے ٹھیک اسی راستہ سے بابل آئی تھی[2] جس راستہ سے اس سے پہلے عاد یا امم سامیۂ اولیٰ کا ادھر گذر ہوا تھا۔ اس بناء پر حقیقت میں اسیرین نسلاً عرب تھے اور اسیریا کی اثری تاریخوں میں اس کے دلائل ہر جگہ ملیں گے۔

ایران | ایران کی قدیم روایات میں مذکور ہے کہ جمشید کے بعد ضحاک نامی ایک عرب نے

---

[1] سائنٹیفک ریویو امریکہ جلد سنہ ۱۹۱۴ء [2] راجرس امریکانی کی تاریخ بابل جلد ۲ تذکرۂ اسیریا۔

(خاندانِ ضحاک سمجھنا چاہیئے) ہزار برس تک ایران پر حکومت کی[۱]

ہمارے مؤرخین کہتے ہیں کہ ضحاک یمن کے ایک بادشاہ کا نام[۲] تھا لیکن تاریخی اور اثری طور پر اس زمانۂ قدیم میں یمن کا براہِ راست ایران پر حملہ اور حکومت معلوم نہیں۔ اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ یمن سے سواحل خلیج عرب سے، ہو کر اسیریا میں جو عرب خاندان حکمران تھا، وہ ایران پر حملہ آور ہوا اور ایک مدّت تک اس پر حکومت کی۔ ایران کا بابل و اسیریا کی محکومی میں میڈیا کے عروج (۶۰۰ ق م) تک رہنا اب ایک مسلّم واقعہ سمجھا جاتا ہے۔

اسیریا کا دورِ وجود ۱۸۰۰ ق م اور زمانۂ عروج ۱۲۰۰ ق م سے ۶۰۰ ق م تک ہے۔

فینیقیہ فینیقی سواحلِ بحرِ ابیض پر آباد تھے۔ تائرن کے دارالحکومت کا نام تھا اور ایشیا سے لے کر یورپ تک تجارتِ قدیم کے مالک تھے۔ عبرانی نام ان کا آرامی ہے۔ عاد ارم کے ذکر میں معلوم ہو چکا ہے کہ بنو ارم کا مسکن عرب تھا۔ یہ تو اہلِ عرب کا دعویٰ ہے لیکن خود آرامیوں کا بیان ہے کہ وہ اس مقام پر بحرین کے پاس سے آئے ہیں جو عرب کا ایک ساحلی قطعہ ہے اور جس کا پہلا نام تائر تھا۔ آثار کے رُو سے بھی یہ تصدیق ہوتی ہے کہ ان کی زبان، مذہب اور رسوم تمام تر سامی ہیں[۲]۔ اس بناء پر اہلِ فینیشیا کے تمام تر کارنامے اہلِ عرب کی طرف راجع ہوتے ہیں[۳]۔

قرطاجنہ جہاں اب تونس آباد ہے وہ انہی فینیشین یا آرامی عربوں کی آبادی تھی جس کو عام طور سے اب کارتھیج کہتے ہیں۔ ان آرامی عربوں نے یہاں ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد ڈالی جس سے رومۃ الکبریٰ کی حکومت بھی لرز گئی۔ ہنیبال Hannibal وغیرہ اسی خاک کے فرزند تھے۔ رومیوں سے متعدد معرکے ہوئے اور آخر انہی کے ہاتھ سے اسی سنہ میں برباد ہو گئے۔

یونان و کریٹ یورپ کا سب سے پہلا متمدن ملک یونان ہے۔ اور یونان کا تمام تر تمدّن و علوم و خط فینیشیا سے ماخوذ ہے اور یہیں سے اس کی ترقی کا باب شروع ہوتا ہے۔ اس واقعہ

---

[۱] فردوسی، ذکرِ ضحاک تازی [۲] تاریخ طبری، ج ۱، ص ۹۸، مصر [۳] ان بیانات کے لیے دیکھو سموال لے انگ، ص ۷،

سے اس مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے کہ عربی اور یونانی میں کیوں لوازم اور اشیائے تجارت کے بہت سے نام مشترک ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ یہ مسئلہ ہے کہ عربوں کی براہِ راست آبادی یورپ کے شہر یونان و کریٹ میں تھی۔ پلینی ایک یونانی جغرافیہ نویس اہلِ معین واقع یمن کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "معین کے لوگ اپنے کو مینوس شاہ کے خاندان سے بتاتے ہیں۔ ایک دوسرا یونانی مصنّف اسٹرابو جزیرہ یوبیا (مملکتِ یونان کا ایک جزیرہ) کے قدیم باشندوں کی نسبت لکھتا ہے کہ یہاں پہلی آبادی ایک "عرب" نو آبادی تھی جو قیدموس کے ساتھ یونان میں[1] تھی۔

ہم ان فقروں کا ماحصل اتنا سمجھتے ہیں کہ عرب تاجر قدیم زمانہ میں یونان تک پہنچ چکے تھے اور وہاں اپنی کوئی تجارتی نو آبادی بھی قائم کر لی تھی۔

---

[1] پلینی اور اسٹرابو کے لیے دیکھو فارسٹر ج ۲، ص ۷۱۔ ۷۵

عاد اور قرآن

گذشتہ صفحات پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا ہوگا کہ عاد کوئی محدود اور مختصر قبیلہ نہ تھا بلکہ وہ ایک عظیم الشان قوم تھی جو دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی۔ ایشیا اور افریقہ کا اکثر حصہ اس کے زور و قوت کا تماشا گاہ تھا۔ بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں اس کے دستِ صنعت کا نتیجہ تھیں۔ اس بناء پر عرب کے لیے اس قوم سے زیادہ عبرت و بصیرت کا کوئی دوسرا نمونہ نہ تھا۔ اسی لیے قرآن مجید نے عرب کی اس عظیم الشان قوم کی داستان بار بار دہرائی ہے۔

اب تک تاریخِ قدیم اور تحقیقاتِ جدیدہ کے رُو سے اس قوم کے حالات کا جو مرقّع پیش کیا گیا ہے، اب آؤ دیکھیں کہ قرآن کی تصویر کیا اس سے الگ ہے۔

۱۔ معلوم ہو چکا کہ عاد ارم بن سام کی نسل سے تھے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے اس عاد
ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا	ارم کے ساتھ کیا کیا؟ جو بڑی بڑی عمارتوں
فِی الْبِلَادِ ۝	کے بانی تھے جن کی نظیر دنیا میں نہیں پیدا
(الفجر: ۶-۸)	کی گئی۔

بعض داستان گو مفسّرین نے "ارم" سے ایک عجیب الخلقت باغ مراد لیا ہے جس میں سونے چاندی کی اینٹیں تھیں اور لعل و گوہر کی پچّہ کاری تھی۔ عاد کے بادشاہ شدّاد نے اس کو بہشت کے مقابلہ میں بنوایا تھا۔ لیکن یہ دانشمند یہ نہ سمجھے کہ اس حالت میں عاد اور ارم میں باہمی نحوی تعلق کیا ہوگا؟ مشہور قرأۃ میں یہ بدل مبدل منہ ہیں، شاید وہ مضاف و مضاف الیہ کی ترکیب قرار دیتے ہوں لیکن اس حالت میں قرأۃ شاذّہ کے لزوم کے علاوہ قافیہ جس کا

نظمِ قرآن مقتضی ہے، باطل ہوتا ہے۔ ابنِ خلدون نے اس موضوع پر ایک محقق بحث مقدمہ میں لکھی ہے۔ اس موقع پر وہ قابلِ مطالعہ ہے۔

۲۔ ہم نے دعویٰ کیا ہے کہ عاد امم سامیہ کے ہم معنی یا تقریباً ہم معنی ہیں۔ نیز یہ کہ وہ ایک عظیم الشان حکمران قوم تھی۔ قرآن پاک باعلانِ عام اس کی تصدیق کرتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ	عاد کے لوگو، یاد کرو خدا کے اس احسان
بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ،	کو کہ اس نے قوم نوح کی تباہی کے بعد
(الاعراف، ۶۹)	تم کو خلافت (حکومت) عطا کی۔

قومِ نوح کے بعد عرب اور اطرافِ عرب میں معلوم ہے کہ نوح کے بیٹے سام ہی کی نسل (امم سامیہ) نے ترقی کی تھی۔

۳۔ عاد کی عظمت و جلالت اور تفوّق سیاسی کے مفصل بیانات گذر چکے ہیں۔ ان کو دعویٰ تھا کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً[1]، "ہم سے بڑا روئے زمین پر آج کون ہے؟" ان کے پیغمبر نے کہا وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ[2]، "عجب نہیں کہ خدا اپنی خلافت تم سے لے کر کسی دوسری قوم کو عطا کر دے۔"

۴۔ عاد بڑی عمارتوں کے بانی تھے، قرآن مجید نے اس واقعہ پر متعدد مقامات پہ دہرایا ہے اور اسی لیے وہ اس قوم کو "ذات العماد" (ستونوں والے) کا خطاب دیتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ اِرَمَ	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے
ذَاتِ الْعِمَادِ ۙ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ	اس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا جو بڑی بڑی
مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۙ	عمارتوں والے تھے جس کی نظیر دنیا میں
(الفجر، ۶-۸)	نہیں پیدا کی گئی۔

دوسری جگہ حضرت ہودؑ کی زبانی ارشاد ہے:

---

[1] حم السجدہ: ۱۵ [2] ہود: ۵۷)

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۙ	اے عاد والو! تم ہر بلند مقام پر بے فائدہ
وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ	یادگار اور کاریگری کے مکان بناتے ہو۔
تَخْلُدُوْنَ ۝	شاید تم دنیا میں ہمیشہ رہوگے۔

(الشعراء: ۱۲۸ - ۱۲۹)

ان ہی عمارات باقیہ کی طرف خطاب کرکے قرآن کہتا ہے:

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ	اور عاد و ثمود کو ہلاک کیا اور ان کے گھروں
مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ،	کے کچھ حصے تمہارے سامنے ہیں۔

(العنکبوت: ۳۸)

دوسری جگہ کہتا ہے:

فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ	عاد کا یہ حال ہوا کہ ان کے مکانوں کے سوا
(الاحقاف: ۲۵)	اب کچھ نظر نہیں آتا۔

عاد کا مقام عام روایات میں یمن بتایا گیا ہے۔ امم سامیہ کے مسکن کے بیان میں کسی خاص مقام کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔ صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود کیا گیا ہے لیکن قرآن نے ایک موقع پر کہا ہے:

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ	برادرِ عاد کو یاد کرو جب احقاف میں
بِالْاَحْقَافِ .	اس نے اپنی قوم کو ڈرایا۔

(الاحقاف: ۲۱)

"احقاف" صحرائے ریگستان کو کہتے ہیں۔ یہ صحرا جنوبی اور شمالی عرب میں دونوں طرف واقع ہے۔ اس بناء پر پیغمبر عاد کے مقامِ بعثت کو جنوبی صحرا (یمن) کے ساتھ تخصیص کا کوئی سبب نہیں ہے۔

قوموں کی ملکی محرومی اور سیاسی بدبختی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے اخلاق

وصفاتِ عالیہ کا پایہ کس حد تک پست ہوگیا ہے۔ عاد کے سیاسی تفوّق و امتیاز کا دیگر ممالک میں گر جانا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس حد تک گر چکے تھے کہ جہاں پہنچ کر خدا کا غضب قوموں پر بھڑکتا ہے اور ان کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ بابل، اسیریا، فینشیا، قرطاجنہ، یونان، روماں، فارس قدیم سب اسی کلیہ کے جزئیات ہیں۔ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا[1]

ایسے موقع پر خدا کا یہ قانون بھی ہے کہ قوم میں وہ کسی روحانی مصلحِ اعظم یعنی خود پیغمبر یا نائب پیغمبر (علماء و مصلحین) کو پیدا کرتا ہے، جو قوم کو عبرت دلاتا ہے۔ اس کے عیوب و مفاسد کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اس کو صلاح و ہدیٰ کی دعوت دیتا ہے، وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا[2] لیکن تمام قوموں کی پچھلی تاریخ شاہد ہے کہ کبھی بدبختی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ایک جماعتِ قلیل کے سوا عموماً اس کی آواز ہر طبقہ میں مسموع ہوتی ہے — اور جو سنتے ہیں وہ سمجھتے نہیں، اور جو سمجھتے ہیں وہ عامل نہیں اور نتائج صرف عمل پر موقوف ہیں۔ اس وقت خدا کا غضب تلوار میں چمک کر، آسمان سے گرج کر یا زمین سے پھٹ کر ظاہر ہوتا ہے اور دوسری قوم کے لیے پہلی قوم کی جگہ صاف کر دیتا ہے۔

بعثتِ ہود | اب وہ وقت آگیا کہ اس عظیم الشان اور عظیم الجبروت قوم کو جس نے اپنے زور و قوّت سے دنیا کو ہلا دیا تھا، آخری دعوت دی جائے۔ آخر ان ہی میں ہودؑ مبعوث ہوئے جنہوں نے ان کو خدا کی آواز سنائی۔ پیغمبر نے کہا:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ	اے میری قوم! خدا کو پوجو، اس کے سوا
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ	تیرے لیے کوئی دوسرا خدا نہیں، کیا ڈرتی

---

[1] الاحزاب: ۶۲ (ترجمہ) خدا کا قانون گذشتہ قوموں کے لیے بھی یہی تھا۔ اور خدا کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

[2] بنی اسرائیل: ۱۵ (ترجمہ) اور ہم کسی قوم کو اس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتے جب تک کہ ان میں پیغمبر نہ بھیج لیں۔

أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا
مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَّ
إِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ
لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَّلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ
رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي
وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ
أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ
مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ
خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَّزَادَكُمْ
فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۚ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ
اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ
آبَاؤُنَا ۚ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ
مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ
مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي
فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ
مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ
فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝

(الاعراف: ۶۵ - ۷۱)

قوم کا وہ بلند طبقہ جو کافر تھا، بولا اے ہود ہم
تم کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور تم کو جھوٹ
بولنے والوں میں پاتے ہیں۔ ہود نے کہا اے میری
قوم! مجھ میں حماقت نہیں، ہاں میں پروردگار عالم
کی طرف سے رسول ہوں۔ اپنے پروردگار کے پیغام
تم کو پہنچاتا ہوں اور میں درحقیقت تمہارا خالص
خیرخواہ ہوں۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ تمہارے پروردگار کی
طرف سے نصیحت تم میں سے ایک شخص پر اُتری تاکہ تم
کو متنبہ کرے۔ یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ
اس نے تم کو قوم نوح کے بعد خلافت (حکومت دی) اور
تم کو خلق میں وسعت عطا کی، خدا کی نعمتوں کو یاد
کرو کہ فلاح پاؤ۔ کافروں نے جواب دیا کیا تو اس
لیے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم ایک خدا کو پوجیں اور
جن کو ہمارے بزرگ پوجتے تھے ان کو چھوڑ دیں۔ جس
عذاب کا تم دعویٰ کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو لے آؤ۔
پیغمبر نے کہا، تمہارے پروردگار کا عذاب (غضب) تم
پر آ گیا، کیا تم مجھ سے ان ناموں ناموں میں جھگڑتے
ہو جن کو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لیا ہے
خدا نے اس کے لیے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ عذاب
کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ

لیکن عاد نے بلا استحقاق زمین میں غرور کیا اور

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝

(حٰمٓ السجدہ: ۱۵)

کہا کون مجھ سے طاقت میں بڑا ہے، کیا وہ یہ بھی نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو بنایا وہ طاقت میں ان سے زیادہ بڑا ہے اور وہ ہماری نشانیوں کے منکر تھے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ۭ وَمِنْ خَلْفِهٖ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاُبَلِّغُكُمْ بِمَا اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝

(الاحقاف: ۲۲ - ۲۳)

عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو صحرائے ریگستان میں متنبہ کیا خدا کی عبرتناک دھمکیاں اس کے سامنے اور اس کے پیچھے تھیں، اس نے کہا، اس ایک خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجو، میں ڈرتا ہوں کہ تم پر کوئی عذاب نہ آئے، انہوں نے کہا اے ہود تو اس لیے ہمارے پاس آیا کہ ہم کو اپنے دیوتاؤں سے مرتد کر دے جس عذاب کا دعویٰ کرتے ہو اگر سچے ہو تو لے آؤ، اس نے کہا کہ اس کا علم خدا کے پاس ہے کہ عذاب کب آئے گا، جو پیغام لے کر میں بھیجا گیا ہوں وہ صرف تم کو پہنچاتا ہوں، لیکن میں تم کو نادان قوم خیال کرتا ہوں۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ

عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی، ہود کو بھیجا اس نے کہا میرے بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا تمہارے کوئی خدا نہیں، دوسرے خداؤں کا نام تمہارا صرف افترا ہے، بھائیو! اس وعظ و

إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ط أَفَلَا
تَعْقِلُونَ ٥ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا
رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ
السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ
قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا
مُجْرِمِينَ ٥ قَالُوا يٰهُودُ مَا جِئْتَنَا
بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا
عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِينَ ٥ إِنْ نَّقُولُ إِلَّا
اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ط
قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوا
أَنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ٥
مِنْ دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا
ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ ٥ إِنِّي تَوَكَّلْتُ
عَلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ط
مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ
بِنَاصِيَتِهَا ط إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ٥ فَإِنْ
تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّآ أُرْسِلْتُ
بِهِ إِلَيْكُمْ ط وَيَسْتَخْلِفُ
رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ج وَلَا

نصیحت کا کوئی معاوضہ میں تم سے نہیں چاہتا،
میرا معاوضہ اس پر لازم ہے جس نے مجھ کو پیدا
کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟ بھائیو! خدا سے اپنے
گناہوں کی معافی مانگو۔ اس کی طرف رجوع کرو،
تو وہ آسمان کو تم پر برستا ہوا بھیجے گا اور تمہارے
زور و قوت میں ترقی دے گا، گنہگار بن کر منہ
نہ پھیرو۔ اس کے بھائیوں نے کہا ہود! تم ہمارے
پاس کوئی دلیل نہ لائے، صرف تمہارے کہنے
سے تو ہم اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں
ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں، ہم تو
یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض دیوتاؤں نے تم
کو کچھ کر دیا ہے۔ ہود نے کہا میں خدا کو گواہ
ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا، میں، جس کو
تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، خدا کے سوا اس
سے پاک ہوں، تم سب مل کر میرے لیے
سازش کرو پھر مجھے مہلت نہ دو، میں نے
خدا پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا دونوں
کا پروردگار ہے۔ کوئی چلنے والا نہیں جس کی
پیشانی اس کے ہاتھ میں نہیں۔ میرا پروردگار
صحیح راستہ پر ہے۔ اگر تم انکار کرو تو میں پیغام
لے کر بھیجا گیا تھا وہ تم کو پہنچا چکا، خدا تمہارے

تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـئًا ؕ اِنَّ رَبِّیْ
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِيْظٌ ۝

(ھود : ٥٠-٥٧)

سوا کسی اور کو حکومت بخشے گا۔ تم اس کا کچھ
نہیں بگاڑ سکتے۔ میرا پروردگار ہر چیز پر
نگہبان ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ࣙالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ
قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝
اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَا اَسْـَٔلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ
اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَبْنُوْنَ
بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَ
تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝
وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا
الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝
اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ۝
وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّیْۤ اَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْا سَوَآءٌ
عَلَيْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ
الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝
وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰا

عاد نے پیغمبروں کو جھوٹا کہا۔ جب ان سے
ان کے بھائی ہود نے کہا تم پرہیزگار بنو میں تمہارا
پیغمبر امین ہوں، پس خدا سے ڈرو اور میری بات
مانو میں اس کے لیے تم سے کوئی معاوضہ نہیں
مانگتا، میرا معاوضہ پروردگار عالم کو دینا ہے، کیا
تم ہر بلند مقام پر بے فائدہ یادگار نشانی اور
کاریگری کی عمارتیں بناتے ہو؟ شاید تم ہمیشہ رہو
گے، جب کسی کو پکڑتے تو جابر بن کر، خدا سے ڈرو
اور میری بات مانو، اس خدا سے ڈرو جس نے
تمہاری ان نعمتوں سے مدد کی جن کو تم خود اچھی
طرح جانتے ہو۔ چوپائے، اولادیں، باغ اور چشمے،
مجھ کو ڈر ہے کہ تم پر کوئی بڑا عذاب نہ آئے۔
انہوں نے جواب میں کہا، خواہ تم وعظ و نصیحت
کرو یا نہ کرو ہم ماننے والے نہیں، یہ اگلے زمانہ
والوں کی باتیں ہیں اور نہ ہم پر عذاب آئے گا،
ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو برباد
کیا، اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے۔ یہ لوگ

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○	اکثر ایماندار نہ تھے۔

(الشعراء : ۱۲۳ - ۱۳۹)

ان آیاتِ پاک میں عاد کی تباہی کے تین اسباب بتائے گئے ہیں جو ہمیشہ ہر قوم کی تباہی کے باعث ہوئے ہیں۔

۱۔ غرورِ قوّت ۔ عاد کو اپنی قوّتِ بازو پر ناز تھا اور اسی طرح ہر قوم جو مجد و تفوّق پر قابض ہوتی ہے، اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بھی اپنی قوّت پر مغرور رہتی ہے۔

متکبرینِ عاد نے کہا اے ہود ہمیں کس سے ڈراتے ہو

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً، (حٰم السجدہ : ۱۵)	قوت و زور میں ہم سے کون بڑا ہے ؟

حضرت ہودؑ نے کہا تمہاری قوّت مسلّم لیکن اگر صلاح و تقویٰ کی دعوت قبول کروگے ،

یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ،	تو خدا تمہاری قوت کو اور قوت بخشے گا۔

لیکن وہ نہ سمجھے !

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ	کیا وہ نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا
هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً،	وہ ان سے بھی زیادہ قوی ہے۔

(حٰم السجدہ ؛ ۱۵)

ان کو نہ صرف اپنی فوجی و سیاسی قوت پر ناز تھا بلکہ اپنے افراد کی تعداد اور اپنی مواشی کی کثرت اور اپنے باغوں کی بہتات پر بھی ناز تھا جو اس عہد کی سب سے بڑی دولت تھی۔

حضرت ہودؑ نے کہا کہ یہ شکر کی بات ہے نہ کہ استکبار کی :

وَاتَّقُوا الَّذِیْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ○	اور اس خدا کا خیال کرو جس نے تم کو وہ
اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ۙ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ○	چیزیں عنایت کیں جن کو تم جانتے ہو، مواشی،
(الشعراء : ۱۳۲ - ۱۳۴)	اولاد، باغ اور چشمے اور تم کو خلق میں وسعت عطا کی۔

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً	اور تم کو خلق میں وسعت عطا کی،

(الاعراف، ۶۹)

۲- ظلم و جور۔ قوم کی حاکمانہ زندگی کے لیے سب سے زیادہ زہرِ قاتل ظلم اور جور و ستم ہے اور اقوام کی تاریخ اس دعویٰ پر بہترین شاہد ہے۔ عاد اپنے ممالک مقبوضہ میں اکڑتے پھرتے تھے بغیر کسی استحقاق کے قوموں کو چھیڑتے تھے جیسا کہ ہر عہد کے عاد زمین کے ہر قطعہ پر اکڑتے پھرتے ہیں اور معصوم قوموں کو چھیڑ چھیڑ کر فنا کرتے رہے ہیں:

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ	لیکن عاد نے زمین میں بلا استحقاق غرور
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ	کیا اور کہا کہ کون ہم سے زور و قوت میں
مِنَّا قُوَّةً،	بڑا ہے۔

عاد کی اس جباری و ستم گری کا ثبوت مصر کی مفتوح اقوام کی زبان سے بھی ملتا ہے:

"خدا ہم سے ناراض تھا۔ ایک عجیب طریقہ سے اطرافِ مشرق سے شریر الخلقت لوگ چلے آئے۔ وہ اس قدر قوی تھے کہ ہمارے ملک میں گھس گئے اور بزور نہایت آسانی سے اس کو مسخر کر لیا.... جب انہوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کر لیا.... ہمارے شہروں کو جلا دیا، ہمارے دیوتاؤں کے مندر گرا دیئے اور تمام باشندوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا اور نہ صرف یہ بلکہ بعض کو ہتھیاروں سے مار ڈالا اور ان کے بیوی بچوں کو غلام بنایا۔[1]

۳- سب سے آخری چیز جو انتہائے بربادیٔ عالم ہے، خدائے واحد کا انکار اور معبودانِ باطل کی پرستش ہے۔ ہودؑ نے کہا:

يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ	بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا کوئی خدا
إِلَٰهٍ غَيْرُهُ۔ أَفَلَا تَتَّقُونَ ؗ	نہیں۔ کیا پرہیزگار نہیں بنتے؟

(الاعراف، ۶۵)

---

[1] یوسیفوس کی تاریخ بحوالہ سابق

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ	بھائیو! خدا کو پوجو۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝	دوسرے خداؤں کا نام تمہارا افترا ہے۔

(ھود: ۵۰)

جواب وہی ملا جو اکثر ملتا ہے:

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ	اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی حجت نہیں لائے
بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ	صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے دیوتاؤں
لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ،	کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان
	لانے والے ہیں۔

(ھود : ۵۳)

ہودؑ نے اب خدا کا آخری پیغام پہنچایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ	اگر اعراض کیا تو میں تم کو جو پیغام دے کر
بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا	بھیجا گیا تھا پہنچا چکا۔ خدا تمہارے سوا کسی
غَيْرَكُمْ ،	اور کو حکومت دے گا۔

(ھود : ۵۷)

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ،

(الشعراء: ۱۳۵ ، الاحقاف : ۲۱)

آخر وہ دن آگیا جب سنتِ الٰہی نے اپنی زمین کے لیے ایک دوسری قوم کا انتخاب کیا اور اس شریر قوم کو احقاف کے باہر تلوار سے اور احقاف کے اندر ہوا اور ریگ کے طوفان سے برباد کر دیا کہ یہ سب اس کے ہتھیار ہیں۔ اس کا ہاتھ انسانوں کے ہاتھ میں بھی ویسا ہی کام کرتا ہے جس طرح ہوا، پانی اور آگ میں:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ	ہم نے ان پر منحوس دنوں میں بادِ صرصر بھیجی تاکہ ہم
اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ	ان کو عذابِ ذلت کا اسی زندگی میں مزہ چکھائیں

الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى ، (حٰمٓ السجدہ : ۱۶)	اور عذاب اخروی سب سے زیادہ ذلت والا ہے ۔
فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ه تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۔ (الاحقاف : ۲۵)	جب ان کو بادِ صرصر کا عذاب ایک بادل کی صورت میں جس کا رُخ ان وادیوں کی طرف تھا، نظر آیا بولے یہ ہم کو سیراب کرنے والا بادل ہے۔ نہیں بلکہ یہ وہ ہے جس کی لے گنہگارو تم کو جلدی تھی۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے اپنے خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے۔ پھر وہ ایسے نیست و نابود کر دیئے گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔
وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ه سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ه فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ، (الحاقۃ : ۶-۸)	لیکن عاد تو وہ تند بادِ صرصر سے برباد کر دیئے گئے۔ خدا نے جڑ کاٹنے والی سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ان پر اس ہوا کو لگا دیا، تم دیکھتے ہو اس ہوا میں اس قوم کو افتادہ، جیسے وہ کھوکھلے درخت کی جڑ تھے۔ کیا اب ان میں کا کوئی تم کو زندہ نظر آتا ہے ؟
وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ه مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ه (الذٰریٰت : ۴۱-۴۲)	اور عاد میں عبرتیں ہیں۔ جب ہم نے بے فائدہ بخش ہوا کو بھیجا جو ایسی تھی کہ جس شے پر اس کا گذر ہو جاتا اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر چھوڑتی ۔

اور ملکوں میں پانی کا دریا ہے جس میں کبھی کبھی طوفان آتا ہے۔ عرب اور افریقہ میں ریگستان کا دریا ہے۔ کوسوں تک ریگستان ہے۔ احقاف وہ عظیم الشان ریگستان ہے جو سیکڑوں میل تک وسیع ہے اور اب اس کو الربع الخالی کہتے ہیں۔ اس میں جب تیز ہوا چلتی ہے تو زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ ریگ کے پہاڑ کے پہاڑ، ہوا پر اُڑتے پھرتے ہیں اور جہاں وہ تھمتے ہیں اس جگہ کو دبا کر دفن کر دیتے ہیں، قافلہ کا قافلہ، گاؤں کا گاؤں اس کے نیچے دب کر موت سے پہلے مدفون ہو جاتا ہے۔ پھر اتفاق سے جب یہاں سے ریگ ہٹتی ہے تو ہڈیوں کا قلعہ نظر آتا ہے۔ ایک انگریز سیّاح جس نے اس طوفانِ سموم کا عرب میں نمونہ دیکھا ہے، اس کی کیفیت یوں بیان کرتا ہے:

> "دوپہر تھی، جنوب کی طرف سے دفعۃً لُو کے جھونکے آنے لگے۔ ہوا کی تیزی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی..... میرے عرب رفیقوں نے اپنے چہروں کو کپڑے سے لپیٹ لیا اور اونٹوں کو مار مار کر تیز کرنے لگے۔ لیکن اونٹ بار بار بیٹھ جانے کی کوشش کرتے تھے۔ میں نے رفیقوں سے واقعہ دریافت کیا لیکن انہوں نے نہایت گھبراہٹ کے ساتھ صرف یہ کہا کہ سامنے کے خیمے میں اگر پہنچ گئے تو جان بچ جائے گی۔ اس اثناء میں ہوا اور زیادہ تند و تیز ہو گئی۔ گرمی کی یہ شدت ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے دوزخ اُتر آئی ہے۔ بالآخر کوشش کر کے ہم خیمے تک پہنچ گئے۔ وہاں ایک عورت منہ لپیٹے اوندھی پڑی تھی۔ ہمارے اونٹ ہوا کے رُخ سے منہ پھیر کر ناک کو ریت میں گاڑ کر مردے کی طرح پڑ گئے۔
>
> ہم بھی خیمہ میں جا کر مُنہ لپیٹ کر اوندھے پڑ گئے۔ تاریکی اتنی شدید تھی کہ رات معلوم ہوتی تھی۔ دس منٹ تک تقریباً یہی حالت رہی۔ پھر ہوا اور گرمی میں تخفیف ہوئی۔ جب ہم اٹھے تو ہمارے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔"[1]

تنبیہات حضرت ہودؑ کو عام طور سے "عابر" سمجھا جاتا ہے جو از روئے توراۃ تمام عبرانیوں کا باپ تھا۔ بظاہر ہم اس اتحاد کی کوئی وجہ نہیں سمجھ سکتے۔ گو نصرانی مصنفین جو آبائے توراۃ کا تاریخی ثبوت ڈھونڈتے ہیں اور ایک ایک ذرّے کو جو ان کے موافق ہو، پہاڑ ماننے کو تیار رہتے

---

[1] سیاحت نامۂ عرب پالگریو۔

ہیں لیکن اپنی مخالفت میں پہاڑ کو ذرہ ماننے پر بھی آمادہ نہیں، بدل وجان اس اتحاد کے موید ہیں۔

عدن کے پاس عاد ثانیہ کا ایک کتبہ ملا ہے اس میں ہودؑ کا نام بھی مذکور ہے۔

عام طور سے مشہور ہے کہ حضر موت کے دامنِ کوہ میں حضرت ہودؑ کی قبر شریف ہے اور اب تک لوگ اس کی زیارت کو آتے جاتے رہتے ہیں۔

قوم عاد کی نسبت عام طور سے نہایت لغو باتیں مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان کا قد کئی کئی گز کا ہوتا تھا، یہ شبہہ اس لیے ہوا کہ قرآن نے ان کو ذَاتِ الْعِمَادِ (ستونوں والے) کہا ہے۔ اس سے وہ سمجھے کہ ان کا قد ستونوں کی طرح تھا۔ حالانکہ "ستونوں والے" سے مقصود "عمارتوں والے" ہے۔

دوسری جگہ قرآن میں ان کی نسبت ہے:

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ،	خدا نے تم کو خلق میں زیادتی بخشی ہے ،

(الاعراف : ٦٩)

بَصْطَةً سے مقصود زور و قوت ہے یعنی خدا نے تمہارے بدن میں زور و قوت بخشی ہے۔

یہی محاورہ دوسری جگہ حضرت طالوتؑ کی نسبت مستعمل ہوا ہے وَزَادَهٗ بَصْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ[1]۔ اس سے یہ معنی کون سمجھ سکتا ہے کہ طالوتؑ بڑے قد آور تھے بلکہ یہ مقصود ہے کہ صاحب قوت تھے۔

یہ بھی عام طور پر مشہور ہے کہ عذاب کے بعد قوم عاد میں پھر کوئی زندہ نہ بچا۔ یہ غلط خیال قرآن کی ان آیتوں سے سمجھا گیا ہے:

فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰىٓ اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ (الاحقاف، ٢٥)	وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔
فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (الحاقۃ : ٧-٨)	اس ہوا میں یہ قوم اس طرح افتادہ تھی جیسے کھوکھلے درخت کی جڑ ہو۔ کیا ان میں سے اب کوئی زندہ نظر آتا ہے۔

---

[1] البقرہ : ۲۴۷ ، (ترجمہ) خدا نے اس کو بدن میں اور علم میں زیادتی بخشی ہے۔

لیکن یہ تو زمانۂ نزولِ قرآن کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس سے دو ہزار برس پہلے کا حال کیا تھا، خود قرآن کہتا ہے :

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا	ہم نے ہودؑ کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، اپنی رحمت
وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ،	سے نجات دی۔ اور جنہوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب
(الاعراف : ۷۲)	کی ان کی جڑ کاٹ دی۔
وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ	اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے ہودؑ کو اور جو لوگ اس
اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ	کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات دی اور
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝	ہاں ہم نے ان کو بڑے عذاب سے نجات دی۔
(هود : ۵۸)	

اور تیسری جگہ قرآن نے تفصیل کر دی ہے اور ان ہلاک ہونے والوں کو عادِ اولیٰ کہا ہے :

وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَ اِۨ الْاُوْلٰى ،	اور اس خدا نے عادِ اولیٰ کو ہلاک کر دیا۔
(النجم : ۵۱)	

اس آیت سے خود بخود یہ سمجھنا چاہیئے کہ نجات پانے والوں کا عادِ ثانیہ نام ہے، ابنِ ہشام کلبی نے عادِ اولیٰ و عادِ ثانیہ کے حال میں ایک کتاب لکھی تھی[1] لیکن اب کہاں ملتی ہے۔

---

[1] ابنِ ندیم : ص ۹۸ ،

اندرونِ عرب

یہ ان قبائل کی سرگذشت تھی جو ملک سے باہر جاکر آباد ہوئے۔ خود اندرونِ ملک میں بھی بہت سی قومیں رہ گئی تھیں جن میں ثمود سب سے زیادہ مشہور ہیں اور جن کی ترقی کا زمانہ عادِ اولیٰ کے بعد ہے، امم سامیہ کا جو حصہ باہر سے شکست کھاکر پھر عرب واپس آیا[1] اس نے ڈیڑھ سو برس یہاں بھی اپنے عروج کو قائم رکھا۔ اس کی صحیح مثال مسلمانوں کی ہے۔ فتنۂ تاتار کے بعد بھی کئی سو برس تک وہ جیتے رہے لیکن ان کی روح اسی دن مرچکی تھی۔

بہرحال خواہ باہر سے منہزمانہ واپس آکر یا خود عرب میں رہ کر جن قبائل نے اندرونِ ملک میں حکومتیں قائم کیں وہ یہ ہیں:

حضرموت سے سواحل خلیج فارس کے طول میں عراق تک عادِ ثانیہ، عرب میں حجاز سے حدودِ سینا تک ثمود، یمامہ میں طسم و جدیس، یمن میں اہلِ معین۔

۱۔ عادِ ثانیہ یا عادِ عرب

اس سے یہ معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت ہودؑ نے مع اپنے متّبعین و صالحین عاد کے عذاب سے نجات پائی۔ روایاتِ عرب میں ہے کہ وہ عذاب سے پہلے عاد کی آبادی سے نکل کر حجاز چلے گئے تھے۔ بہرحال ان میں لقمان نام ایک نیک بادشاہ ہوا۔ اس کی عمر کئی سو برس کی بیان کی گئی ہے اور یہ کچھ عجب نہیں۔ تمام قدیم قوموں کی ابتدائی تاریخ اسی قسم کے طویل العمر بادشاہوں سے شروع ہوتی ہے۔ عام طور سے اب اس قسم کی روایات کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ اس شخص کے خاندان میں حکومت کئی سو برس تک رہی اور مجازاً بجائے خاندان کے خود اس کا شخصی نام

---

[1] ابنِ خلدون جلد ۲، ص ۱۸، یقال انہم انتقلوا الی جزیرۃ العرب لما زاحمہم فیہا بنو حام،

خاندان قرار دیا گیا۔ اس بناء پر لقمان کی عمر سے خاندان کی عمر مراد لینی چاہیئے۔

حضرت لقمانؑ یہ لقمان کون تھا؟ روایاتِ عرب میں ایک شخص لقمان مشہور ہے جس کو لوگ اب عموماً حکیم لقمان کہتے ہیں۔ اس کی طرف حکایات و تمثیلاتِ حکیمانہ کثرت سے منسوب ہیں۔ قرآن میں بھی لقمان کا تذکرہ ہے اور اس کے بعض نصائح کا حوالہ ہے۔ ہم ان دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اور اس کی ہمارے پاس ایک قدیم شہادت بھی موجود ہے۔ مشہور مؤرخ ابن اسحاق (المتوفی ۱۵۱ھ) جس کی سیرت آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں قدیم ترین تصنیف ہے اور جو تصنیفات موجودہ کی بناء پر عربِ قدیم کا سب سے پہلا مؤرخ ہے، کتاب التیجان میں جو مخصوص عربِ قدیم کی تاریخ ہے، روایت کرتا ہے:

قال وهب فلما مات شداد بن عاد	وہب (ایک مشہور راوی) نے کہا کہ شداد بن عاد
صار الملك الى اخيه لقمان بن عاد	جب مر گیا تو حکومت اس کے بھائی لقمان بن عاد
وكان اعطى الله لقمان مالم يعط	کو ملی۔ خدا نے لقمان کو وہ کچھ دے رکھا تھا جو
غيره من الناس فى زمانه اعطاه	کسی دوسرے کو اس زمانہ میں نہیں دیا تھا۔ اس
حاسة مائة رجل وكان طويلاً	کو حواس سو آدمیوں کے برابر خدا نے دیئے تھے
لايقارب اهل زمانه، قال ابن	اور اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ وہ بلند
وهب قال ابن عباس كان لقمان	قامت تھا۔ ابن وہب نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ
بن عاد بن الملطاط بن السلك	نے فرمایا کہ لقمان بن عاد، بن ملطاط ابن سلک
بن وائل بن حمير نبياً غير	بن وائل بن حمیر؟ (نسب نامہ صحیح نہیں)، نبی
مرسل[1]	بلا کتاب تھا۔

عام لوگ غلطی سے لقمان عاد اور لقمان حکیم کو دو سمجھتے ہیں۔ عرب کے افسانہ گو کہتے ہیں کہ لقمان حکیم افریقی الاصل تھا اور ایک غلام کی حیثیت سے عرب میں آیا تھا۔ بعض علماء یورپ

---

[1] کتاب التیجان قلمی موجودہ کتب خانہ بانکی پور، ص ۴۷۔

حکیم لقمان اور ایساپ نام ایک یونانی حکیم کو ایک قرار دیتے ہیں۔ اس اتحاد کی جو دلیل وہ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جو حکایات و تمثیلات منسوب ہیں، وہ تقریباً ایک ہی قسم کی ہیں۔ لیکن یہ ایک تعجب انگیز استدلال ہے۔ کسی دو تصنیف کے مطالب کا اتحاد، ان کے مصنفین کے اتحادِ شخصیت کو اگر مستلزم ہے تو افسوس ہے کہ اس جرم میں ہم کو سینکڑوں تاریخی اشخاص کے مٹ جانے کا افسوس ہوگا۔ اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ قدیم عرب حکمائے یونان سے کب واقف تھے؟ عرب کا ایک شاعر جاہلی سلمیٰ بن ربیعہ کہتا ہے،

اھلکن طسماً وبعدہ غذی بہم وذاجدون
حوادثِ زمانہ نے قبیلہ طسم کو اور اس کے بعد ذاجدون

واھل جاش ومارب "وحی لقمان" والتقون
شاہین کو اور اہل جاش ومارب کو، اور قبیلہ لقمان کو مٹا دیا۔

اس دوسرے شعر سے نہ صرف لقمان کا عرب ہونا ظاہر ہوتا ہے بلکہ ایک قبیلہ کا مالک، یمن کا باشندہ اور عظمت و شوکت میں "سبا" کا مقابل ہے اور یہ تمام باتیں لقمانِ عاد پر صادق آتی ہیں۔

عرب میں لقمان نہایت مشہور تھا۔ اس کا صحیفۂ حکمت خود عرب میں موجود تھا اور لوگ اس کو پڑھتے تھے[1]

عاد کا ایک کتبہ جو ۱۸۳۴ء میں ملا تھا اس میں چند حسبِ ذیل فقرے ہیں:

"ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے اور ہود کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوتے تھے۔ اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔"

کیا ہم ان آخری الفاظ سے جو کاغذ پر نہیں پتھر پر لکھے پائے گئے ہیں، یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں کہ صحیفۂ لقمان لقمان کے "اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے ہونے" تھے۔

اس نیک دل بادشاہ کا جو ہودؑ کی شریعت کا متبع تھا، قرآن نے بھی ذکر کیا ہے اور اس

---

[1] ابن ہشام ذکر سوید و بیعت عقبہ

کی نیکی اور دانائی کی شہادت دی ہے:

لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ
وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ
كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ
قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ
لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ
بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا
عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ
عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ
اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ
عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا
وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا
مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ
اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ
حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ
فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي
السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ

بیشک ہم نے لقمان کو دانائی دی کہ خدا کا شکر کرو اور جو خدا کا شکر ادا کرتا ہے اس کا نفع خود اسی کو ملتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو خدا بے پروا اور حمد کیا گیا ہے۔ یاد کرو! جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ فرزندِ من! خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ شرک بڑے ظلم کی بات ہے۔ (خدا کہتا ہے کہ) ہم نے انسان کو حکم دیا ہے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے، اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری اٹھاکر، اور دو برس کے اندر اس کا دودھ چھوٹتا ہے۔ اے انسان میرا اور ماں باپ کا شکرگذار ہو۔ بازگشت میری طرف ہے۔ اگر والدین تجھ کو میرے شرک پر مجبور کریں تو ان کا کہنا نہ ماننا لیکن دنیا میں نیکی کے ساتھ ان کے ساتھ رہنا۔ اور ان لوگوں کا پیرو بن جو میری طرف رجوع کرتے ہیں، پھر میری طرف تمہاری بازگشت ہے، تو تم کو بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔ فرزندِ من! اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز ہوگی اور وہ کسی چٹان کے اندر یا آسمان میں یا زمین میں ہوگی تو وہ بھی خدا

بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝
يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ
عَلٰى مَا اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا
تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ
فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝
وَاقْصِدْ فِیْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ
صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ
الْحَمِيْرِ ۝ (لقمان : ١٢ - ١٩)

حاضر کر دے گا۔ خدا بے شبہہ باریک بین اور
خبر رکھنے والا ہے۔ فرزندِ من : نماز پابندی
سے پڑھا کر اور نیک بات کی لوگوں کو ہدایت
کر اور بُری بات سے روکا کر اور جو تجھ پر مصیبت
آئے اس پر صبر کیا کر۔ یہ بڑی باتیں ہیں مغرور
سے منہ لوگوں سے نہ پھیرا کر اور نہ زمین میں
اترا کر چل۔ یاد رکھ کہ خدا مغرور اور فخار کو پیار
نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار
کر۔ اپنی آواز کچھ نرم کر کہ بدترین آواز گدھوں
کی آواز ہے (جو زور سے چیختے ہیں)

عادثانیہ کی تاریخ اثری عادثانیہ کے متعلق کوئی مزید تاریخی یا اثری حال معلوم نہیں۔ اب تک اس قوم کا صرف ایک کتبہ حصن غراب (واقع قریب عدن) کے کھنڈروں میں ۱۸۳۴ء میں ملا ہے۔ اس کی دو سطریں ہم نے اوپر نقل کی ہیں۔ یہ کتبہ ایک منہدم عمارت میں پتھر پر کندہ تھا۔ ایک انگریز افسر جس کا نام ولسٹڈ Wellested ہے، ان کتبوں کا منکشف ہے۔ اور یہ سب سے پہلا عربی کتبہ ہے جو یورپ نے عرب کی سرزمین میں دریافت کیا۔ اس کتبہ کی زبان اور خطبہ جنوبی عربی ہے۔ جس کو متاخرین غلطی سے حمیری کہتے ہیں اور اب اسی نام سے مشہور ہے۔ کتبہ کی اصل حمیری عبارت الگ صفحہ پر ہے، اس کا اردو ترجمہ بہ ترتیبِ سطر یہ ہے[1] :

۱۔ ہم مدت تک اس وسیع قصر میں رہے۔ ہماری حالت بدنصیبی اور ادبار سے دور تھی۔

۲۔ ہماری نہروں میں دریا کا پانی امنڈ آتا تھا۔ سمندر موجیں مارتا ہوا ہمارے قلعہ کی دیواروں

---

[1] اصل کتبہ اور اس کا حل و ترجمہ اولاً ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں چھپا تھا لیکن ہم نے فارسٹر سے نقل کیا ہے۔

سے غضبناک ہو کر ٹکریں مارتا تھا۔ ہمارے چشمے خوش آئند آواز سے بہتے تھے۔

۳۔ بلند کھجوروں کے اوپر جن کے باغبان خشک چھوہارے ہماری وادیوں کے چھوہاروں کی زمینوں میں لگاتے تھے اور خشک چاول بوتے تھے۔

۴۔ ہم پہاڑی بکروں کا اور جوان خرگوشوں کا شکار پنجروں اور جالوں سے کرتے تھے اور مچھلیوں کو۔

۵۔ بہلا بہلا کر باہر نکال لیتے تھے اور ہم آہستہ آہستہ خراماں رنگ برنگ کے ریشم کے کپڑے اور کاہی سبز مختلف الالوان جامہ پہن کر چلا کرتے تھے اور ہم پردہ بادشاہ حکومت کرتے تھے جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے، ہود کی شریعت کے مطابق۔

۶۔ اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے۔ قیامت کے راز اور نتھنوں کے راز پر ایمان تھا۔

۷۔ رہزن (دشمن) گھس آئے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ جھگڑا کرتے مگر ہم نے گھوڑوں کو پویہ ڈال دیا اور ہمارے کریم نوجوان سخت اور نوکدار نیزوں کو لے کر آگے بڑھے۔

۸۔ ہمارے خاندان کے مغرور بہادر مرد اور عورتیں گھوڑوں پر لڑ رہی تھیں جن کی گردنیں لمبی اور جو چمکدار کمیت رنگ کے تھے۔

۹۔ ہماری تلواریں بدستور دشمنوں کو زخمی کر رہی تھیں اور چھید رہی تھیں یہاں تک کہ ان کے قلب پر حملہ کر کے ان کو مفتوح اور بالکل پست کر دیا، جو بدترین نوع انسان میں تھے۔"

مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے کہ یہی کتبہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بھی بعض مسلمان علمائے آثار نے پڑھا تھا اور اس وقت ان کا ترجمہ یہ کیا گیا تھا:

عنینا زمانا فی عراصة ذا القصر　　بعیش رخی غیر ذی ضنك ولا نزر
يفيض علينا البحر بالمد زاخراً　　وانهارها بالماء مترعة تجری

خلال تخیل باسقاتٍ...... ...... بالقسب المجزع والتمر؟
ونصطاد صید البحر بالخیل والقنا وطورا نصید النون من لحج البحر
ونرفل فی الخز المرقم تارۃ وفی القز احیانا وفی الحلل الخضر
یلینا ملوک یبعدون عن الخنا شدید علی اھل الخیانۃ والغدر
یقیم لنا من دین ھود شرائعاً ونومن بالاٰیات والبعث والنشر
اذا ما عدوٌّ حلّ ارضاً یریدنا برزنا جمیعاً بالمثقّفۃ السُمر
نحامی علی اولادنا ونسائنا علی الشھب والکمت المعتق والشقر
نقارع من یبغی علینا ویعتری باسیافنا حتی یولون بالدبر

اس کتبہ سے نہ صرف عاد ثانیہ کے بعض حالات پر روشنی پڑتی ہے متعدد حیثیات سے یہ قرآن کی تائید کرتا ہے۔ اوّل یہ کہ ہود کی تاریخی شخصیت ثابت ہے۔ ثانیاً یہ کہ بقایائے عاد صرف متبعین ہود تھے۔ ثالثاً یہ کہ عاد ذات العماد اور عمارتوں کے بانی تھے۔ رابعاً یہ کہ وہ حقیقۃً جیساکہ قرآن نے کہا ہے، بڑے بڑے باغوں، چشموں، آل و اولاد اور چوپایوں کے مالک تھے۔

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝
(الشعراء : ۱۳۳- ۱۳۴)

خدا نے تمہاری مواشی، اولاد، باغ اور چشموں سے مدد کی۔

یونانی تاریخ وجغرافیہ میں عاد ثانیہ کا نام مدین کے شمالی ومشرقی جانب نظر آتا ہے۔ ان کا نام یونانی تلفظ میں عادائیٹ Oditai لیا گیا ہے[1]۔ مسلمان بھی عاد کے اس مسکن سے واقف[2] تھے۔ لیکن عربوں کے عام روایت کے مطابق یمن میں اس کی سکونت بھی یونانی جغرافیہ سے ثابت ہے۔ بطلیموس جنوبی عرب کے قبائل میں عاد ریمیٹا Adramitai

---

[1] Burton's *Gold Mines of Midian*

[2] یاقوت ”وادی القریٰ“

اور عادائٹ Adite کا ذکر کرتا ہے[1]، ہم پہلے نام کو عادارم اور دوسرے کو عاد سمجھتے ہیں، بطلیموس دوسری صدی عیسوی میں تھا، اس بنا پہ عاد کا وجود اس زمانہ تک مسلّم ہے۔

عدن یمن وحضرموت کے حدود پر عدن نام ایک مشہور شہر واقع ہے اور اب تک اسی نام سے مشہور ہے اور آج کل انگریزی مقبوضات میں داخل ہے۔ لفظ عدن کی حقیقت پہ تھوڑی دیر غور کرلینا چاہیئے۔

عہدِ قدیم میں عموماً سامی مذاق یہ رہا ہے کہ شہر کا نام بعینہ بانیٔ شہر کے نام پر رکھتے تھے۔ عرب کے شہر رقیم، سبا، حضرموت، عمان، مدین، اوفر، حویلہ، تیماء وغیرہ کے اسی قسم کے نام ہیں۔ اس بنا پہ اگر یمن کے قدیم شہر عدن کو، جس کے قریب وہ تمام عمارات واقع ہیں جن کو عرب عادیات کہتے ہیں اور تاریخ جس کے قریب عاد کی آبادی کا نشان بتاتی ہے، اگر ہم "عادین" کا مخفف سمجھیں تو کیوں غلط ہوگا؟ عادین کی جمعیت پہ اعتراض نہ کرو کہ قبیلہ کے نام کے پہلے بنو (فرزندان) کا اضافہ کرنا شمالی عرب کی زبان ہے۔ عموماً قدیم طریقہ یہی ہے کہ پدر قبیلہ کے نام کی جمعیت سے قبیلہ کا نام پیدا کر لیتے ہیں مثلاً لودیم، مصرایم، جراہیم وغیرہ۔ عربی میں جمع مکسر میں اب تک یہ قاعدہ جاری ہے مثلاً منذر سے مناذرہ، غسان سے غساسنہ، ارقم سے اراقمہ۔ فارسٹر عدن کو عدنان سے نسبت دیتا ہے حالانکہ عدنان کو یمن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا مسکن تو عرب کا شمالی حصہ تھا[2]۔

نیوبھر Niebuhr اٹھارہویں صدی کا ایک یورپین سیّاح عدن کو ذبیم (کے دوان[3] کے ساتھ تطبیق دیتا ہے لیکن شاید نیوبھر کو حزقیال کے اس درس کی خبر نہیں جس میں عدن اور اوان ایک ساتھ واقع ہیں[4]۔

یمن وحضرموت کے احقاف میں جس کو جوف بھی کہتے ہیں، بالوے اور گلاند دو

---

[1] Bevan's Ancient Geography

[2] *Forster's Historical Geography of Arabia* Vol II p. 374.

[3] یسعیاہ ۲۱ - ۱۳ [4] حزقیال: ۲۷ - ۲۰ - ۲۳

ماہرِ اثریات نے سینکڑوں کتبات پائے ہیں لیکن جس مقام پہ پائے گئے ہیں اس کا نام شہر معین معلوم ہوا ہے۔ اس لیے ان کتبات کو معینی کتبات کی اثری تاریخ کو اہلِ معین نام ایک مجہول الاصل قوم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ موقع اور مقام وہی ہے جہاں عرب عادِ ثانیہ کی آبادی بیان کرتے ہیں اور کتبات کی تاریخ بھی حسب رائے علمائے جرمن سولہ سترہ سو ق م تک پہنچتی ہے[1]، اس لیے بہتر ہوتا کہ معین کے باشندوں کی قومیت "عادِ ثانیہ" قرار دی جاتی لیکن اب اہلِ معین کی اصطلاح پھیل چکی ہے تو اتباع لازم ہے۔

۲۔ ثمود

عاد کے بعد شہرت اور سیاسی جانشینی ثمود کو حاصل ہوئی۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ	ثمود یاد کرو کہ خدا نے تم کو عاد کے بعد
بَعْدِ عَادٍ۔ (الاعراف۔ ۷۴)	جانشین بنایا۔

"ثمود" کی لفظی تحقیق شاید عربی میں صحیح نہ مل سکے۔ ثمد عربی میں آبِ قلیل کو کہتے ہیں، لیکن اس سے کوئی خاص مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ عبری میں ایک لفظ "تاہید" ہے جس کے معنی دائم اور خالد کے ہیں۔ عربی کی "ث" اور عبری کی "ت" ایک چیز ہے۔ عبری میں ث نہیں ہے۔ اس لیے اکثر وہ الفاظ جو عربی میں "ث" سے ہیں عبری میں "ت" سے ہیں۔ اس بناء پر ثمود کے معنی عام سامی زبان میں وہی ہوں گے جو عربی میں خالد کے معنی ہیں اور بہت سے قبائلِ عرب کے نام ہیں۔

اس سے پہلے عاد کے حالات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ وہ عرب جنوبی و مشرقی کے جو سواحلِ خلیج فارس کے ساتھ ساتھ حدودِ عراق تک وسیع ہے، مالک تھے۔ ثمود اس کے مقابل عرب مغربی و شمالی پر قابض تھے جس کا نام اس زمانہ میں وادی القریٰ تھا، وادی القریٰ

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "عرب"

اس لیے کہتے تھے کہ اس عہد قدیم میں یہ وادی چھوٹی چھوٹی آبادیوں سے جا بجا آباد تھی۔ ان آبادیوں کے سنگی کھنڈر اور آثار جغرافیینِ اسلام نے دیکھے تھے[1] اور اب بھی باقی ہیں۔ قرآن نے سورۂ فجر میں وادی سے اسی وادی القریٰ کو مراد لیا ہے۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (الفجر: ۹)	اور ثمود جو وادی (قریٰ) میں پتھر تراشا کرتے تھے (بغرضِ تعمیر)

ثمود کے ملک کا دارالحکومت حجر تھا۔ یہ شہر اس قدیم راستہ پر واقع ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔ اسی راستہ پر ثمود کا ایک دوسرا مقام "فج الناقہ" ہے جس کو یونانیوں نے بہ تلفظ Badncitu. لکھا ہے لیکن اصلی شہر حجر ہی تھا۔ اب عموماً اس شہر کو مداین صالح کہتے ہیں۔

قومِ ثمود کے سیاسی حالات بالکل نہیں معلوم۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی۔ فنِ تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کی عمارات و مقابر تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ ان پر ارامی و ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں لیکن ان میں سے اکثر ارامی کتبات نبطی اقوام کے ہیں[2]۔ جنہوں نے مسیح کے قبل و بعد اسی مقام پر حکومت کی ہے۔

قرآن مجید نے ان کی عظمتِ تعمیر کا متعدد آیات میں ذکر کیا ہے:

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ، (الفجر ۹)	اور ثمود جو وادی میں (بغرضِ تعمیر) پتھر تراشا کرتے تھے۔
وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا۔ (الاعراف: ۷۴)	اور صالحؑ نے کہا اے لوگو! خدا نے تم کو زمین میں جگہ دی جس کے میدانوں میں تم قصر و محل اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بناتے ہو۔

---

[1] دیکھو معجم یاقوت لفظ وادی القریٰ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۱، ص ۶۳۶

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝	اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔

(الشعراء: ۱۴۹)

یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس قوم کا زمانہ ترقی عاد سے متاخر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس قوم کا نام اسیریا اور یونان میں نہایت صراحت کے ساتھ ملتا ہے۔ قرآن کی حسب ذیل آیت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ ،	یاد کرو جب خدا نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا (یا حکومت عطا کی)
(الاعراف: ۷۴)	

اور اس ترقی کی انتہا حضرت موسیٰؑ سے پہلے ہو جاتی ہے کیونکہ شمالی عرب کے تمام بڑے بڑے سیاسی تعلقات کی بناء پر توراۃ میں مذکور ہیں۔ لیکن اس فہرست میں ثمود کا نام نظر نہیں آتا۔ قرآن سے بھی یہی اشارہ مفہوم ہوتا ہے۔ ایک مومنِ موسیٰ اہلِ فرعون سے کہتا ہے:

يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ،	بھائیو! مجھ کو ڈر ہے کہ دوسری قوموں کی طرح نوح کی قوم، عاد اور ثمود کی طرح تم پر بھی عذاب آئے۔

(المومن: ۳۰-۳۱)

اور یہ زمانہ تقریباً ۱۸۰۰ ق م سے ۱۶۰۰ ق م تک کا ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے اس قوم کی بربادی عام کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس عہد میں ٹھیک اس جگہ پر جہاں اس قوم کو از روئے روایات ہونا چاہیے، اہلِ مدین غالب نظر آتے ہیں۔ یہ حقیقت سفرِ خروج کے ہر مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے۔

صالح | ثمود کے پیغمبر کا نام صالحؑ تھا۔

قوم کی آخری زندگی میں جو مرض عام پیدا ہوتا ہے ثمود بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ خدائے واحد کی پرستش چھوڑ کر انہوں نے ستاروں کے مادی ہیکلوں کے سامنے سر جھکایا۔

حسبِ سنتِ الٰہی ایک پیغمبر صالحؑ نام مبعوث ہوا۔ توراۃ میں ارم کے بھائی ارفخشد کے ایک بیٹے کا نام صالح ہے جو تمام اولادِ ابراہیم اور عرب یقطانی کا باپ[1] ہے۔ نصرانی پادری جو بزرگانِ توراۃ کی تاریخی ہستی کے اثبات کے لیے کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے، روایاتِ عرب اور قصصِ قرآن کا نام عام طور سے ان کی زبان میں افسانہ ہے۔ لیکن اگر خود ان کو ضرورت پڑے تو وہ تاریخ کی بلند ترین شہادت ہے۔ کہتے ہیں کہ "صالح" اور "سالح" ایک ہی شخص[2] تھے۔ تاریخ اگر اجازت دے تو ہمیں اس اتحاد کی تسلیم میں کوئی عذر نہیں۔ خدا کے پیغمبر نے خدا کی دعوت دی لیکن بدبخت قوم نے قبول نہ کیا۔ پیغمبر نے کہا "یہ اونٹنی ایک نشان ہے۔ زمین میں اس کو چرنے دو۔ چشمہ کا پانی ایک دن یہ پیے گی اور ایک دن تم پینا۔ اگر اس اونٹنی کو صدمہ پہنچا تو وہ خدا کے عذاب کا دن ہوگا۔" آبادی میں مومنوں اور کافروں کی دو جماعتیں تھیں۔ مومنوں نے صالحؑ کی دعوت کو لبیک کہا۔ کافروں کی جماعت میں سے نو آدمیوں نے سازش کی کہ صالح اور اس کے متبعین پر شبخون ماریں۔ انہوں نے اونٹنی کی کونچ کاٹ ڈالی کہ یہ مر جائے۔ خدا کا عذاب پُرشور زلزلہ کی صورت نمودار ہوا۔ فَدَمْدَمَ[3] عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا۔ قرآن مجید میں یہ تمام قصہ نہایت تفصیل سے مذکور ہے:

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ	ثمود کے پاس ہم نے ان کے بھائی (ہم قوم)
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ	صالحؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس نے کہا کہ بھائیو!
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ	خدا کو پوجو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا خدا
مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ	نہیں۔ تمہارے پاس خدا کی دلیل آ چکی۔ یہ
لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ	خدا کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔ اس
فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا	کو خدا کی زمین میں چرنے دو۔ اس کو دق
بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝	نہ کرو ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔

---

[1] تکوین: ۱۰-۲۴ [2] Gold Mines of Midian p. 278 [3] الشمس: ۱۴۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ
بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ
تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا
وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا
اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ
رَّبِّهٖ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ
اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا
النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ
وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ
وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ
لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ

اور یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اس نے
عاد کے بعد تم کو خلافت بخشی اور ملک میں تم
کو جگہ عنایت کی جس کے میدانوں میں تم
محل اور جس کے پہاڑوں کو تم کاٹ کر مکان
بناتے ہو۔ خدا کی عنایتوں کو یاد کرو اور ملک
میں فساد نہ کرتے پھرو۔ اس کی قوم کے مغرور
سرداروں نے ان کمزوروں سے جو ان کی قوم
میں مومن تھے، پوچھا کیا تم سچ مچ یقین رکھتے
ہو کہ صالحؑ اپنے خدا کی طرف سے پیغمبر ہے۔ انہوں
نے جواب دیا کہ بیشک صالحؑ جو پیغام لے کر
بھیجا گیا ہے اس پر ہم کو ایمان ہے۔ مغروروں
نے کہا، تم جس پر ایمان لائے ہو ہم کو اس سے
انکار ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اونٹنی کی
کونچ کاٹ ڈالی اور خدا کے حکم کی نافرمانی کی۔
اور صالحؑ سے کہا اے صالحؑ اگر تم پیغمبر واقع
ہی ہو تو جس عذاب کے آنے کا تم ہم سے
وعدہ کرتے ہو وہ آنے دو۔ پس زلزلہ نے
آ کر ان کو پکڑ لیا اور وہ اپنی جگہ پر اوندھے
رہ گئے۔ صالحؑ نے ان کی جانب سے منہ پھیرا
اور کہا۔ بھائیو! میں اپنے خداوند کا پیغام
یقیناً پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا

النّٰصِحِيْنَ ۝

(الاعراف : ۷۳- ۷۹)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ
قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ
اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ
مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ
وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ
طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ
مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا
تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ
وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ
مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ اِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ
لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ
مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

لیکن تم اپنے خیرخواہوں کو پسند نہیں کرتے ۔

ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی ۔ جب ان کے
بھائی صالحؑ نے کہا، کیا تم پرہیزگار نہیں بنتے ۔
میں تمہارا رسول امین ہوں، خدا سے ڈرو اور
میری بات مانو اور میں اس کام سے کوئی
معاوضہ بھی نہیں چاہتا ۔ میرا معاوضہ پروردگار
عالم پر ہے ۔ کیا جو نعمت تم کو یہاں حاصل ہے
اسی میں تم باطمینان چھوڑ دیے جاؤ گے ۔
ان باغوں، چشموں اور کھیتوں میں اور ان
چھوہارے کے درختوں میں جن کے خوشے
ہیں اور پہاڑوں کو کاٹ کر تم بڑی بڑی عمارت
بناتے ہو ۔ پس خدا سے ڈرو اور میری بات
سنو اور ان کی نہ سنو جو حد سے گزر گئے
ہیں جو ملک میں فساد پھیلاتے ہیں صلح
کی بات نہیں کرتے ۔ انہوں نے کہا تم پر
جادو کر دیا گیا ہے ۔ تم ہماری ہی طرح ایک
آدمی ہو ۔ کوئی نشانی لاؤ اگر سچے ہو ۔ اس
نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے اس کے لیے
پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے
لیے ایک مقرر دن کا پینا، اور اس کو

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝
فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

چھیڑو نہیں ورنہ ایک بڑا عذاب تم کو
آ لے گا۔ انہوں نے اس کی کونچ کاٹ
ڈالی پھر نادم ہوئے۔ پس عذاب نے
ان کو آ لیا۔ یقیناً اس میں اللہ کی نشانی
ہے اور ان میں سے اکثر مومن نہ تھے
اور خدا تو غالب اور رحم والا ہے۔

(الشعراء: ۱۴۱-۱۵۹)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ
صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا
هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝
قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ
بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا
تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝
قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ
مَّعَكَ ۭ قَالُوْا طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝
وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ
رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ
وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا
بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ
لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا

اور البتہ ہم نے بھیجا ثمود کے پاس ان
کے بھائی صالحؑ کو کہ خدا کو پوجو، ناگہاں
وہ دو فریق ہو کر باہم جھگڑنے لگے۔ صالحؑ
نے کہا کہ بھائیو! نیکی سے پہلے برائی کیوں
جلد چاہتے ہو، کیوں خدا سے مغفرت
نہیں چاہتے۔ شاید تم پر رحم کیا جائے۔
انہوں نے کہا ہم نے تم سے اور تمہارے
ساتھیوں سے شگون لیا۔ اس نے کہا تمہارا
شگون خدا کے پاس ہے، بلکہ تم لوگ
آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔ شہر میں نو
آدمی تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے،
صلح نہیں۔ انہوں نے کہا آؤ باہم خدا
کی قسم کھائیں کہ ہم صالح اور صالح کے
خاندان پر شبخون ماریں، پھر اس کے

شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا
لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا
وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ
وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا
ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

وارث سے ہم کہہ دیں گے کہ اس کے خاندان
کے قتل میں تو شریک بھی نہ تھے۔ انہوں
نے مخفی تدبیر کی۔ خدا نے بھی مخفی تدبیر کی
اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ پس دیکھو ان
کی مخفی تدبیروں کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے
ان کو اور ان کی قوم کو سب کو برباد کر دیا۔
یہ ہیں ان کے گھر اور مسکن جو ان کی گنہگاری
کے باعث ویران پڑے ہیں۔ اس میں
جاننے والوں کے لیے بڑی عبرت ہے
اور ایمان والوں کو ہم نے نجات دی کہ
پرہیزگار تھے۔

(النمل : ۴۹- ۵۳)

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا
حَتّٰى حِيْنٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ
اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ
الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝
فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ
وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝

اور ثمود میں نشانیاں ہیں۔ جب ان سے
کہا گیا کہ کچھ دیر فائدہ اٹھالو تو انہوں نے
اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی سو
ان کو کڑک نے آلیا اور وہ دیکھ رہے
تھے۔ پھر نہ کھڑے ہو سکے اور نہ مہلت
پا سکے۔

(الذّٰریٰت : ۴۳ - ۴۵)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ
بِالْقَارِعَةِ ۝ فَاَمَّا ثَمُوْدُ

ثمود و عاد نے عذاب کا انکار کیا۔
لیکن ثمود تو نافرمانی کے باعث ہلاک

فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ○

کر دیئے گئے۔

(الحاقہ، ۴)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ○ فَقَالُوْٓا
اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ
اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○
ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ
بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ○
سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ
الْاَشِرُ ○ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ
فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ
وَاصْطَبِرْ ○ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ
الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ
شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ○ فَنَادَوْا
صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى
فَعَقَرَ ○ فَكَيْفَ كَانَ
عَذَابِيْ وَنُذُرِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً
فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ○

ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور بولے کیا ہم
ایسے شخص کی پیروی کریں جو ہماری جنس کا
آدمی ہے اور اکیلا ہے تو ہم بڑی غلطی
اور جنون میں پڑ جائیں گے۔ کیا ہم سب میں
سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے بلکہ یہ جھوٹا
اور شیخی باز ہے۔ ان کو عنقریب معلوم
ہو جائے گا کہ کون جھوٹا اور شیخی باز تھا۔
ہم اونٹنی کو ان کے لیے آزمائش بنا کر بھیجتے
ہیں، اے پیغمبر تو بھی تاک اور انتظار میں رہ
اور انہیں خبردار کر دے کہ پانی ان میں
بانٹ دیا گیا ہے، ہر ایک کا پانی الگ
موجود ہے۔ انہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا
اس نے وار کیا اور کونچ کو کاٹا۔ پھر میرا عذاب
اور میری دھمکی کیسی تھی؟ ہم نے ان پر
ایک چیخ بھیجی جس کے اترے وہ پامال بھس
کی طرح ہو کر رہ گئے۔

(القمر، ۲۳ - ۳۱)

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَ نِ
الْاُوْلٰى ○ وَثَمُوْدَا فَمَآ

اور خدا نے عاد اور ثمود کو ہلاک کر دیا
اور کچھ رحم نہ کیا۔

اَبْقٰى ۝

(النجم: ۵۰-۵۱)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ
انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ
سُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا
فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا
يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝

(الشمس: ۱۱-۱۵)

ثمود نے اپنی سرکشی سے تکذیب کی جب
انہوں نے اپنے بدبخت ترین آدمی آگے
کیا۔ پیغمبر خدا نے کہا خدا کی اونٹنی اور
اس کے پانی پینے کا خیال رہے۔ مگر
انہوں نے جھٹلایا اور اس کی کونچ کاٹی
خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر
ہلاکت ڈالی اور ان کو برباد کر دیا، اور
ان کے انجام کا اللہ کوئی اندیشہ نہیں کرتا۔

× × ×

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۝
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ
اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ
فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا
اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ
مُّجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ
قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا
قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ
نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

ثمود کے پاس ہم نے ان کے بھائی صالحؑ
کو بھیجا۔ اس نے کہا بھائیو خدا کو پوجو،
اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں، اس نے
زمین سے تم کو پیدا کیا اور زمین ہی میں تم کو
آباد کیا۔ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت
مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ میرا
پروردگار قریب ہے اور قبول کرتا ہے۔
انہوں نے کہا کہ صالحؑ ہم کو اس سے پہلے
تمہاری ذات سے بڑی توقع تھی۔ کیا تم
ہم کو اس کے پوجنے سے روکتے ہو جس کو

وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَا
اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ
اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی
بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ مِنْهُ
رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ
مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا
تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ۝
وَیٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ
اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا
تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ
وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ
قَرِیْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا
فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ
ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ۝ ذٰلِكَ وَعْدٌ
غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ۝

ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے۔ تم جدھر
بلاتے ہو اس میں تو ہم کو بڑا شک ہے۔
صالحؑ نے کہا بھائیو! تم سمجھتے ہو اگر خدا
کی طرف سے میں بصیرت پر ہوں اور اس نے
اپنی رحمت سے مجھ کو اس میں سے کچھ عنایت
کیا ہے تو اگر میں (پیغام رسانی میں) اس
کی نافرمانی کروں تو خدا سے بچانے میں
میری کون مدد کرے گا۔ تم صرف میرا نقصان
بڑھاؤ گے اور ہاں اے بھائیو! خدا کی
اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔ اس کو
خدا کی زمین میں چرنے دو اور اس کے
ساتھ برائی نہ کرو ورنہ خدا کا عذاب جو
نزدیک ہے تم کو آلے گا۔ انہوں نے اس
کی کونچ کاٹ ڈالی۔ صالحؑ نے کہا اب
اپنے گھر میں تین دن اور لطف اٹھا لو یہ
جھوٹا وعدہ نہیں۔

(ھود : ۶۲ - ۶۵)

حسبِ سنتِ الٰہی حضرت ہودؑ اور صالحینِ ثمود کو اس عذاب سے نجات مرحمت ہوئی۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا
صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے صالحؑ کو اور جو
اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا
اپنی رحمت سے اور اس دن کی خواری

يَوْمَئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ○ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ○	سے نجات بخشی۔ بیشک تیرا پروردگار زبردست اور غالب ہے۔ اور گنہگاروں کو چیخ نے آلیا پس اپنے گھروں میں سینہ کے بل پڑے رہ گئے، گویا کبھی وہ ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے۔ ہاں ثمود نے اپنے پروردگار کو نہ مانا۔ ہاں ثمود کے لیے ہلاکت ہو۔

(ھود : ۶۶ - ۶۸)

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○	ثمود کی ہم نے رہنمائی کی۔ انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی۔ تب رسوا کر دینے والے عذاب کی کڑک نے ان کے اعمال کے سبب ان کو آلیا اور ایمان والوں کو ہم نے نجات بخشی۔

(حٰم السجدہ : ۱۷ - ۱۸)

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○	اور ایمان والوں کو ہم نے نجات بخشی کہ وہ پرہیزگار تھے۔

(النمل : ۵۳)

ان بقایائے ثمود کو ثمودِ ثانیہ کہتے ہیں۔

طریقۂ ہلاک کو کہیں خدا نے صرف عذاب کہا ہے، کہیں صاعقہ (بجلی کی کڑک) اور کہیں صیحہ (چیخ) سے ادا کیا ہے۔ اس سے کوئی خاص طریقۂ عذاب نہیں مطلق عذاب مراد ہے جو انسان کے لیے کڑک اور چیخ سب کچھ ہے۔ بعض مفسرین نے کڑک اور چیخ سے زلزلہ مراد لیا ہے، اس بناء پر کڑک اور چیخ کے لحاظ سے یہ آتش فشانی زلزلہ ہوگا اور جغرافیہ نویسان

سابق و حال تسلیم کرتے ہیں کہ ثمود کے مقامات آتش فشاں مادّہ سے لبریز ہیں۔

عام روایات میں ہے کہ یہ اونٹنی معہ اپنے بچہ کے کفار کے حسبِ طلب، حضرت صالحؑ کے ایک معجزہ سے ایک پہاڑ کی چٹان سے پیدا ہوئی تھی۔ لیکن صحیح طریقہ سے یہ روایتیں ثابت نہیں۔ قرآن مجید نے بھی اپنی تمام تفصیل میں اس خاص طریقۂ پیدائش کا ذکر نہیں کیا۔ اس بناء پر وہ غیر مسلّم ہیں۔ قرآن مجید کی آیتوں کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جانوروں پر ظلم کرتی تھی۔ خدا نے ایک اونٹنی کو نشانی بنایا کہ جس دن تم نے اس کو ستایا وہی عذاب کا دن ہوگا۔ ثمود کی ایک پہاڑی کا نام عربوں میں فج الناقہ مشہور ہے۔ بطلیموس نے اس مقام یونانی تلفظ میں "بڈاناما"[2] لکھا ہے۔ اس تسمیہ سے نفس اونٹنی کے واقعہ کا ثبوت قرآن سے ۴۰۰ برس پیشتر ملتا ہے۔

ثمود ثانیہ یعنی بقایائے ثمود

تاریخ میں ثمود ثانیہ کا نام عادِ ثانیہ سے زیادہ روشن نظر آتا ہے۔ اس کا ایک سبب تو قربِ زمانہ ہے اور دوسرا سبب دیگر اقوامِ قدیمہ سے قربِ مکان ہے۔ اسی لیے ان کا نام ایک طرف تو اسیریا کے کتبوں میں نظر آتا ہے[1] اور دوسری طرف رومیوں کی تاریخ[2] میں۔ رومی مسیح سے کچھ پہلے عرب سنگستان پر جو مقامِ ثمود سے بالکل متصل ہے اور اس وقت انباط اور ادوم ان اطراف کے ممتاز قبائل تھے، قابض تھے۔

سرجون یا شرغون ثانی اسیریا کا ایک بادشاہ تھا جس کا زمانہ ۷۲۲ ق م سے ۷۰۵ ق م تک ممتد ہے۔ اس بادشاہ نے عرب پر فوج کشی کی تھی جس کا ذکر اس نے اپنے کتبۂ فتح میں کیا ہے۔ اس کتبہ میں جن عرب محکوم قبائل کا نام مذکور ہے ان میں ثمود کا نام بھی ہے[3]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثمود دورِ ثانی میں کوئی جدید قوّت حاصل نہ کر سکے اور اگر کر سکے تھے تو وہ زائل ہو چکی تھی۔

مؤرخینِ یونان و روم میں ڈائیڈورس (۸۰ ق م) پلینی (۷۹ء) اور بطلیموس (۱۴۰ء)

---

[1] Roger's *History of Babylon And Assur*, P. 146.

[2] Bevan's Ancient Geography, p. 173.

[3] Sprengers *Ancient Geography of Arabia*, p. 17.

نے ثمود کا ذکر کیا ہے[1]۔ ڈائیڈورس نے ثمود کا تلفظ تھموڈینی Thamudani اور بطلیموس نے ثموڈیٹی Thamudiatae کیا ہے مگر دونوں نے جو جگہ اس کی مقرر کی ہے ٹھیک روایاتِ عرب کے مطابق ہے[2]۔

ثمود کے ذکر میں ایک دوسرے یونانی مصنف اورنیوس Uranus کی شہادت ڈاکٹر اسپرنگر نقل کرتے ہیں جو گواہی دیتا ہے کہ ثمود انباط کے پہلو میں آباد[3] تھے۔

رومیوں نے جب عرب شمالی پر قبضہ کیا تو ثمود رومیوں کی فوج معاون میں داخل ہو گئے تھے۔ قیصر جسٹینین کے عہد میں جو ۴۸۳ سے ۵۶۵ ق م تک ہے، تین سو ثمود عرب بھی رومی فوج میں داخل[4] تھے۔ ان کے لمبے نیزے اور سواری کے اونٹ مشہور تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کے ملک کا اکثر حصہ چونکہ اہلِ مدین نے پہلے دبا لیا تھا، اور باقی حصہ پر بعد کو انباط قابض ہو گئے تھے اور رومی انباط کے خلاف عرب پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے تھے اور اس ارادہ کو انہوں نے پورا بھی کیا، اس تقریب سے عجب نہیں کہ انباط کی مخالفت میں ثمود نے رومیوں کا ساتھ دیا ہو۔

تاہم تعجب ہوگا کہ ثمود کا ذکر توراۃ میں نہیں لیکن توراۃ کی تحریر واقعات کے سنین جاننے کے بعد یہ تعجب رفع ہو جائے گا۔ توراۃ کی تاریخ بدءِ عالم سے حضرت یعقوبؑ ابنِ ابراہیم تک محدود ہے۔ اس کے بعد ہجرت مصر کا واقعہ ہے جو تقریباً ۱۶۰۰ ق م میں واقع ہوا ہوگا۔ اس زمانہ سے تا عہدِ موسیٰ جو تقریباً چار سو پچاس برس کا زمانہ ہے، توراۃ کی کامل خاموشی کا عہد ہے۔ اور از روئے تاریخ ثمود کے عروج و زوال کا یہی زمانہ ہے اس کے بعد توراۃ میں صرف ان غیر اقوام کا ذکر ہے جن سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات تھے اور یہ رتبہ ثمود کی جگہ اب مدین کو حاصل تھا جو ثمود اولیٰ کے جانشین تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوسو یا ہزار ق م میں اہلِ مدین جب بنی اسرائیل کے

---

[1] *Gold Mines of Midian*, p. 125.

[2] Forster's *Gold Mines of Midian* p. 278

[2] *Gold Mines of Midian* p. 278

[3] *Clement of Huart Histoire Des Arabs*, p. 3.

ہاتھ سے کلّیۃً برباد ہو گئے تو ثمود ثانیہ نے پھر ایک سنبھالا لیا اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں شاہ اشور نے شمالی عرب پر حملہ کر کے ثمود سے ۷۰۰ ق م میں خراج وصول کیا۔ اس کے بعد ظہور مسیحؑ سے پہلے انباط نے ثمود کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد جب رومیوں نے انباط پر حملہ کیا تو ثمود دشمنوں کے ساتھ ہو گئے اور اسی خصوصیت سے تاریخ روم میں ثمود کا ذکر آیا۔

اِسلام جب آیا تو ثمود کا نام ونشان نہ تھا۔ یہاں قبائل جہمیہ، دیلی اور یہود اس وقت آباد تھے[1]۔ عجب نہیں کہ انباط نے خیانت وطنی کی سزا میں ان کو برباد کر دیا ہو۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ	سو دیکھئے ان کی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ
أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِيْنَ۝	ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت
فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا	کر دیا۔ سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے
(النمل: ۵۱-۵۲)	ہیں ان کے ظلم کے سبب سے۔

۳۔ جرہم

یہ قبیلہ حجاز میں آباد ہوا تھا۔ تقریباً ۲۲۰۰ ق م جب حضرت اسماعیلؑ اس ملک میں آئے تو یہ قبیلہ ان ہی اطراف میں موجود تھا۔ حضرت اسماعیلؑ نے اپنے پڑوس میں جگہ دی[2] اور باہم اس سے رشتہ قائم کیا۔ جرہم کی قومیت کیا تھی اور کس سلسلۂ نسب سے اس کو تعلق تھا؟ بعض اربابِ تاریخ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ نسباً امم سامیۂ اولیٰ سے تھا[3] اور بعض اس کو قحطان کی نسل سے سمجھتے ہیں۔ عام مؤرّخین نے دونوں تھیوریوں کو یکجا کر دیا ہے، کہ جرہم دو تھے۔ جرہم اولیٰ اور جرہم ثانیہ۔ جرہم اولیٰ معاصر عاد تھا وہ امم سامیۂ اولیٰ سے تھے اور جرہم ثانیہ قحطان کا بیٹا

---

[1] معجم یاقوت لفظ وادی القریٰ [2] بخاری کتاب الانبیاء [3] تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۵۳ - ۲۳۱ فکان ولد جرهم بن عامر لما صار اخوتهم من بنی قحطان بن عامر الی الیمن، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرہم قحطان کا بیٹا نہ تھا بلکہ برابر کا بھائی تھا، مطبوعہ لیڈن جلد ۱،

اور حضرت اسماعیلؑ کا پڑوسی اور رشتہ تھا۔ جرہم کا دوسرا بھائی یعرب بن قحطان یمن کا مالک تھا اور جرہم بن قحطان کے حصہ میں حجاز کا ملک دیا گیا تھا۔

قحطان اور اس کی بارہ اولاد کا نام بنام توراۃ میں ذکر ہے جن میں ایک یارح ہے جس کو یعرب سمجھ لو لیکن جرہم یا اس کا مماثل کوئی نام مذکور نہیں۔ اس بناء پر بعض نصرانی علمائے یورپ نے اس بات کی کوشش ہے کہ یارح اور جرہم ایک ہی نام ثابت کیا جائے۔ اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ عربی و عبرانی اور لاطینی و یونانی میں باہم ی اور ج کا مبادلہ ہو جاتا ہے اور اس بناء پر یورپین تراجم میں جن کا ماخذ لاطینی و یونانی ترجمہ ہے یارح کا لفظ "جرح" یا جارح ہوا ہے جس کو نہایت آسانی سے جرہم فرض کرنا ممکن ہے، لیکن یہ شدید غلطی ہے۔ اولاً یہ کہ توراۃ کے نام عربی میں عبری سے آئے ہیں، یونانی یا لاطینی سے نہیں آئے ہیں۔ اس لیے ثبوت طلب تو یہ ہے کہ عربی اور عبرانی میں "ی" اور "ج" کا باہم مبادلہ ہو جاتا ہے اور یہ غیر مسلّم ہے۔ ثانیاً یہ کہ اگر یرح اور جرح، جرہم ہے تو پھر یعرب کی اصل کیا ہے؟ ثالثاً یہ کہ یعرب اور جرہم ایک ہی نام ہے (یارح) کے دو متفرق ایک ہی ملک اور ایک ہی زبان میں کیونکر پھیلے؟

آخراً یہ کہ جس زمانہ میں جرہم کا وجود حجاز میں نظر آتا ہے اس وقت قحطانی عربوں میں کوئی سیاسی جنبش نہیں پیدا ہوئی تھی۔ قحطانیوں کی حرکتِ سیاسی امم سامیۂ اولیٰ و ثانیہ کی تباہی کے بعد ایک ہزار قبل مسیح میں نظر آتی ہے۔ ان وجوہ سے ہم اس فریق کے ساتھ ہیں جو جرہم کو صرف ایک اور اس ایک کو بھی امم سامیہ اولیٰ میں سے تسلیم کرتا ہے۔ ملوکِ جرہم کا کچھ حال عربی تاریخوں میں مذکور ہے۔ ہم یہاں صرف اس کا لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں[1]:

> ”پہلے مضاض بن عمرو جرہمی بادشاہ ہوا لیکن سمیدع نام ایک مدّعی نے اس سے جنگ کی۔ مضاض کو فتح ہوئی اور سمیدع شام چلا گیا اور وہاں عمالیق کا بادشاہ ہوا۔ مضاض کے بعد اس کی جگہ حارث اس کا بیٹا حاکم ہوا، پھر عمرو بن حارث۔ بعد ازیں معتسم بن ظلیم، پھر حوّاس

---

[1] یعقوبی جلد ۱، ص ۲۵۲ - یورپ،

> ابن جشم بن مضاض۔ اس کے بعد عداد بن ضداد بن جندل بن مضاض، پھر فحص ابن عداد، اور آخر میں حارث۔ یہ جرہم میں آخری بادشاہ تھا جس کے عہد میں جرہم اپنی سرکشی اور طغیان کی پاداش میں ہلاک ہو گئے۔"

اسی جرہم کے گھرانے میں بہ روایتِ عرب حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی تھی[1]۔ لیکن توراۃ میں ہے کہ ان کی ماں نے جو مصریہ تھیں ایک مصری عورت سے ان کا بیاہ کر دیا تھا[2]۔ اس اختلاف پر علمائے نصاریٰ کی اکثر انگلیاں اٹھی ہیں لیکن اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ اس وقت عرب سامیۂ اولیٰ خود مصر پر قابض تھے اور ان کا سلسلۂ تعلق مصر سے جاری تھا، تو کبھی اس اختلاف سے ان کو حیرت نہ ہوتی۔ بیان مذکور کے مطابق یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ امم سامیہ کے خاندان جرہم نام میں شادی ہوئی اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی بیوی مصر سے تعلق رکھتی ہیں۔

بنی اسماعیل و جرہم اور بنائے کعبہ کی روایت احادیث اور درایاتِ عرب کے علاوہ اشعارِ عرب میں بھی موجود ہے۔ عرب کا ایک جاہلی نصرانی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کہتا ہے:

واحلف بالبیت الذی طاف حولہ — اناس بنوہ من قریش وجرہم۔

"میں قسم کھاتا ہوں اس گھر کی جس کا لوگ طواف کرتے ہیں اور جسے قریش اور جرہم نے تعمیر کیا تھا۔"

پلینی اپنے زمانہ کے قبائلِ عرب میں سے ایک نام "چرمی" Charmai بتاتا ہے[3]، عجب نہیں کہ یہ جرہم کی تحریف ہو۔

عہدِ ظہورِ اسلام میں جرہم کی جمعیت باقی نہ تھی تاہم اس کے منتشر افراد باقی تھے۔ عبید ابن شریہ جرہمی نام ایک شخص اس زمانہ میں یمن میں موجود تھا جو اسی خاندان جرہم کی طرف منسوب تھا۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر وہ اسلام لایا تھا۔ حضرت معاویہؓ کے عہدِ حکومت تک وہ زندہ رہا۔ امم قدیمہ کی تاریخ و قصص سے اس کو کامل واقفیت تھی، حضرت

---

[1] بخاری، کتاب الانبیاء [2] تکوین: ۲۱-۲۱، [3] Forster's *Historical Geography* Vol. I, p. 124.

معاویہؓ کے حکم سے اس کی زبانی داستانیں قیدِ تحریر میں لائی گئیں[۱]

قبیلۂ جرہم کے حالات میں غالباً تیسری صدی کے ایک مؤرخ ابراہیم بن سلیمان النہمی الکوفی نے "اخبارِ جراہم" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی[۲]۔

۴۔ طسم وجدیس

یہ دونوں قبائل یمامہ میں تھے۔ یہ کلبی کی روایت ہے اور زیادہ مشہور رہے۔ مؤرخ ابن خلدون نے ان کو بحرین میں جگہ دی ہے۔ ہماری تحقیق میں یہ اختلاف صرف لفظی تشابہ سے پیدا ہوا ہے۔ زمانۂ قدیم میں ان دونوں شہروں کا نام "ہجر" تھا[۳]۔ اور صحیح یہ ہے کہ خلیج فارس پر یمامہ، بحرین اور عمان کے نام سے جو شہر آباد ہیں، طسم وجدیس کی آبادی ان سب پر مشتمل تھی[۴]۔ یہ عاد کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے[۵]۔ سیاسی قوت اوّلاً طسم کے ہاتھ میں تھی۔ ایک زمانہ کے بعد عملوق نام ایک ظالم بادشاہ تخت نشین ہوا جس نے اپنے شرمناک قواعد سے قبائلِ جدیس کو برہم کر دیا۔ آخر جدیس کی ایک خاتون عروس نے قبیلہ کو غیرت دلائی۔ یہ غیرت آگ بن کر اٹھی۔ طسم نے شاہِ یمن سے مدد مانگی، اس نے آکر جدیس کو شکست دی۔ آخر قبائل کی باہمی نا اتفاقی نے ملک غیروں کے ہاتھ سپرد کر دیا۔[۶]

مؤرخینِ عرب نے اس شاہِ یمن کا نام تُبّع حسان یا حسّان (باختلافِ روایت) لکھا ہے۔ لیکن یہ یقیناً غلط ہے۔ ایک طرف تو یہی اربابِ روایت ان قبائل کو اتنا قدیم ٹھہراتے ہیں کہ ان کو ارم کی صرف دو واسطوں سے اولاد قرار دیتے ہیں۔ یعنی تین چار ہزار ق م ان کا زمانہ بتاتے ہیں اور یا اس قدر پیچھے کرتے ہیں کہ تبابعۂ یمن کا معاصر قرار دیتے ہیں جن کا زمانہ ایک سو پندرہ ق م سے زیادہ نہیں۔ اس بناء پر غالباً تبّعِ یمن سے عام شاہِ یمن مراد ہے۔

---

[۱] کتاب الفہرست ابنِ ندیم ۸۹ ، مطبوعہ لیڈن۔ [۲] کتاب الفہرست طوسی ، ص ۱۳، مطبوعہ کلکتہ [۳] دیکھو معجم یاقوت لفظ "حجر" و "ہجر" [۴] اخبار الطوال ، ابو حنیفہ دینوری صفحہ ۱۷ [۵] القاموس للفیروز آبادی لفظ طسم [۶] یہ واقعات اغانی اور تاریخ عرب کی تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔

یونانیوں نے قبائلِ عرب میں سے ایک کا نام جولسٹی Jolistai لکھا ہے[1]۔ شاید اس سے جدیس ہی مراد ہو۔ طسم کا نام ہلاکت و بربادی کی عبرت کے لیے اس قدر مشہور ہے کہ عربی زبان میں "طسم" کے معنی خود "بربادی" کے ہو گئے ہیں۔ عرب کا ایک جاہلی شاعر سلمٰی بن ربیعہ کہتا ہے؛

اھلکن طسماً و بعدہٗ غذی بہم و ذا احدون — حوادثِ زمانہ نے طسم اور اس کے بعد ذاجدون شاہین کو
واھل جاش و مارب وحی لقمان والتقوت — اور اہل جاش اور اہلِ مارب کو اور قبیلہ لقمان کو ہلاک کیا۔

اس ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ طسم کا زمانہ، سبا (اہلِ مارب) اور عاد ثانیہ (حیّ لقمان) سے متقدم تھا۔

یمامہ کا قدیم نام "جو" ہے لیکن زیادہ تر اپنے قصبۂ حکومت کے نام سے مشہور ہے جس کا نام قریہ اور حجر ہے۔ قریہ اور حجر لفظ دو ہیں لیکن معنی ایک ہی ہیں۔ ابن الحائک ہمدانی یمنی جو عرب کی قدیم زبانوں سے واقف تھا، کہتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی آبادی کے ہیں۔ قدیم عربی زبان میں حجر لفظ تھا۔ بعد کی عربی زبان میں اس کے لیے قریہ کا لفظ استعمال ہوا[2] جو حجر کا بعینہٖ ترجمہ ہے۔

یمامہ میں جس کو قدیم نام کے لحاظ سے ہجر یا قریہ کہنا چاہیے، آثارِ قدیمہ کے نشان جغرافیہ نویسانِ اسلام کے عہد تک باقی تھے اور انہوں نے خود ان کو مشاہدہ کیا تھا۔ نجران اور بحرین کے مابین ایک پہاڑی پر مشقر نام ایک قلعہ ہے جو طسم کی طرف منسوب ہے۔ ایک اور عمارت ایک ٹیلہ پر واقع ہے جس کا نام مفق ہے وہ بھی طسم ہی کی یادگار ہے۔ شموس بھی اسی قسم کی ایک عمارت ہے۔ قریہ بنی سدوس یمامہ میں ایک مقام ہے۔ اوپر سے نیچے تک صرف ایک پتھر کو تراش کر ایک پوری عمارت بنائی گئی ہے۔ ایک اور عمارت "بتیل حجر" کے نام سے ہے، اس عمارت کا حصہ زیریں مربع الشکل ہے اور بلندی اسّی ہاتھ کے قریب ہے۔ جعدہ نام ایک اور قلعہ یہاں

---

[1] دول العرب والاسلام: طلعت حرب بک ج اوّل ذکر طسم و جدیس، [2] معجم یاقوت: ج ۸، ص ۴۴۶، مصر

بنائے قدیم کی یادگار ہے[1]۔

خدا جانے ان آثار کا اب کس قدر حصہ باقی ہے۔ تاہم اگر یہ کُل یا ان میں سے بعض بھی طسم و جدیس کے مصنوعات ہوں تو ان قبائل کی عظمت و تمدّن کے دلائل نہایت واضح ہیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قریہ اور ہجر یمامہ و بحرین کا نام ہے۔ جغرافیینِ یونان و روم خلیجِ فارس کے سواحل پر اور کبھی یمن کے قرب میں عرب کے دو شہروں کا نام لیتے ہیں جن میں سے ایک کا لفظ ان کے ہاں اگرا Gerra گرائے Garrai اور کبھی جرہا Gerrha اور دوسرے کا اگریا Ageraie ہے۔ غالباً پہلے اور دوسرے نام کی اصلیت "قریہ" اور تیسرے کی "ہجر" ہے۔ یونان اور رومیوں نے عرب تجارت پیشہ قوموں میں یہاں کے باشندوں کا مخصوص ذکر کیا ہے۔ ہندوستان کی تجارت میں خاصۃً ان ہی کو دخل تھا آج بھی ان مقامات کے عرب اپنے قدیم خصوصیات کے ساتھ قائم ہیں اور تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ ہندوستان کے ساتھ ان ہی کو تعلقات حاصل ہیں۔

ان مقامات پر یونانیوں یا رومیوں نے کبھی حملہ نہیں کیا۔ سکندر کے بعد جب عراق میں سلوقی Selucus خاندان قائم ہوا تو اس نے صرف ایک بار ۲۰۵ ق م میں[2] اہلِ قریہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ حملہ آوری کی جرأت کی تھی۔ یمامہ و بحرین کے قدیم قبائل کی بربادی کے بعد ایک مدّت تک یہاں ویرانی رہی تا آنکہ آخر میں اسماعیلی و قحطانی عربوں نے ادھر کا رُخ کیا۔ ربیعہ اسماعیل کی ایک شاخ عنزہ بن اسد اور کہلان (قحطانی) کی بعض اولادوں نے بحرین پر اور بنو حنیفہ نے یمامہ پر قبضہ کیا[3]۔ اسلام آیا تو بحرین اہلِ فارس کے قبضہ میں تھا اور ان کی طرف سے ایک عرب خاندان نائبِ حکومت تھا اور یمامہ بدستور بنو حنیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ بحرین نے خود اپنی رضا و رغبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دعوتِ اسلام قبول کی اور یمامہ ایمان لا کر

---

[1] ان تمام عمارات و مقامات کے نام معجم میں مطابق حروف اسماء دیکھنے چاہئیں۔ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱، ج ۲۴، ص ۲۰۴، [3] اخبار الطوال ابوحنیفہ ص ۱۷ - ۱۸، مصر۔

پھر مرتد ہوگیا اور آخر خلافتِ صدیقی میں ایک جنگِ عظیم کے بعد مطیع ہوا۔

۵۔ اہلِ معین

جوفِ یمن میں معین نام ایک آبادی تھی۔ اس کے مشرق میں حضرموت اور جنوب مغرب میں سبا (موجودہ صنعاء) واقع تھا۔ آج کل علمائے آثار میں اس آبادی کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ ان کو اس آبادی کا سراغ مل چکا ہے۔ وہاں کے کتبے پڑھے گئے ہیں۔ یونانی بیانات سے ان کی تشریح کی گئی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ معین آبادی کا نام تھا۔ باشندوں کا قومی نام کیا تھا، یہ معلوم نہیں۔ اسی بناء پہ یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ عربوں کو اس قوم کے حالات کہاں تک معلوم تھے۔ لیکن تحقیقاتِ جدیدہ نے اس کی جائے وقوع کی جو تعیین کی ہے وہ بعینہ عادِ ثانیہ کا مقام و مسکن نظر آتا ہے۔ عام تقلید کی بناء پر ہم بھی ان کو اجمال و ابہام کے ساتھ صرف اہلِ معین کہتے ہیں۔

معین کے لفظی معنی "منبعِ آب" اور چشمہ کے ہیں۔ دیگر سامی زبانوں میں مثلاً عبری میں یہ لفظ "معیان" Miyan ہے جو نہایت آسانی سے معان کی صورت میں بگاڑا جاسکتا ہے جو اَب تک شمالی عرب میں ایک آبادی ہے۔

اہلِ معین کا ذکر تحریری حیثیت سے سب سے پہلے آٹھویں صدی ق م میں اسفارِ یہود میں نظر آتا ہے[1]۔ اس کے چھ سو برس بعد اراٹستھینیس (المتوفی ۱۹۲ ق م) ایک یونانی مصنف معین کا ذکر کرتا ہے۔

اراٹستھینیس کے علاوہ اسٹرابون (سنہ ۷۹ء) پلینی (سنہ ۸۰ء) اور بطلیموس (سنہ ۱۴۰ء) نے بھی معین کا بہ تلفظ Mantai, Minaei, اپنے اپنے زمانہ میں ذکر کیا اور تشریح کی کہ ان کا اصلی مقام حضرموت کے پاس مارب اور قتاب کے درمیان ایک معین نام آبادی

---

[1] تاریخ دوم: ۲۶-۷،

ہے، اور ان کے پایۂ تخت کا نام قرن Charnaei ہے۔

عرب مؤرخین کو بھی معین سے واقفیت تھی، لیکن ان کو اس آبادی کا کوئی تفصیلی حال معلوم نہ تھا۔ یونانیوں نے جو حالات لکھے ہیں وہ گویا معلوماتِ عرب پر بہت کچھ اضافہ کرتے ہیں۔ تاہم واقعات کے افشا کے لیے قدرت کو علم الآثار کے ہاتھ کا انتظار تھا۔

اب ہم ترتیباً عرب، یونان اور علم الآثار کے بیانات و نتائج کا ذکر کرتے ہیں۔

عربوں کو معین کے متعلق صرف اس قدر معلوم تھا کہ یہ ایک مقام یا عمارت کا نام ہے۔ ہمدانی کتاب الاکلیل اور صفۃ جزیرۃ العرب میں جہاں اضلاعِ یمن کا ذکر کرتا ہے لکھتا ہے:

محافد الیمن براقش و معین	یمن کے اضلاع براقش اور معین ہیں۔
وهما باسفل جوف الرحب	اور یہ دونوں رحب کے صحرائے ریگستانی
مقابلیان فمعین بین مدینة	کے نیچے واقع ہیں۔ معین شہر نشان اور
نشان وبین دوب شراقة ،	وہ دوب شراقہ کے مابین ہے۔

یاقوت حموی نے بھی معجم میں ان دونوں مقامات کا ذکر کیا ہے۔ لفظ معین کے تحت میں لکھتا ہے:

معین اسم حصن بالیمن وقال	معین یمن میں ایک قلعہ کا نام ہے اور
الازهري معين مدينة باليمن	ازہری کا بیان ہے کہ معین ایک شہر تھا
تذكر في براقش ،	جس کا براقش میں واقع ہونا کہا جاتا ہے۔

براقش کے ذکر میں لکھتا ہے:

قال الاصمعي براقش ومعين	براقش اور معین یمن میں دو قلعے ہیں۔ بعض
حصنان باليمن كان بعض التبابعة	شاہانِ یمن نے قصر سلحین کی تعمیر کا حکم دیا
امر ببناء سلحين فبني في	تھا۔ وہ اسی برس میں بن کر تیار ہوا اور

ثمانین عاما وبنی براقش ومعین بغسالة   براقش اور معین کاریگروں کے ہاتھ کے
ایدی صناع سلحین ...... قال ولاتری   دھوون سے بنے لیکن دیکھو کہ قصر سلحین کا کوئی
بالسلحین اثرا وھما قائمتان ،   نشان نہیں اور وہ دونوں کھڑے ہیں ۔

اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یمن کے بادشاہوں کی تعمیر ہے۔ دوم یہ کہ یہ دونوں مقامات دوسری صدی ہجری تک موجود تھے۔ براقش کا ذکر اس کے بعد بھی تاریخ اسلام میں آٹھویں صدی ہجری تک نہایت کثرت سے آتا ہے اور اس وقت یہ ایک آباد شہر تھا[۱]۔

شعرائے عرب نے بھی ان مقامات کا ذکر کیا ہے۔ حسب ذیل اشعار کو ہمدانی اور یاقوت دونوں نے اکلیل اور معجم میں نقل کیا ہے۔ فروہ بن مسیک کہتا ہے :

اھلّ بمآجر جدی فطیف و   معین الملك من یمن ابینا
ملکنا براقش دوان اعلی   والعم اخونی وبنی ابینا

علقمہ کا شعر ہے

قد اسوّا براقش حین اسوا   ببلقعة ومنبسط ایتق
وحلّوا من معین حین حلّوا   لغرھم لدی الفج العمیق

مالک بن حریم الدلانی کا یہ شعر صرف ہمدانی کے ہاں ہیں :

ویحمی الجوف مادامت معین   باسفانه مقابلة عرادا

یہ دو شعر صرف یاقوت نے نقل کیے ہیں :

ینادی من براقش اومعین   فاسمع فاتلاب بنا ملیع

وقال الجعدی ،

تستن بالضرومن براقش او   ھیلان او یالع من العتم[۲]

ابو علکم مرانی حمیری کہتا ہے :

---

[۱] تاریخ یمن (العقود اللولوئیۃ) للخزرجی ، ج ۱ ، ص ۱۰۰ ، طبع گب سیریز [۲] معجم البلدان یاقوت ج ۲ ، ص ۹۸ ، مصر

براقش ومعین نحن عامرھا   ونحن ارباب سراواح وروثانا

ان شہادتوں سے چند امور ثبوت کو پہنچے ہیں۔ معین ایک آبادی کا نام تھا، مقام جوف میں واقع تھا۔ اس کا وجود دوسری صدی ہجری تک باقی تھا۔ یہ شہر کسی زمانہ میں حکومت کا مستقر تھا۔ براقش اس سے متصل ایک دوسری آبادی تھی۔ ان روایتوں اور شعروں میں البتہ یہ دعویٰ عجیب ہے کہ یہ سبا اور حمیر کی تعمیر تھی۔ لیکن یہ تعجب اس لیے رفع ہو جاتا ہے کہ اہلِ معین کے بعد سبا ہی اس کے مالک بن بیٹھے تھے۔ بعد کے لوگوں نے انہی کو غلطی سے اصل بانی سمجھ لیا۔

معین اور اکتشافاتِ جدیدہ معین کی تاریخی حقیقت واضح کرنے میں جدید اثری تحقیقات نے بڑی مدد دی ہے۔

یمن کے آثارِ قدیمہ کے اکتشافات تمام تر دو جرمن فاضل گلازر Glaser اور ہالوے Halevy کے نتائجِ سعی ہیں۔ ان دونوں نے یمن کے بیلے ہزار کتبات حاصل کیے اور ان کو حل کیا جن سے سینکڑوں سیاسی، مذہبی اور تجارتی واقعات کا سراغ لگا۔ معین، حضرموت، قتاب اور مارب وسبا کی حکومتوں کی تاریخ، موقع وقوع، بادشاہوں کے نام، مذہبی رسوم، طرزِ تمدن، کا نشان ملا۔ ان تمام یمنی حکومتوں میں قدیم تر معین کی حکومت ہے۔

معین کا زمانہ معین کے عہدِ وجود اور زمانۂ بقا کے متعلق گو کوئی قطعی تاریخی فیصلہ نہیں ہو سکتا تاہم آثار کی مدد سے کچھ روشنی پہنچی ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ معین کے کتبات پر عموماً تاریخ ثبت نہیں۔ اس بنا پر زیادہ تر قیاسات سے کام لینا پڑتا ہے۔ جرمن علمائے آثار کی رائے ہے کہ یہ خاندان برسرِ حکومت ۱۴۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک موجود تھا۔ فرنچ ماہرینِ اثریات اور برائے نام انگریز واقفین اس کا زمانہ یقینی طور سے ۸۰۰ ق م سے شروع کرتے ہیں[1]، لیکن عجب تر یہ ہے کہ تازہ ترین انگریزی تحقیق انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم میں ہم یہ الفاظ پاتے ہیں:

"آخر زمانہ کے کتبات کو چھوڑ کر زمانۂ قدیم کے کتبات میں کوئی سنہ یا تاریخ مذکور نہ ہونے

---

[1] Clement Huart, Histoire Des Arabes, Tome I, p. 45

کی وجہ سے اور نیز اس لیے کہ کتبات کی تعداد کم ہے، علماء میں زمانۂ تاریخ عرب قبلِ اسلام کی نسبت بہت سے اختلافات پیدا ہوگئے ہیں لیکن تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کتبات کی تاریخ ۱۹۰۰ ق م تک پہنچتی ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ صرف ۱۲۰۰ ق م تک پہنچ سکتی ہے اور ان سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں کم از کم چار متمدن حکومتیں (۱) معین (۲) سبا، (۳) قتاب (۴) (۴) حضرموت قائم تھیں[1]۔“

مصنفینِ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام معین کا زمانہ بظاہر اس سے بھی زیادہ قدیم قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں :

> “اس قدر قدیم کہ ۳۰۰۰ ق م میں قدیم بابل کے کتبات ایک شاہ معینوم (جس کا پورا نام Manium Dannu ہے) کا ذکر کرتے ہیں جو ”معان“ یا مشرقی عرب کا بادشاہ تھا۔ اس نظریہ کی نسبت بہت کچھ کہا جا سکتا ہے کہ معان عربی لفظ معین کا سومری تلفظ ہے اور اسی صدی سے (جس کی تاریخ غیر معلوم ہے) جنوبی عربی حکومت معین یا معینان کی بنیاد پڑی جس نے شاید اپنی ابتدا میں تمام جنوبی عرب کو جس میں قتاب اور حضرموت داخل ہے، اپنے آغوش میں لے لیا تھا اور جس میں ایک اور صوبہ ملوخ یا ملوق Melukh بھی شامل تھا، جس کی نسبت بیان ہے کہ وہ غالباً عرب وسطیٰ اور عرب شمالی و مغربی کا نام تھا[2]۔“

ان معلومات پر دو واقعات کا اور اضافہ کرنا چاہیئے۔ ہائیکسوس عرب جب ۲۰۰۰ ق م میں مصر پر قابض تھے تو ان حکمران قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام ”اہلِ مصرؔ مین“ بتاتے ہیں، جو ”معین“ کی نہایت صاف شکل ہے۔ نیز معین و اشور کے کتبات باہم واقعات کا تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ اشور کے کتبات میں جن کا زمانہ ۱۹۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک ہے، معین کا ذکر موجود ہے[3]، ان وجوہ سے جیسا کہ فرنچ مؤرخ عرب ہوارت Huart کہتا ہے ”ہم زیادہ نیچے بھی نہیں اتر سکتے[4]۔“

---

[1] مضمون عرب (تاریخ) [2] Brushes Vol. I, p. 268

[3] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ ”عرب“ [4] *Histoire Des Arabes* Vol I, p. 450

حکومت معین کی تعیینِ زمانہ کے وقت ایک اور واقعہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے۔ یمن کی ایک اور عظیم الشان حکومت کا نام سبا ہے۔ سبا کا زمانہ بلاشک وشبہہ ۸۰۰ یا ۹۰۰ ق م سے شروع ہوتا اور وہ حکومت آخر عہد تک حمیر کے نام سے قائم رہے۔ اس بناء پر یہ ظاہر ہے کہ معین کا پورا زمانہ یا کم ازکم عروج کا زمانہ ۸۰۰ یا ۹۰۰ ق م سے قبل ہونا چاہیئے تاکہ معین کا زوال و عہد آخر سبا کی ابتدا و عہدِ اوّل ہو۔ بعض اشخاص دونوں کو معاصر فرض کرتے ہیں لیکن یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس مختصر خطۂ ارض یعنی یمن میں دو عظیم الشان سلطنتیں ایک ساتھ کیوں کر قائم رہ سکتی ہیں ۔

بہرحال اس عقدہ کے حل کرنے میں ہم انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون نگار "عرب" مشہور جرمن فاضل ہومل Hommel کے ساتھ ہیں جس نے بدلائل متعددہ یہ ثابت کیا ہے کہ معین کا تمام زمانہ یا کم ازکم زمانۂ عروج سبا سے پیشتر تھا۔

مولر آف وائنا *Muller of Vienna* کی رائے ہے کہ سبا اور معین معاصر تھے۔

اڈورڈ گلازر E. Glaser کی مشہور رائے ہے جس کی تقلید و تائید ونکلر H. Winckler اور راقم سطور (ہومل) نے کی ہے کہ معین کی حکومت کا زمانہ سبا کی حکومت سے مقدم ہے اور نیز (سبا کے) کاہن بادشاہوں (مکارب) سے پہلے ہے۔ اس تھیوری کی بناء پر طبعاً معین کے لیے ایک قدیم زمانہ کم ازکم ۱۲۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک مفروض کرنا چاہیئے۔

حال میں سبا اور معین کی ہم عصری کی تائید بعض علماء نے مثلاً ماہر عربیات مارٹن ہارٹمن Martin Hartmann اور مؤرخ اڈورڈ مائر Edward Meyer کی ہے لیکن پھر بھی ہارٹمن Hartmann یہ قبول کرتا ہے کہ معین کا زمانہ زریں یقیناً سبا سے مقدم تھا"

مؤیّدینِ معاصرت کا سارا زور اس پر ہے کہ کتبۂ معین (گلازر، نمبر ۱۱۵۵، ہالوے، نمبر ۵۳۵) میں ذکر ہے کہ معین کے بخورات کی تجارت مصر، عشور اور عبرنہرن کے ساتھ تھی اور نیز اس میں ایک جنگ کا ذکر ہے جو "مذی" نام ایک قوم اور مصر میں ہوئی تھی۔ مذی کو یہ میدی یعنی اہل میڈیا (فارس) سمجھتے ہیں جن کی لڑائی مصر کے ساتھ ۵۲۵ ق م میں ہوئی تھی ۔

ہومل | Hommel جواب دیتا ہے کہ مذی سے اہلِ مدین یا منتی کیوں نہ سمجھا جائے جو بادیہ نشینانِ سینا کا نام تھا۔ اور سب سے عجیب بات اس کتبہ میں ہماری تائید میں یہ ہے کہ اس کتبہ میں عشور (اشور یعنی اسیریا) اور عبر نہرین (ما بین النہرین یعنی الجزیرہ) کا ذکر ہے۔ عشور سے اسیریا مراد ہوگا جس کا توراۃ میں اشور املا ہے۔ از روئے تاریخ اسیریا کا زوال ۷۰۰ ق م میں ہو چکا تھا۔ اس بناء پر یقیناً معین کا زمانہ اسیریا سے یعنی ۸۰۰ یا ۹۰۰ ق م سے بہت پہلے فرض کرنا چاہیئے۔ اس بناء پر معین کا تمام زمانہ سبا سے مقدم ہوگا یا کم ازکم یہ کہ معین کا آخری زمانہ سبا کے ابتدائی زمانہ کے معاصر ہے[1]

یہ منازعات و مباحث معین کے ابتدائی زمانۂ وجود یا زمانۂ عروج کے متعلق ہیں۔ معین کا آخری زمانہ یونانی شہادتوں کی بناء پر سو برس ق م تک قائم تھا۔ اس کے بعد پہلی صدی مسیحی میں بھی معین کے متعلق ایک دو حرف ملتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر سبا کی عظمت سے یہ روایات پُر ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معین اس وقت گمنام ہو چکے تھے۔

معین اور یونانی مؤرخین | یونانی مؤرخین نے اپنی تصنیفات سے نہ صرف اپنی قوم کو زندہ رکھا بلکہ اپنے زمانہ کی تمام قوموں کو بھی انہوں نے زندہ رکھا ہے۔

یونانیوں اور عربوں میں صرف تاجرانہ تعلقات تھے۔ مصر چوتھی صدی ق م سے یونانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اسکندریہ اس وقت تجارت کا مرکز تھا۔ اس زمانہ میں معدنیات اور لوبان وغیرہ خوشبودار چیزوں کی تجارت خاص عرب تاجروں کی ملکیت تھی۔ اور اراٹستھینس Eratosthenes جس کی تاریخِ وفات ۱۹۶ ق م ہے، وہ قبائلِ یمن کے ذکر میں لکھتا ہے[2]،

> "ملک عرب کے انتہائے اختتام پر سمندر کے کنارے اہلِ معین Minaean رہتے ہیں جن کا خاص شہر قرن Karna ہے۔ ان کے بعد سبا آتے ہیں جن کا پایۂ تخت مارب ہے۔ آگے بڑھ کر بجانبِ مغرب خلیجِ عرب کے گوشہ پر اہلِ قتاب آباد ہیں جن کے بادشاہ

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام؛ ج ۱، ص ۲۷۸ [2] ڈنکر کی تاریخ قدیم: ج ۱، ص ۳۱۰، ۳۱۱،

> تمنع میں رہتے ہیں۔ آخراً انتہائے مشرق میں اہل حضرموت ہیں جن کا شہر سباتا ہے۔ ان چاروں ممالک میں سے ہر ایک کی وسعت مصر زیریں سے زیادہ ہے۔
>
> ان ممالک میں ایام گرما میں بارش ہوتی ہے اور ندیاں بہتی ہیں جو میدانوں اور تالابوں میں گم ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے زمین اس قدر زرخیز ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبارہ ہوتی ہے۔ حضرموت سے ملکِ سبا تک چالیس روز کا راستہ ہے۔ سوداگر معین سے عیلانہ (عقبہ) تک ستّر دن میں جاتے ہیں۔ حضرموت، قتاب، سبا اور معین کے شہر دولتمند اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔"

اس بیان سے جو مسیح سے ۲۰۰ برس قبل کی شہادت ہے، یہ ظاہر ہے کہ اس وقت یمن میں چار آباد قطعات تھے جن میں سے ایک معین تھا۔ اس کی وسعت مصر زیریں سے کم نہ تھی۔ زمین نہایت زرخیز و سرسبز تھی۔ مملکتِ معین کا خاص شہر قرن تھا۔ موقعِ وقوع کے لحاظ سے یونانی مؤرّخ کا بیان ہے کہ یمن کے مشرق میں حضرموت، مغرب میں بجانب بحرِ احمر قتاب اور وسط میں معین اور سبا۔ معین اور خلیج عقبہ کے درمیان جو یمن سے شام و مصر کا راستہ تھا، ستّر دن کی مسافت تھی۔

معین تجارت پیشہ قوم تھی۔ زیادہ تر خوشبودار لکڑی اور بخورات کی تجارت کرتی تھی۔ ایک قدیم جغرافیہ نویس لکھتا ہے:

> "یہاں سے بطرا اور فلسطین تک سڑک جاتی ہے جہاں اہلِ قریہ اور اہلِ معین اور آس پاس کے تمام عرب بالائی ملک سے خوشبودار چیزوں کے بستے اور بخورات لاتے ہیں[1]۔"

پلینی کے بیان کے مطابق ان کی زمین کی خاص پیداوار چھوہارے اور انگور تھے لیکن ان کی دولت کا اصلی سرچشمہ جانوروں کی تجارت تھی[2]۔

پلینی کا سالِ وفات ۷۹ ق م ہے۔ اس وقت تک معین گو زندہ تھے لیکن سبا کے مقابلہ میں گمنام ہو چکے تھے، جیسا کہ پلینی کا یہ فقرہ ظاہر کرتا ہے:

---

[1] Gold Mines of Midian, p. 179.

[2] فارسٹر، ج ۲، ص ۲۲۴-۲۲۶

> "سبا تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ مشہور ہیں، وہ سمندر کے اس ساحل سے اس ساحل تک کے مالک ہیں۔ حضرموت ان کے ملک کا ایک ٹکڑا ہے۔ حضرموت کے پیچھے اندرونی حصہ میں معین واقع ہے[1]"

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں معین سبا کے مقابلہ میں گمنام ہو چکے تھے اور اس وقت اہلِ سبا سمندر کے اس گوشہ سے اس گوشہ تک یعنی خلیج فارس سے بحر احمر تک کے تنہا مالک تھے۔ گو شہر معین کا وجود دوسری صدی ہجری اور آٹھویں صدی عیسوی تک باقی تھا[2]۔ پلینی نے ایک مزے کی بات یہ لکھی کہ معین اپنا نسب مینوس شاہِ کریٹ تک پہنچاتے ہیں[3]۔ یہ دعویٰ شاید یونانیوں کا طبع زاد ہو۔ تاہم اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ معین کا سلسلۂ تجارت یونان کی سرحد تک پہنچ چکا تھا۔

معین کا دائرۂ حکومت معین کا دائرہ حکومت کس قدر وسیع تھا؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں۔ تاہم کوشش کی جاتی ہے کہ اس کی تحدید ہو سکے، عرب و یونان کی روایت اور علم الآثار کی تائید کی بناء پر معین، حضرموت اور سبا (صنعاء) کے وسط میں واقع تھا جس کو آثار سے جنوبی[4] جوف کی حدود میں محدود کیا ہے۔ عربوں کے بیانات بھی معین کے لیے اسی مقام کی تعین کرتے ہیں۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے:

وتحمی الجوف ما دامت "معین"　　باسفله مقابلة عرادا

معین کے خاص دار الحکومت کا نام یونانیوں نے قرن لکھا ہے۔ آثار میں بھی قرن ہوا پایا گیا ہے۔ آثار سے قرن کے علاوہ اور بھی بہت سی آبادیوں کے نام معلوم ہوتے ہیں جو معین کی حدود میں واقع تھے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، یثیل، فشق، نشان، حریم اور کمنہ[5]۔ براقش کا نام اوپر آچکا ہے۔

---

[1] ڈکر کی تاریخ قدیم جلد۔ ۲۱ - ۳۱۲ - ۲۱۳ [2] معجم البلدان یاقوت: ج ۲، ص ۹۸، مصر۔ [3] فارسٹر جلد ۲، ص ۷۵۔

[4] برٹانیکا مضمون عرب، [5] C. Huart, Tome I, p. 45.

معین کے کھنڈر اب تک باقی ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کے تمام قلعے اور شہر ایک دائرہ کی صورت میں واقع تھے۔ معین خود سبا کے قلب میں اس شاہراہ کے دست راست پہ جو مارب کی شمالی جانب ہے، واقع تھا۔ روایاتِ عرب میں معین کے ساتھ براقش کا ذکر ہوتا ہے۔ براقش کا محلِ وقوع معین کی مغربی و جنوبی جانب اور موجودہ صنعاء کے قریب جو کوہستانی سلسلہ ہے، اس کی مغربی جانب ہے۔ براقش کا قدیم نام یثیل تھا۔ اہلِ معین کا تیسرا قلعہ یا شہر جو شاید یونانیوں کا بیان کردہ قرن یا قرنا ہو، شمالی جوف کے وسط میں معین و براقش کے شمال میں تھا۔[1]

یمن کے علاوہ معین کے آثار و خط و زبان کے نمونے شمالی عرب میں العلا میں بھی ملتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کی کوئی نو آبادی یہاں بھی قائم تھی۔[2] غالباً اس نو آبادی کی غرض یہ ہوگی کہ معین ان تجارتی راستوں کی حفاظت کرے جو سواحل بحر احمر پہ عقبہ (عیلانہ) ہو کر شام و فلسطین اور اسکندریہ کو جاتے ہیں۔

معین کے ان شمالی آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف تجارتی حکومت نہ تھی بلکہ جنگ و فتح میں حصہ لیتی تھی۔ شمالی معین کا ایک گورنر اپنے آقا کی جنگ سے بخیریت واپسی پر ایک یادگاری لوح پر لکھتا ہے:

> "استار (دیوتا) کے شکرانہ میں اس کی حفاظت پر فرمانروائے جنوب اور فرمانروائے شمال کی باہمی جنگ میں اور مذی اور مصر کی لڑائی میں اور ان کے بخیریت اپنے خاص شہر قرن واپس پہنچ جاتے ہیں"۔

اس کتبہ کا نویسندہ اپنے کو "ابی یدع یثع شاہ معین" کا ماتحت ظاہر کرتا ہے اور اپنا لقب "تسار اشور" اور بالائی ساحلِ بحر کا حاکم بتاتا ہے۔ "تسار" کا ذکر مصری کتبات میں بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری و عربی سرحد پہ جہاں اب سوئز ہے، تسار کوئی سرحدی قلعہ تھا۔ معین کے ایک دوسرے شمالی کتبہ میں حکامِ معین شہر غزہ کا حاکم ہونا بھی اپنے کو بیان کرتے ہیں۔[3] شہر غزہ شام و فلسطین

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مضمون عرب [2] سموال لے انگ، فصل عرب۔ [3] بیانات بالا کے لیے دیکھو

سے کے پاس اب تک موجود ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوگا کہ معین کی حکومت یمن سے شروع ہوکر شام و مصر اور اشور (اسیریا) تک ممتد تھی۔

معین کے شمالی آثار میں مصران نام ایک آبادی کا نام بھی منقوش ہے۔ یہ آبادی غالباً مدین کے پاس تھی۔ مصران، عبری کے مصرائم اور عربی کے مصر سے بہت متشابہ ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ مصر کی طرح یہاں کا حاکم بھی اپنا لقب فرعون رکھتا تھا۔ اس بناء پر جرمن علماء میں عموماً یہ نظریہ قبول ہوتا جاتا ہے کہ توراۃ میں جہاں جہاں مصرائم (مصر) کا ذکر ہے اس سے مراد بھی شہر مصران ہے لیکن یہ تھیوری ابھی بہت سے اعتراضات کا مورد ہے[1]۔

ہم نے آغازِ فصل میں لکھا ہے کہ ۸۰۰ ق م میں بنی اسرائیل نے "معین" کا ذکر کیا ہے۔ اس زمانہ میں عزیاہ بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا۔ عزیاہ اس زمانہ میں عربوں سے لڑا تھا۔ اس لڑائی کا نتیجہ نبیم میں اس طرح مذکور ہے[2]:

> "اور خدا نے اس کو مدد دی کہ اہلِ فلسطین پر اور ان عربوں پر جو زلعل میں رہتے تھے اور معینوں پر اس کو غالب کیا۔"

یہ جنگ معین کے شمالی مقبوضات میں جو فلسطین سے متصل تھے، واقع ہوئی ہوگی۔ اس شہادت سے جو ۸۰۰ برس ق م کی ہے، چند نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔ اولاً یہ کہ جیسا کہ آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ معین کی نوآبادی شمالی عرب میں بھی تھی۔ اس واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ ۸۰۰ برس ق م معین کی ابتدائی قوت کا زمانہ نہیں ہے جیسا کہ فرنچ علمائے آثار نے قرار دیا ہے، بلکہ ابتدائے ضعف کا زمانہ ہے جیسا کہ جرمن علماء کی رائے ہے۔ اس کی ترقی کا زمانہ اس کے زمانۂ شکست سے بہت اوپر فرض کرنا چاہیئے۔ ثالثاً یہ کہ معین اصل میں ایک فلاح قوم تھی۔ اگر ۲۰۰ ق م سے سنہ ۲۰ء تک یونان کے جغرافیہ نویسوں نے اس کا ذکر صرف ایک تاجر قوم کی حیثیت سے کیا ہے تو وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی سیاسی عظمت اس سے بہت پہلے

---

[1] C. Huart, Tome I, p. 46.

[2] تاریخ دوم ۲۶: ۷۔

مفقود ہو چکی تھی اور اس زمانہ میں وہ صرف ایک تجارت پیشہ قوم ہو کر رہ گئی تھی۔

شاہانِ معین خاندانِ معین میں کتنے بادشاہ گذرے اور ان کے کیا نام تھے؟ اس کا جواب نہ خود روایاتِ عرب میں ہے اور نہ مؤرخینِ یونان کے بیانات میں۔ اس کے لیے دنیا کو صرف علمائے آثار کا ممنون ہونا چاہیئے انہوں نے معین کے تقریباً چھبیس بادشاہوں کے نام دریافت کیے ہیں جن میں سے بیس باہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں۔ ناموں کی فہرست حسبِ ذیل ہے:

۱۔ ایل صادق
وقہ ایل یاثع
ابی یفع یاشر
حفنم ریام
۲۔ ابی یفع یاثع
ابی یدع یاثع
وقہ ایل ریام
حفنم صادق

ابی یفع یاتوش
۳۔ ابی یفع وقہ
وقہ ایل صادق
ابی کرب یاثع
عمی یدع نابط
۴۔ ابی یفع ریام
ہوفاعثت
۵۔ ابی یدع

خالی کرب
حفن یاثع
۶۔ ثیع ایل ریام
تبع کرب
۷۔ ابی یدع
حفنم

یہ کل بائیس نام ہیں جو عمارات اور مقبروں کے کتبوں سے جمع کیے گئے ہیں[1]۔ یہ تعداد زمانۂ حکومت کے لحاظ سے بہت کم ہے اور ظاہر ہے کہ متعدد نام ایسے ہوں گے جن کے نام کے کتبے ہم کو نہیں ملے اور بہت سے ایسے ہوں گے جن کے نام کے کتبے سرے سے نہ ہوں گے اس لیے زمانۂ حکومت کے وسعت کے مطابق کم از کم دس بارہ نام اور فرض کیے جا سکتے ہیں۔ کل پینتیس نام ہوتے ہیں۔ حمزہ اصفہانی نے چھبیس تبابعۂ یمن کی مدت حکومت ایک ہزار برس لکھی ہے۔ لیکن یہ مدت چھبیس بادشاہوں کے زمانۂ حکومت کے لیے بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ ہر ایک کا زمانہ اوسطاً بیس برس سے زیادہ مفروض نہیں ہو سکتا۔

---

[1] ان ناموں کی فہرست کے لیے دیکھو Huart Tome I. p. 56

اگر ایک طرف ان میں بہت سے پچاس برس کے ہوں گے تو دوسری طرف بہت سے دس برس کے ہوں گے۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ اوسط بیس برس ہم فرض کرتے ہیں۔

اس فرض کی بناء پر پینتیس بادشاہوں کے لیے سات سو برس کا زمانہ ہونا چاہیے۔ یہ زمانہ اگر ۱۷۰۰ ق م سے شمار کیا جائے تو یمن میں عاد کی خاتمۂ حکومت کا زمانہ ہے تو ۱۰۰۰ ق م پر آکر یہ ۷۰۰ کی مدّت ختم ہوتی ہے۔ اور یہ ٹھیک وہ زمانہ ہے جب توراۃ کے رُو سے (قصۂ سلیمان و سبا) قوم سبا کی ابتدا ہو رہی ہے۔

گلازر Glaser اور ہومل Hommel جو جرمنی کے محققین علمائے آثار ہیں، وہ معین کا عہدِ حکومت ۱۵۰۰ ق م سے ۹۰۰ ق م تک متعین کرتے ہیں جس کے بعد اُن کا بیان ہے کہ سبا نے شمال عرب سے آکر معین کو فتح کر لیا۔[1] ہم نے معین کی ابتدا عاد کے خاتمہ سے لے کر (۱۷۰۰ ق م) سبا کی ابتدا تک (۱۰۰۰) جو قرار دی ہے اس سے بغیر کسی تکلّف کے یمن کی ایک مسلسل تاریخ قائم ہو جاتی ہے اور یہ فرض محققینِ آثار سے زیادہ دور بھی نہیں واقع ہوتا۔ معین کی زبان، خط اور دیوتاؤں کے نام سبا سے مختلف ہیں اور کسی قدر بابل سے مشابہ ہیں۔ اس نتیجہ سے معین کی قومیّت کا راز فاش ہو جاتا ہے کہ وہ عرب سامیۂ اوّل کے بقایائے یادگار تھے۔

۶۔ بنی لحیان

منجملہ عرب بائدہ کے رواۃِ عرب بنی لحیان نام ایک قبیلہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بنی لحیان کی نسبت وہ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ یہ جرہم کی ایک شاخ تھی۔ ابنِ خلدون نے بھی اس قدر لکھا ہے۔[2]

آج کل شمالی عرب کے شہر العلاء میں چند کتبات سبائی اور نبطی کتبوں کے پہلو بہ پہلو ملے ہیں جن سے نہ صرف بنو لحیان کا وجود ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمالی عرب میں

---

[1] انسائکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون عرب، ج یازدہم [2] تاریخ ابنِ خلدون جلد ۲۔ مصر

حدود شام میں اور خصوصاً العلا کے اطراف میں آباد تھے۔ خط لحیانی جنوبی عرب کے خطِ معینی کے مشابہ ہے، بلکہ ان ہی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے[1]

علمائے آثار بنو لحیان کی سیاسی قوت کا زمانہ شمالی عرب میں معین و سبا کے انحطاط (۵۰۰ ق م) اور انباط کے ارتقاء (۳۰۰ ق م) کے درمیان میں قرار دیتے ہیں۔ لحیانی کتبات کے مضامین کچھ زیادہ واضح طور سے پڑھے نہیں جا سکے ہیں، لیکن اس خیال کی ہر طرح تائید ہوتی ہے کہ فارس و مصر کے فاتحانہ تعلقات کے عہد (۵۰۰ ق م) کے ہیں۔ اس بنا پر اس زمانہ میں ہیروڈوٹس (۲۰۶ ق م) نے فارس و مصر کے تعلق سے جن عربوں کا ذکر کیا ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ وہ یہی "بنی لحیان" ہیں[2]۔

بنی لحیان کا مسکن حکومت فارس و مصر کے درمیان واقع تھا۔ ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ یہ عرب ہر سال ہزاروں وزن ( ) بخورات شاہ فارس کو نذر دیتے ہیں لیکن یہ نذر غلامی و عبودیت کی قیمت نہ تھی بلکہ دوستانہ ہدیہ تھا۔ کیونکہ مؤرخ مذکور لکھتا ہے کہ "ان عربوں کو اب تک کوئی مفتوح نہ کر سکا[3]۔"

۵۲۵ ق م میں قمبیز شاہ فارس نے جب مصر پر حملہ کرنا چاہا تو صحرائے سینا کے بے آب اور دشوار گذار میدان بغیر ان عربوں کی اعانت کے قطع کرنا محال تھا۔ شاہ فارس نے ان عربوں کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ وہ اس کی مدد کریں اور اس ریگستان میں اس کی فوج کے لیے پانی کا انتظام کریں۔ شاہِ عرب نے امداد کا وعدہ کیا۔ پتھر سے انگلی پر مار کر خون نکالا جو مستحکم وعدہ کی عربوں میں نشانی تھی اور اونٹوں کی کھالوں میں پانی بھر کر اس ریگستان کو چشمۂ پُرآب بنا دیا۔[4]

پلینی نے پہلی صدی عیسوی میں خلیج ایلانہ (عقبہ) کے پاس لیانیین نام ایک قوم کا ذکر کیا ہے[5]، بعض لوگ اس کو لحیانیین سمجھتے ہیں[6]۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: جلد ۱، ص ۳۹۲، [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: جلد ۱، ص ۳۷۵ [3] ہیروڈوٹس باب ۳ فقرہ ۸۰۵، [4] Gold Mines of Midian [5] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۱، ص ۳۷۹،

لیکن ہماری رائے میں وہ ایلا نہیں ہے اور اس کی شہادت یہ ہے کہ اس خلیج کا نام "ایلہ" اور ایلانہ نہایت قدیم ہے اور اسی نام سے یہود کے صحیفوں اور یونان کے جغرافیوں میں اس کا ذکر ہے حالانکہ اس کے بعد اور اس کے پہلے بنولحیان کا وجود بھی نہ تھا۔

بنولحیان عرب کے ایک اور قبیلہ کا بھی نام ہے جو اسماعیلی قبائل کی شاخ ہذیل ابن کنانہ کی فرع ہے۔ یہ ظہورِ اسلام میں نجد کے قریب آباد تھی۔ مسلمانوں کو اس کے ساتھ ایک غزوہ بھی پیش آیا تھا۔

مجہول قبائلِ سامیہ

ان قبائلِ مذکورہ کے علاوہ اور بہت سے قدیم قبائل بائدہ کے نام منقول ہیں لیکن نام کے سوا اور کچھ نہیں معلوم۔ مثلاً عبل، عبس اولیٰ، اقیم، ارقم، وبار وغیرہم۔ جاہلی شاعر نابغہ جو اسلام سے کچھ پہلے گذرا ہے، ایک قصیدہ میں عرب کے قبائلِ بائدہ کا بہ تفصیل ذکر کرتا ہے[1]۔

الم تروا ارما ولا عادا　　　افناهم الليل والنهار
وانقرضت بعدهم　　　ثمود بما جنى فيهم قدار
وجاسم بعدهم وطسم　　　قد اوحشت منهم الديار
وحلّ بالحي من جديس　　　يوم من الشر مستطار
ومرّدهم على صحار　　　فهلكت جهرةً صحار
ومتعت بعدهم وبار　　　ولا صحار ولا دبار
بادوا وخلوا رسوم دار　　　فاستوطنت بعدهم نزار
لان لهم سودد وحلم　　　ونجدة شانها وقار
اخنت عليهم صروف دهر　　　له على اهله عثار

---

[1] حمزہ اصفہانی، کلکتہ، ص ۱۱۱ ،

طبقۂ ثانیہ

بنو قحطان

(۲۵۰۰ ق م)

قحطان قبائلِ یمن کا جدّ اعلیٰ تھا۔ عبرانی توراۃ میں قحطان کے بجائے یقطان[1] مذکور ہے۔ توراۃ کے یونانی تراجم میں "یا" کو "جیم" سے بدل کر جقطان استعمال کیا گیا ہے۔ قحطان، یقطان اور جقطان تینوں ایک ہی نام کے مختلف تلفظ ہیں۔ یہ نظریہ گو پہلے علمائے نصرانیت میں مسلّم نہ تھا لیکن اب یہ عام طور سے قبول کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا میں جو زمانۂ حال کی مستحکم ترین سند ہے اس اتحاد کو تسلیم کیا گیا ہے[2]۔ ریورنڈ فارسٹر جنھوں نے انیسویں صدی کے وسط میں عرب کا جغرافیۂ تاریخی لکھا ہے، وہ اس اتحاد کے لیے نہایت بیقرار ہیں[3]، کہ توراۃ کے یقطان کی تاریخی شخصیت کی تصدیق عرب کے قحطان کے سوا کسی اور صورت میں نظر نہیں آتی۔ انہی اسباب سے ہم دیکھتے ہیں کہ توراۃ کے مشرقی تراجم میں یقطان کی بجائے اب عام طور سے قحطان لکھا جاتا ہے۔

قحطان و یقطان کے اتحادِ مسمیٰ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ توراۃ میں جن اولادوں کا ذکر ہے، اصولِ تطابقِ اسماء کی بناء پر ان کا مسکن یمن ثابت ہوتا ہے جس کی تفصیل یہیں آگے آتی ہے۔ توراۃ نے ان کی جائے سکونت "مسا سے صفار پورب کے پہاڑ تک" بتائی ہے[4]۔ مسا اور صفار دونوں مقام مجہول ہیں۔ صفار سے اب عموماً ظفار واقع یمن مراد لیا جاتا ہے۔ مسا سے اگر حجاز مراد لیا جائے[5]، (کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام مسا تھا) تو مطلب یہ ہوگا

---

[1] تکوین: ۱۰-۲۶، [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲، ص ۲۸۴، [3] ج ۱، فصل ۲، [4] تکوین: ۱۰-۳۱

[5] اسی کتاب میں جغرافیۂ عرب حسب بیان توراۃ دیکھو۔

کہ حجاز سے یمن تک بنو قحطان آباد تھے، اور یہ بیان عربوں کی روایت کے بالکل مطابق ہے۔

توراۃ میں ہے کہ قحطان کے تیرہ بیٹے تھے[1]، الموداد، شلف، ہدورام، اوزال، وقلاہ، عوبال، ابی مال، ادفر، حویلہ، یوباب، یارح، حضارموت، شبا۔

عرب رواۃ یارح، حضارموت اور شبا کے سوا کسی اور سے واقف نہیں لیکن یورپ کی مذہبی جماعت نہایت اہتمام و کوشش سے ان میں سے ہر ایک کا وطن و مسکن عرب کے ایک ایک گوشہ میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکال رہی ہے۔ ان کی تحقیقات کا نتیجہ حسب ذیل ہے گو ان کی صحت قطعی نہیں:

الموداد

الموداد اور اس کی اولاد نے مشرقی عرب کے سواحل بحر فارس پر اقامت کی کیونکہ بطلیموس نے الومائیٹو Allumaeots نام ایک عرب قبیلہ کو جو الموداد کے نام سے مطابق ہے، یہیں جگہ دی ہے۔

شلف

بنو شلف حجاز میں مدینہ اور کوہ ذامس کے مابین آباد تھے۔ بطلیموس نے سلفنی نام یہاں ایک قوم کا ذکر کیا ہے جو عبرانی نام کی یونانی شکل ہے۔

ہدورام

ہدورام کی اولاد نے بھی یہی سمت اختیار کی۔ بدرمہ Hadrama نام ایک آبادی کا ابوالفدا نے ذکر کیا ہے۔ اصل نام حضرمہ ہے۔ ان ناواقفوں کو D کے تلفّظ نے دھوکا دیا ہے جو یورپین زبانوں میں عربی کے "ذ" اور "ض" دونوں کا کام دیتا ہے۔ جغرافیۂ ابوالفدا کے یورپین ترجمہ میں حضرمہ کو Hadrama لکھا ہوگا۔

---

[1] تکوین ۱۰: ۳۱-۱۰،

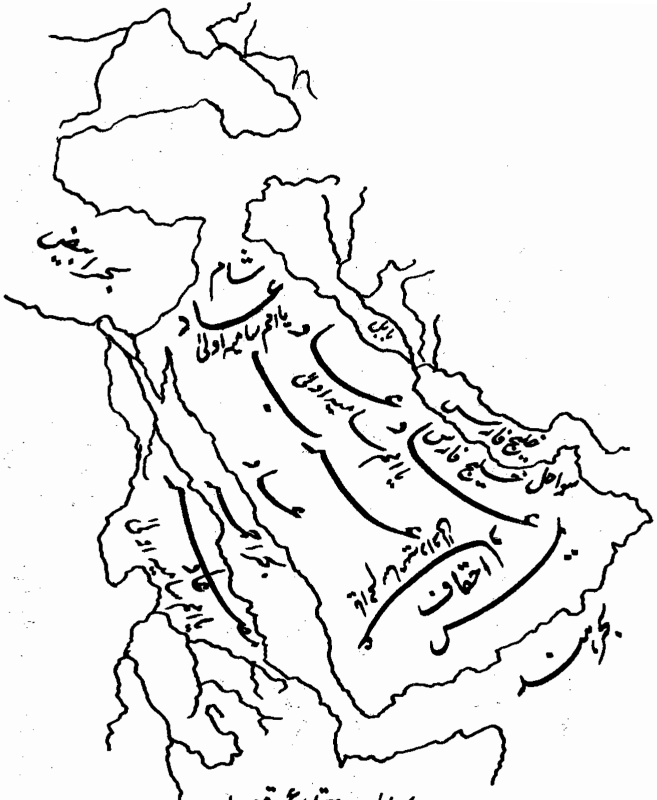
بحر ابیض
شام
عاد
و یا امم سامیہ اولیٰ
بابل
خلیج فارس
سواحل خلیج فارس
یا امم سامیہ اولیٰ
احقاف
یمن
بحر ہند
بحر احمر
یا امم سامیہ اولیٰ

عاد بحالت اجتماع و قوم واحد

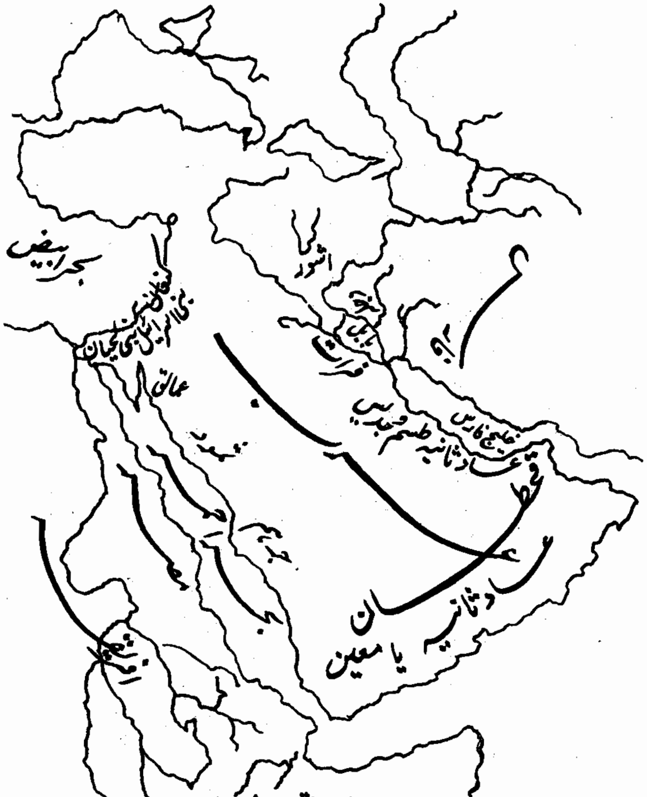
بحر ابیض
بنی اسرائیل بنی لحیان
عمالق
ثمود
اشور
بابل
فرات
خلیج فارس
عاد ثانیہ طسم و جدیس
قحطان
عاد ثانیہ
یا معین
بحر احمر
مصر
افریقہ

عاد بحالت انتشار و افتراق

اوزال

وسطِ یمن میں اس مقام پر آباد ہوئے جہاں اب صنعاء آباد ہے۔ ان ہی کے نام سے یمن میں "ادزال" ایک مشہور شہر تھا۔ یہ شہر حضرت مسیح سے چھ سات سو برس پہلے تجارت کی ایک بڑی منڈی تھی۔ یہاں سے فولاد، تیزپات اور مسالہ لایا کرتے تھے[1]۔ یہود اب تک موجودہ شہر صنعاء کو جو قدیم اوزال کی جگہ چھٹی صدی عیسوی میں آباد ہوا ہے، اوزال ہی کہتے ہیں۔

دقلاہ

یمن میں ایک مقام کا نام "ذوالخلاعہ" ہے۔ شاید وہ عبری دقلا کی عربی شکل ہو۔

عوبال

عرب میں اس خاندان کا نشان نہیں ملتا۔ شاید کہ وہ افریقہ (ایتھوپیا) چلا گیا ہو۔

ابی مائل

بعض اشخاص کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق مسکنِ بنی سالف اور حجاز کے مابین اس کی اقامت ظاہر ہوتی ہے۔

اوفر

بنو اوفر یمن کے سواحل پر جاگزیں ہوئے۔ ان ہی کے نام سے اس مقام کو اوفر کہتے تھے۔ یہ یمن کی قدیم بندرگاہ تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے جہاز یہاں آکر لنگر انداز ہوا کرتے تھے، اور ان کے لیے یہاں سے سونا لاد کرلے جایا کرتے تھے[2]۔ اوفر کے سونے کا تمام اسفارِ یہود میں بکثرت ذکر ہے[3]۔

حویلہ

اس کی اولاد یمن میں شمال کی جانب آباد ہوئی جہاں ان کے نام سے شہر حویلہ آباد ہوا۔

---

[1] حزقیال: ۲۷-۱۹، [2] سلاطین: ۹-۲۸، [3] ایام دوم: ۸-۱۸، و ۹-۱۰، و ۱-۱۱، ایام اوّل ۲۹-۴، سفر ایوبؑ ۲۲-۲۴، و ۲۸-۱۶، زبور ۴۵-۹، اسعیا ۱۳-۱۲

یوباب

یوباب کو یونانی میں جواب کہیں گے۔ یمن کے جنوب میں جوبارٹی کو بطلیموس نے جگہ دی ہے، شاید یہ وہی ہو[1]

یارح، حضرموت اور سبا کے متعلق کسی قدر زیادہ حالات ہم کو لکھنے ہیں۔ اس لیے ان کے لیے مستقل عنوانوں کی ضرورت ہے۔

---

[1] ان تمام بیانات کے لیے دیکھو فارسٹر ج ۱، فصل ۲۔

یارح یا یَعرُب

یارح عبرانی ہے۔ عرب اس کو یَعرب کہتے ہیں۔ السنۂ قدیمہ میں اس قسم کا تغیرِ لہجہ نہایت عام ہے۔ یہودی رواۃِ عرب تمام قبائلِ یمن کو تنہا اسی یعرب کی اولاد قرار دیتے ہیں یہاں تک کہ شبا کو بھی یعرب ہی کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ اور یہی رائے ہمارے ہاں متفقاً تمام علمائے ادب و انساب کی ہے۔ اس غلطی کا سرِ بنیاد صرف عبید بن شریہ وغیرہ یہودِ یمن کے عام افسانے ہیں۔ توراۃ میں قحطان و اولادِ قحطان کے تحریری حالات و انساب موجود ہیں۔ جن کا رتبہ بہرحال یہودیوں کی زبانی کہانیوں سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

روایاتِ عرب کے رُو سے یعرب یمن کا سب سے پہلا بادشاہ ہے۔ یا یوں سمجھو کہ تمام بنو قحطان میں نسلِ یعرب پہلی حکمران جماعت ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ دعائے شاہانہ جو اسلام سے پہلے جاہلیت میں جاری تھی یعنی اَبَیْتَ اللّعْنَ وانْعِمْ صَبَاحاً سب سے پہلے اسی کو دی گئی۔ یہ بھی مشہور ہے کہ عربی زبان کا سب سے پہلا متکلّم فصیح یہی تھا۔ حسان بن ثابتؓ (مشہور شاعر صحابی) فرماتے ہیں:

تعلمتم من منطق الشیخ یعرب اَبِینا، فصرتم معربین ذوی نفر
وکنتم قدیماً لکم غیر عجمیۃ کلام، وکنتم کالبھائم فی القفر

یہاں تک تو غنیمت ہے۔ آگے چل کر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ "عربی" اور "عرب" کا نام بلکہ وجود اسی "یعرب" سے ماخوذ ہے۔ ہماری رائے میں یہ دعویٰ صرف لفظ "یعرب" اور "عرب" کی مناسبت لفظی پر مبنی ہے۔ بلکہ یعرب کی فصیح اللسانی کا دعویٰ بھی عجب نہیں کہ اسی نام کی معنوی مناسبت کا نتیجہ ہے "یُعرب" اور "اعراب" ہم مادہ ہیں اور اعراب کے معنی عربی زبان میں صفائی

کے ساتھ اظہارِ مطلب کے ہیں۔

توراۃ میں یعرب کی اولاد کا حال مذکور نہیں۔ رواۃِ عرب لیشجب نام اس کے ایک بیٹے کا ذکر کرتے ہیں اور سبا کو توراۃ کے برخلاف یعرب (یارح) کے بھائی کے بجائے یعرب کا پوتا اور لیشجب کا بیٹا کہتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان دونوں ماخذوں میں معتبر تر کون ہے! یہ بھی روایت ہے کہ یعرب خود یمن کا فرمانروا ہوا اور اپنے بھائی جرہم کو حجاز کا حاکم بنایا۔ توراۃ میں یعرب کے تمام بھائیوں کے نام مذکور ہیں، ان میں جرہم کسی کا نام نہیں۔ جرہم البتہ ایک الگ قبیلہ تھا جس کا ذکر ہم "امم سامیہ" کے عنوان میں مفصل کر آئے ہیں۔

مصنفِ جغرافیۂ عرب ریورنڈ فارسٹر اور ان کی گمراہ کن پیروی میں مصنف "خطبات احمدیہ" نے یہ ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ یارح، یعرب اور جرہم ایک ہی نام ہے۔ یارح اور یعرب کا اتحاد تو ظاہر ہے لیکن یارح اور جرہم میں باہم کیا تعلق ہے؟ یہ غلطی اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ یونانی تلفظ میں جس کی تمام السنۂ یورپ میں تقلید ہے، "ی" "ج" سے بدل کر "یرح" کا "جورح" ہو گیا ہے۔ اس بنا پر ایک یورپین کی نگاہ میں جرح اور جرہم ایک نظر آئے تو تعجب نہیں، لیکن ایک عرب نژاد مسلمان کو کیونکر دھوکا ہوا؟ حالانکہ واقعہ یہ ہوا کہ جرہم خاص سامی التلفظ نام ہے، یونانی نہیں۔ کیونکہ اسمائے قدیم کے متعلق عربوں کی معلومات براہِ راست یہودیوں سے ماخوذ ہیں جن کی زبان عبرانی و سریانی تھی اور یا خود ان کی عربی موروثی روایات ہیں۔ اور ان دونوں کے لحاظ سے "ی" اور "ج" کا مبادلہ غیر مسلّم ہے۔ یہ مبادلہ سامی (عبری و عربی) اور غیر سامی (یونانی و لاطینی) زبانوں کے مابین ہوتا ہے، ورنہ خود سامی زبانوں کے اندر اس قسم کا مبادلہ کبھی نہیں ہوتا۔

یعرب اور نسلِ یعرب اور اس کی حکومت کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ روایاتِ عرب میں غلطی سے سبا کو یعرب کی فرع تسلیم کر کے تمام قبائل سبا اور حکومتہائے سبا کو قبائل یعرب اور حکومتہائے یعرب کہتے ہیں۔ لیکن ہم بحوالۂ توراۃ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ سبا اور یعرب دونوں قحطان کی الگ الگ اور مستقل شاخیں ہیں۔ اہلِ معین کا دورِ حکومت جیسا کہ گذرا، سترہویں صدی ق م سے شروع ہوتا ہے اور امم سامیۂ اولیٰ (عاد وغیرہ) حرمین پر قابض تھے، ان کی تباہی ٨٠٠ ق م میں ہوئی ہے تو کیا درمیانی زمانہ بنو یعرب کا فرض کیا جائے۔

حصارِ موت[1] یا حضر موت

عبری زبان میں "ض" نہیں ہے اس لیے حضر موت کا تلفظ حضر موت، حصر موت یا حصارِ موت بہ زیادتِ الفظ ہے۔ حضر موت کی اولاد نے جس قطعۂ عرب کو اپنا مسکن بنایا وہ حضر موت کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ حضر موت عرب کے انتہائی جنوب میں بحر عرب کے سواحل پر یمن کے مشرق میں واقع ہے۔

بنو حضر موت کی ایک مستقل حکومت تھی جس کا ذکر یونانیوں نے جابجا کیا ہے۔ مسلمان مؤرخین بھی اس دورِ حکومت سے واقف تھے۔ علم الآثار نے بھی یہاں کے متعدد بادشاہوں کے نام دریافت کیے ہیں۔ یونانی زبانوں میں باہم "ح" اور A اور CH "ض" اور D اور T اور S میں مبادلہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضر موت کا تلفظ یونانی میں مختلف طرق سے ہوا ہے۔ سینٹ جیروم نے Hasar maweth پلینی نے Atranitae Chatramotitai اور بطلیموس نے Athramitae اور Chatramotitae کیا ہے[2]۔

عرب مؤرخین نے حضر موت کی گو مفصل تاریخ کہیں بیان نہیں کی ہے لیکن اتنا ان کو معلوم تھا کہ سبا کی طرح اس خاندان میں بھی متعدد بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں۔ ان کا لقب عیاہل ہوتا تھا۔ مؤرخینِ عرب کا بیان ہے کان نیہم ملوك تقارب ملوك التبابعة فی علو الصیت ونباحة الذکر، یعنی شاہانِ حضر موت شہرت اور ناموری میں تبابعۂ یمن کے ہم درجہ تھے۔ ابنِ خلدون نے تاریخ میں بعض بادشاہوں کا ذکر کیا ہے۔ نشوان بن سعید حمیری نے بھی ان کا نام لیا

---

[1] فارسٹر اور بیوان [2] قصیدہ حمیریہ قلمی کتب خانہ بانکی پور۔

رعیاھل مــن حضرموت من بنی   اجماذوی الاشبا وآل صباح
والعزمن جدن وابنامــرۃ   وبنی شبیب والاولی بنــاح
وبنی الھزیل وآل فھــد منھم   من کل حش بالندی سرتاح

فرزندانِ حضرموت زیادہ تر لڑائیوں میں برباد ہو گئے اور جو بچے انہوں نے اپنے کو قبیلہ کندہ میں منضم کر دیا۔ ابنِ خلدون کی عبارت ہے:

قد ذھب اکثرھم واندرج باقیھم	اکثر لوگ فنا ہو گئے جو بچے وہ قبیلہ کندہ میں مختلط
فی کندۃ وصادوا فی عــدادھم[1]	ہو گئے اور ان کا شمار ان ہی میں ہو گیا۔

بنی حضرموت چونکہ بحرِ عرب کے ساحل پر آباد تھے جو تقریباً جنوبی ہندوستان کے سامنے ہے اس لیے ہندوستان کی بحری تجارت کے یہ عہدِ قدیم سے مالک تھے۔ ہندوستان کا تمام بیوپار ان ہی کے توسّط سے انجام پاتا تھا۔ جہاز رانی میں ان کو خاص دستگاہ حاصل تھی۔ اسلام کے بعد ان کی یہ قوّت اور زیادہ نمایاں ہو کر چمکی۔ جزائرِ ہند، جادہ، سماطرہ اور تمام سواحلِ ہند میں ان کی نو آبادیاں قائم ہیں۔ دکن کی فوجی طاقت میں حیدر آباد اور مرہٹوں کے زمانہ تک ان کا عنصر ایک جزو اہم تھا۔ ان ساحلی جزائر میں اشاعتِ اسلام کی خدمت بھی ان ہی حضرموتی عربوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہے۔

حضرموت اور توراۃ حضرموت ان خوش نصیب عرب قبائل میں ہے جن کا نام توراۃ میں مذکور ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ خوش نصیبی نام کی حیثیت سے صرف ایک ہی بار نصیب ہوتی ہے یعنی قحطان کے بیٹوں کے سلسلہ میں۔ لیکن حضرموت کے بندرگاہ قانہ یا قانع کا نام تجارت کی مناسبت سے مذکور ہے۔ حزقیال میں ہے[2] "ماران اور قانہ اور عدن، سبا کے تاجر اسیریا..... تیرے بیوپاری تھے۔" قانہ کی بندرگاہ کتبات میں بھی مذکور ہے۔

حضرموت اور یونان یونان نے بھی بحری تجارت اور ہندوستانی بیوپار کے تعلق سے ان کا ذکر کیا ہے۔ اراٹوستھینس Erotosthenes المتوفی ۱۹۶ ق م، بیان کرتا ہے کہ یمن کے آخر

---

[1] تاریخِ ابن خلدون ج ۲، ص
[2] حزقیال، ۲۷-۲۲،

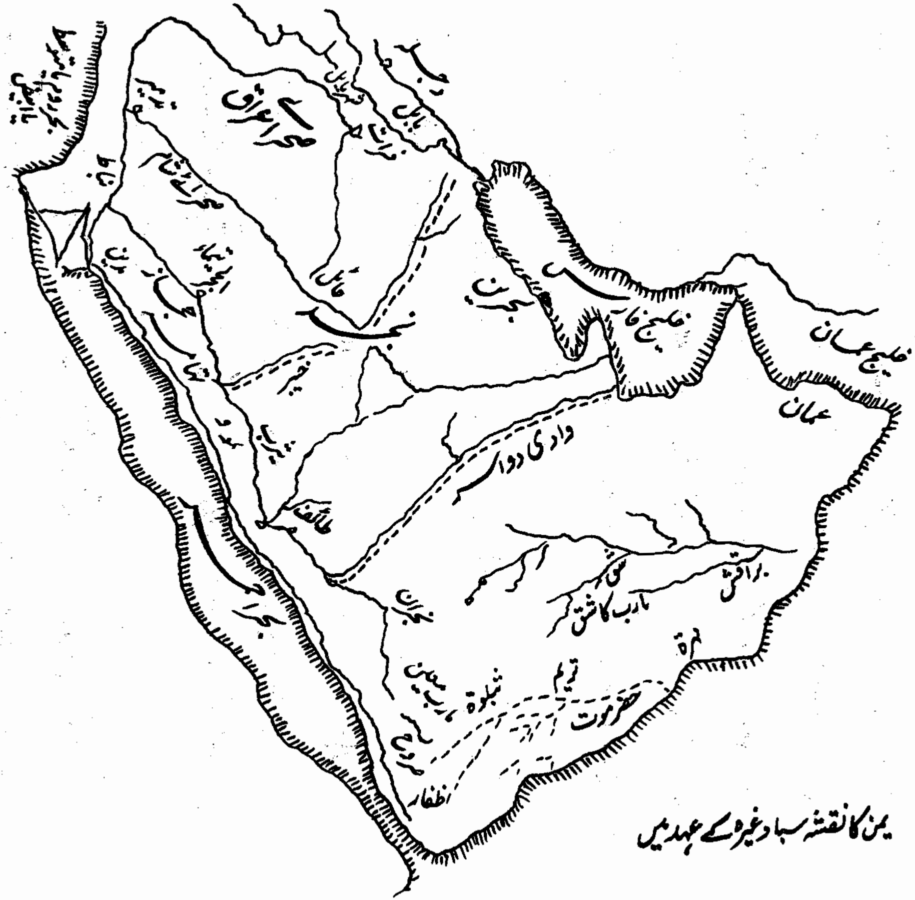
بحر روم یا متوسط یا ابیض
نباط
تدمر
صحرائے عراق
دجلہ
بابل
فرات
صحرائے شام
حائل
نجد
مدین
حجاز
تہامہ
خیبر
یثرب
طائف
بحرین
فارس
خلیج فارس
خلیج عمان
عمان
وادی دواسر
بحر احمر
نجران
مارب
معین
شبوة
تریم
حضرموت
براقش
ظفار

یمن کا نقشہ سبا وغیرہ کے عہد میں

یں مشرق کی طرف حضرموت Chatramitis ہے۔ اس کے دارالحکومت کا نام سبا تھا Sabatha ہے۔ سباتھا کا اصلی تلفظ "شبوہ" ہے جو اب تک حضرموت کی ایک مشہور آبادی ہے۔ یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے، "حضرموت زیادہ تر بخورات پیدا کرتا ہے لیکن ہر قسم کے میوے بھی وہاں وافر اور جانور بھی بکثرت ہوتے ہیں۔ حضرموت سے سبا کا ملک چالیس روز کی مسافت پر ہے۔۔۔ حضرموت اور شبا نہایت دولتمند شہر ہیں، وہ مذہبی اور شاہی عمارات سے آراستہ ہیں۔

پلینی (۷۹ء) کہتا ہے "سبا کے ایک حصہ کا نام حضرموت ہے جس کا خاص شہر سبا (شبوہ) ہے اس شہر میں ۶۰ ہیکل ہیں،۔۔۔۔ یہاں سے بخورات جمع کر کے سباتھا لائے جاتے ہیں۔ اس وقت تک یہ خرید نہیں کیے جا سکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جا سکتا ہے جب تک کاہن سباتھا کے دیوتا کے لیے ایک عشر (دسواں حصہ) ان سے نکال نہیں لیتا۔[1]

ایک یونانی مؤرخ لکھتا ہے کہ "حضرموت میں بادشاہ وراثۃً نہیں ہوتا بلکہ شرفائے ملک کے گھر میں بادشاہ کے انتخاب کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے وہی ولی عہد قرار پاتا ہے۔"

تھیوفراسٹینس Theophrastus جو تاریخ طبیعی کا مصنف ہے، بیان کرتا ہے کہ "لوبان و عود وغیرہ بخورات سبا اور حضرموت کے عرب اضلاع میں پیدا ہوتے ہیں۔۔۔۔ یہ تمام ملکِ سبا کے متعلق ہے[2]۔ تھیوفراسٹینس کا زمانہ ۳۱۲ ق م ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہدِ قدیم میں بھی حضرموت سبا سے آزاد نہ تھا۔

حضرموت اور آثار قدیمہ حضرموت کے آثار کی تحقیق بہت کم ہوئی ہے۔ ۱۹۱۳ء تک جو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اوّل کے طبع کی تاریخ ہے، حضرموت کے پایہ تخت شبوہ میں سینکڑوں کتبات ایسے موجود تھے جو پڑھے نہیں گئے تھے[3]۔ تاہم جو آثار دریافت ہو چکے

---

[1] ان دونوں یونانی حوالوں کے لیے دیکھو Duncker's *History of Antiquity* pp. 310, 311, 313.

[2] Heeren's *Historical Researches of Antiquity* p. 351

[3] Heeren's *Historical Researches of Antiquity*, p. 351.

ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرموت کا تعلق نہایت قدیم زمانہ سے معین کے ساتھ تھا۔ بلکہ حضرموت کا خاندان معین کے ساتھ نسبی تعلقات بھی رکھتا تھا اور قانہ کا بندرگاہ اور ملک کا ایک ٹکڑا ایک حد تک اس کے ماتحت تھا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد حضرموت کا نام سبا کی ماتحتی میں نظر آتا ہے[1]۔

سبا کا زمانہ نو سو یا دس سو ق م سے ایک سو پندرہ ق م تک فرض کیا گیا ہے۔ اس دَور میں بھی حضرموت کی حکومت کا ذکر جنگ و صلح کے تعلق سے آتا ہے۔ شاہانِ سبا کے خطاب شاہی کے ساتھ "شاہ حضرموت" کا لقب بھی نظر آتا ہے۔ سواحلِ یمن کی دوسری جانب ملک حبش ہے۔ اہلِ حبش بھی حقیقت میں سبائی عرب تھے۔ انہوں نے اپنی نوآبادی زمانۂ قدیم میں اپنے وطن کی دوسری مقابل جانب میں قائم کی تھی۔ اس زمانہ میں رفتہ رفتہ وہ بھی سواحلِ حضرموت پر واپس آرہے تھے۔ تقریباً ۳۰۰ء میں بالآخر حضرموت پر انہوں نے استیلا حاصل کرلیا[2]۔

حضرموت کے بادشاہوں کے جو نام کتبات و نقوش میں پڑھے گئے ہیں ان میں سے ہم کو صرف دو معلوم ہیں "صدوق ایل" اور "معدی کرب"۔ معدی کرب صدوق ایل کا پوتا تھا اور معین کے بادشاہ ابی یدع یاثع کا چچا اور معاصر۔

حضرموت اور اسلام ۱۰ھ میں حجاز و نجد سے فارغ ہوکر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یمن میں حضرت علیؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو اصلاً یمنی تھے، دعوتِ اسلام کی غرض سے یمن بھیجا۔ ایک ہی سال کے اندر اندر تمام ملک مسلمان ہوگیا تھا۔ اسی سال زیاد بن ولید خزرجی یہاں عامل مقرر ہوکر آئے۔ عہدِ اسلام میں حضرموت کا آخری بادشاہ ہوا وائل بن حجر تھا۔ حضرموت کی زبان حجاز کی زبان سے مختلف تھی۔ شاہانِ عالم کے سلسلہ میں وائل کو عربی میں جو خط لکھا گیا تھا۔ وہ حضرموتی الفاظ کی آمیزش کے ساتھ تھا۔

> من محمد رسول اللّٰہ الی الاقیال لعباهلة ، والارواع المشابیب .... فی التیعة لامقورة
> الالباط ، ولاخناك رانطوا لثبجة رفی السیوب الخمس ومن زنام بكم ناصفعوه مائة
> واستوفقوه عاما ومن زنام ثیب فضرجوه بالاضامیم ولا تو ..... فی الدین ،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ۔ [2] Huart's *Histoire Des Arabes Tome* I, p. 47

سبا

یہ امم قحطانیہ کی سب سے مشہور شاخ ہے۔ ایک طرف روایاتِ عرب، حکایاتِ یونان اور آثارِ قدیمہ ہیں۔ دوسری طرف قرآن مجید، توراۃ، زبور اور انجیل میں اس کی شہرت و رفعت کی داستانیں اور واقعات موجود ہیں۔ جنوبی و شمالی عرب جو تمدن کے گہوارے تھے، اس کی حکومت کے مرکز ہیں۔ لیکن اس کی حکومت کو حقیقی وسعت و اقتدار جنوبی عرب میں حاصل تھا۔ معین کی حکومت اب برسرِ زوال تھی۔ یمن میں معین کے قلعوں کے چاروں طرف سبا نے اپنے قلعے قائم کر لیے تھے۔

نام توراۃ میں شبا ایک جدِّ قبیلہ کا نام ہے۔ عرب روایت کے مطابق اس جدِّ قبیلہ کا نام عمر یا عبد شمس اور لقب سبا تھا۔ محققینِ جدید بھی زیادہ تر اس کو لقب خیال کرتے ہیں۔ لغویینِ عرب کی رائے ہے کہ یہ "سبی" سے مشتق ہے جس کے معنی غلام بنانے کے ہیں۔ چونکہ عبد شمس بہت بڑا فاتح تھا اور اس نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے غلام بنایا اس لیے اس کا لقب سبا قرار پا گیا۔ تحقیق جدید یہ ہے کہ "سبی" اور "سبا" اس معنی سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم "تجارت" ہے۔ کتبات عموماً "سبا" کا مادہ تجارتی سفر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے[1]۔ عربی زبان میں یہ اب تک "شراب یا تجارت اور خرید و فروخت اور اس کے لیے سفر کے معنی میں مستعمل ہے۔ سبا چونکہ تاجر قوم تھی اس لیے اس لقب سے مشہور ہوئی۔

زمانہ سبا کا زمانۂ عروج کب سے شروع ہوتا ہے؟ روایاتِ عرب میں براہِ راست اس کا کوئی ذکر نہیں لیکن تمام مؤرخین اور اہلِ نسب نے عبد شمس سبا کو قحطان کا پوتا لکھا ہے اور اس کی حکومت کا زمانہ ۴۸۴ برس بتاتے ہیں[2]۔ اس کے بعد اس کا جانشین ان کی تصریح کے مطابق حمیر ہوتا ہے۔ بہ قاعدۂ عام عبد شمس سے اگر عبد شمس کا خاندان مراد لیا جائے تو قحطان کی تیسری پشت سے، جو کم از کم ۲۵۰۰ ق م

---

[1] *Encyclopaedia Britanica* Vol 23, p. 955.

[2] مروج الذہب مسعودی: ج ۱، ص ۱۹۲، مصر

یں ہوگی، اس کا زمانہ شروع ہوکر ۴۰۰ برس کے بعد ۲۰۰۰ کے پس و پیش میں ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ سبا اور حضرت سلیمانؑ (۹۵۰ ق م) کی معاصرت قرآن مجید، اسفار یہود اور انجیل سے اس کے ایک ہزار برس کے بعد بھی ثابت ہے۔

اسفار یہود میں سبا کا حکومت کی حیثیت سے ذکر سب سے پہلے حضرت داؤدؑ کی زبور میں نظر آتا ہے[1] اس سے ثابت ہوتا ہے ۱۰۰۰ ق م سے پہلے عہدِ عروج شروع ہو چکا تھا۔ اسیریا کے کتبات میں ۷۱۵ ق م میں اس کا ایک بادشاہ اسیریا کو خراج دیتا ہے۔ یہ سبا کی ترقی کا درمیانی زمانہ ہے۔ آخر میں ولادتِ مسیح کے پس و پیش یونانی تاریخوں میں بھی اس کا ذکر ملا ۔ اس سے سبا کا آخری زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔

یمن کی تمام قدیم حکومتوں میں سے سبا کے آثار و کتبات سب سے زیادہ ملے ہیں۔ یہ کتبے اکثر غیر مؤرخ ہیں لیکن بعض اوقات، اشارات اور خود کتبات کے حوالوں کی مدد سے علمائے آثار نے زمانہ کی تحدید کرنی چاہی ہے۔ یہ متفق طور سے ثابت ہے کہ از روئے کتبات ۱۱۵ ق م سبا کی آخری تاریخ ہے۔ ابتدائی تاریخ کی نسبت بھی یہ متفق ہے کہ وہ نویں صدی ق م سے پیچھے نہیں ہے، اور بعضوں کی رائے ہے کہ انیسویں صدی ق م سے پیچھے نہیں ہے[2]۔ ہماری رائے ہے کہ چونکہ حضرت داؤدؑ کی زبور میں جس کا زمانۂ تصنیف دسویں صدی ق م کا وسط حصہ ہے، شاہانِ سبا کا ذکر صریح موجود ہے، اس لیے سبا کا ابتدائی زمانۂ عروج ۱۱۰۰ ق م سے کسی حال میں کم نہیں ہو سکتا۔

دائرۂ حکومت سبا کا اصلی مرکزِ حکومت جنوب عرب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا۔ اس کا دار الحکومت شہر مارب تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مغرب میں حضر موت تک وسیع ہو گیا تھا۔ اور چونکہ یہ ایک تاجر قوم تھی اس لیے بہت سے بحری اور تجارتی راستوں پر بھی اس کو قبضہ کرنا پڑا تھا۔ اسی سلسلہ میں شمالی عرب میں سبا کی حکومت نظر آتی ہے اور افریقہ میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں۔ حبشہ میں اذینہ کا ضلع سبا کے ماتحت تھا۔ اس ضلع پر "معافر" کے لقب سے ایک سبائی گورنر حکومت کرتا تھا[3]۔ یمن سے براہ حجاز شام تک

---

[1] زبور داؤد : ۷۲-۱۰ ، [2] Encyclopaedia Britanica, Vol II, p 264

[3] *Encyclopaedia Britanica,* Vol 23, p 468

جو قدیم تجارتی راستہ تھا، یہ بھی ان ہی کے قبضہ میں اس وقت نظر آتا ہے۔ اور اس پر جا بجا نو آبادیاں قائم معلوم ہوتی ہیں۔ غالباً ان مقامات پر سبا کا قبضہ و استیلاء نویں یا آٹھویں صدی میں اہلِ معین کے مفتوح ہونے کے بعد ہوا ہوگا۔

اسیریا کے بادشاہ سرجون کے ایک کتبہ میں جو ۷۱۵ ق م کا ہے، شمالی عرب کے چند قبائل کا ذکر ہے۔ ان میں ایک کا نام "شیمر سبائی" ہے۔ یہ سرجون کو خراج دیتا ہے[1]۔ سرجون کا یمن تک آنا آثار سے ثابت نہیں ہے۔ اس لیے لامحالہ خود سبا کا گذر وہاں تک ہوا ہوگا۔ اس واقعہ سے سبا کی حکومت کا دقبہ شمالی عرب میں عراق تک ثابت ہوتا ہے اور سبا کی حکومت کا ان اطراف میں سراغ بھی ملتا ہے۔ سفر ایوب (۱۔) میں ہے کہ سبا نے اور اہلِ اسیریا نے حضرت ایوبؑ کے غلام اور جانور لوٹ لیے"۔ (۱۹۔۶) میں ہے کہ "سبا کے ساتھی تیماء کے سواروں کا انتظار کرتے ہیں۔" تیماء شام کے پاس شمالی عرب میں ایک شہر ہے۔ اس آیت سے سبا اور شام کے تعلقات ظاہر ہوتے ہیں۔ دیگر اسفارِ یہود میں بھی سبا کا بکثرت ذکر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک شام و فلسطین و مدین کے آس پاس بھی سبا کی نو آبادیاں تھیں۔

سبا اور اس کی شاخوں میں امتیاز

عام عرب مؤرخین نے حمیر کو سبا کا بلا واسطہ جانشین فرض کیا ہے اور ان تمام ملوکِ یمن کو جو اس سلسلہ میں اوّل سے آخر تک گذرے ہیں ان کو حمیر بن سبا اور ملوکِ حمیر بن سبا سمجھتے ہیں۔ اس بناء پر مستقلاً خاص سبا کے نام سے کسی زمانہ میں بھی ان کے اصول کے مطابق کوئی حکومت نہ تھی۔ لیکن تصریحِ قرآن کے یہ بالکل مخالف ہے۔ اس نے حمیر کے بلا توسط حکومتِ سبا کا صاف و صریح نام لیا ہے اور تمام عبرانی، یونانی اور اثری شہادت قرآن کے ساتھ ہیں۔ عبرانی صحائف جن کا زمانۂ آخر ۴۰۰۱ ق م ہے، حکومتِ یمن کا ہمیشہ سبا کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ یونانی مؤرخین نے ۲۰ ق م سے پہلے حمیر کا نام نہیں لیا ہے۔ آثار میں ۱۱۵ ق م کے بعد حمیر خاندان کا وجود نظر آتا ہے۔

---

[1] Encyclopaedia Britanica, Vol. 23, p. 468.

مؤرخینِ عرب نے ایک بڑی غلطی یہ کی ہے کہ حمیری بانیٔ حکومت سے حمیر ابن سبا تک جتنے آبائے نسب تھے ان سب کو بادشاہ قرار دے کر وہیں سے حمیری حکومت قائم کر دی۔ حالانکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک فرزند قبیلہ جو اتفاق سے ایک سلطنت کا بانی ہو جائے، اس سے لے کر خود پدرِ قبیلہ تک اس سلطنت کی نسبت مسلسل ہو۔ ابوالعباس سفاح عباسی حکومت کا بانی ہے لیکن اس خاندان کے پدرِ اوّل حضرت عباسؓ اس سے پانچ چھ پشت پہلے ہیں۔ اس بنا پر نسبِ عباسی کی ابتدا، بیشک حضرت عباسؓ سے کی جائے گی لیکن ظاہر ہے کہ حکومت عباسی کی ابتدا حضرت عباسؓ سے نہیں بلکہ سفاح سے کی جائے گی۔ اس طرح نسب حمیری کی ابتدا حمیر بن سبا سے ہے لیکن حکومت حمیری اس کے سینکڑوں برس بعد قائم ہوئی اور نسب خاندانی کے لحاظ سے صحیح طور پر اس کو حمیری کہا گیا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ خود حمیر بن سبا نے اس کی بنیاد بھی ڈالی۔ امیر معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کی حکومت کا نام اُمویہ ہے لیکن کیا اس کا یہ مفہوم ہے کہ خود اُمیہ اس کا بانی بھی تھا۔

سبا کو چھوڑ کر سبا کی متفرق شاخوں میں جو بادشاہ گذرے ہیں ان کے نام و تعداد و حالات کسی قدر زیادہ روشن ہیں۔ اس بنا پر ان کا زمانہ ۶ یا ۷ سو برس سے زیادہ نہیں[1] اس زمانہ کی انتہائی حد معلوم ہے یعنی تقریباً ۶۰۰ء جو ظہورِ اسلام کا زمانہ ہے اس حساب سے ابتدائے تفرق ۱۱۵ ق م یا علی العموم پہلی صدی ق م ہونا چاہیے، اور یہ وہی زمانہ ہے جس کو گلازر وغیرہ نے ابتدائے حمیر و انتہائے سبا کے لیے از روئے آثار مقرر کیا ہے۔ اس بنا پر اس زمانۂ تفرّق و تفرّع سے پہلے فرزندانِ سبا کا جو مشترک زمانہ تھا، حکومتِ سبا سے وہی عہد مراد ہے۔

فرمان روایانِ سبا حکومت سبا کا تحریری حیثیت سے سب سے پہلے ۱۰۰۰ ق م میں حضرت داؤدؑ کے عہد میں نظر آتا ہے۔ اس زمانۂ بعید العہد میں بھی سبا کی دولت و حشمت ہمسایہ بادشاہوں کی نگاہوں میں قابلِ رشک تھی۔ حضرت داؤدؑ زبور میں کہتے ہیں :

---

[1] حمزہ اصفہانی سے ملوکِ غسان اور مناذرہ کے زمانوں کو جمع کرو اور حمیر کے زمانہ کی تعدیل کر کے دیکھو۔

"الٰہی! اپنے بادشاہ کو اپنا فیصلہ عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو راستی۔۔۔۔ شبا اور سبا کے بادشاہ اس کو نذریں دیں گے۔۔۔۔ اور شبا کا سونا اس کو پیش کیا جائے گا۔"[1]

بادشاہ (داؤدؑ) کی دعا قبول ہوئی اور بادشاہ کے بیٹے (سلیمانؑ) کی بارگاہ میں سبا کے بادشاہ نے نذر دی اور سبا کا سونا اس کے سامنے پیش کیا۔ ۹۵۰ ق م میں جو تقریباً حضرت سلیمانؑ کا عہد ہے۔ از روئے قرآن و توراۃ سبا پر ایک عورت حکمران تھی۔ رواۃِ عرب اس عورت کا نام بلقیس بتلاتے ہیں لیکن بلقیس کا جو زمانہ قرار دیتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ مفصل بحث آگے آئے گی۔

سرجون یا شرغون شاہِ اسیریا کے عہد میں جس کا زمانہ ۷۲۱ ق م تا ۷۰۵ ق م ہے، ملکِ سبا پر ثیعمر نام کا بادشاہ تھا، سرجون نے اپنے ایک یادگاری[2] کتبہ پر لکھا ہے کہ "اس کو۔۔۔۔ ثمود۔۔۔۔۔ شمسیہ ملکۂ عرب (عربی) اور ثیعمر سبائی نے خراج دیا۔" یہ متفق ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ سرجون یمن تک نہیں پہنچا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ خود سبا حدود اسیریا تک پہنچ گئے تھے۔ اس کی تائید سفر ایوب سے بھی ہوتی ہے جس میں کلدان (اسیریا) اور سبا کو باہم متحداً شمالی عرب کے حدود میں ظاہر کیا گیا ہے۔

ثیعمر سبا کے متعدد بادشاہوں کا نام ہے۔ ان ہی میں سے ایک وہ ثیعمر بھی ہے جس نے سبا کے دارالحکومت مارب میں سدّ عرم کی بنیاد ڈالی۔

عرب مؤرخین نے چونکہ سبا اور حمیر میں کوئی تفریق نہیں کی ہے اس لیے سلسلۂ حمیر سے الگ انہوں نے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ حمیر کے انہوں نے دو ٹکڑے کیے ہیں، ملوکِ حمیر اور تبابعۂ حمیر۔ ملوک وہ ہیں جو صرف یمن میں حکمران تھے۔ تبابعہ وہ ہیں جن کے ماتحت یمن و حضرموت دونوں تھے۔ ان کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلا تبّع حارث الرائش ہے۔ ملوکِ حمیر کی تعداد ان کے ہاں بہت کم ہے بلکہ بعضوں نے تو اس طبقہ کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ وہ حمیر بن سبا کے بعد فوراً بلاواسطہ یا بچند واسطہ حارث الرائش کا نام لے لیتے ہیں۔ حالانکہ حمیر اور حارث کے

---

[1] زبور: ۷۲-۱۰-۱۵، [2] تاریخ بابل راجرس امریکانی جلد ۲، صفحہ ۱۶۴،

درمیان کم ازکم ایک ہزار برس کا فصل ہے جس کی رخنہ پُری صرف مخصوص مؤرخین نے کی ہے۔ لیکن وہ باہم اس قدر مختلف ہیں کہ نتیجۃً ان سب کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔ اس بے اعتباری کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بجز چند ناموں کے ان میں سے کوئی نام سبائی اسماء کے طرز کا نہیں ہے۔ حالانکہ ناموں کے اسلوب و طرز کو قومیت کی تعیین میں بہت بڑا دخل ہے۔ بہرحال مثالاً چند مختلف مستند روایات سے یہ درمیانی نام پیش ہیں:

نشوان بن سعید حمیری	قلقشندی	ابو الفداء	ابن خلدون	مسعودی
سبا	سبا	سبا	سبا	سبا
حمیر	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر
الہمیسع	الہمیسع	وائل	وائل	کہلان
ایمن	ایمن	السکسک	السکسک	ابو مالک
زہیر	زہیر	یعفر	یعفر	جابر بن غالب
عریب	عریب	ذو ریاش	نعمان	حارث الرائش
الغوث	قطن	نعمان	ذو ریاش	
وائل	الغوث	اشمح	اشمح	
عبد شمس	وائل	شداد	حارث الرائش	
زہیر الصوار	عبد شمس	لقمان		
ذویقدم	زرعہ حمیر اصغر	ذو سدد		
ذوانس	شدد	الحارث الرائش		
عمرو	الحارث الرائش			
الملطاط				
القلیص				

نشوان بن سعید حمیری	قلقشندی	ابوالفداء	ابن خلدون	مسعودی
سدد الحارث الرائش				

غالباً اسی اختلاف و اختلاط کی بنا پر حمزہ اصفہانی نے حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان نام چھوڑ دیئے ہیں اور مجملاً لکھا ہے کہ حمیر بن سبا انتہائے عمر کو پہنچ کر مر گیا۔ اس کی نسل اس کے بعد وراثۃً حکومت کرتی رہی اور ان کے خاندان سے نکل کر یمن کی مملکت دوسروں کو نہیں ملی۔ یہاں تک کہ صدیاں گذر گئیں اور حکومت حارث الرائش کے ہاتھ میں آئی۔ یہ پہلا تبع ہے۔ حارث سے پہلے حکومتِ یمن سبا اور حضرموت دو ٹکڑوں پر منقسم تھی۔ کل اہلِ یمن ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے لیکن حارث الرائش جب بادشاہ ہوا تو سب اس پر متفق ہو گئے اور اس کے تابع بنے۔ اس لیے اس کا نام تبع پڑا۔ حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان پندرہ پشتیں ہیں[1]۔

اس عبارت میں آخری فقرہ کے علاوہ اور سب نہایت محتاط و قابلِ قبول باتیں ہیں۔

تبابعہ زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ ق م سے شروع ہوتے ہیں۔ اس بنا پر اگر بقولِ صحیح سبا کی اور بقولِ عرب ملوکِ حمیر بن سبا کی ابتدا کم از کم ۱۰۰۰ ق م سے یعنی زمانۂ داؤد سے ہو تو تبابعۂ حمیر کے پہلے ملوکِ حمیر یا سبا کے لیے ۹۰۰ برس رہتے ہیں۔ اگر ایک ایک بادشاہ کا اوسطِ زمانہ پچیس برس بھی فرض کیا جائے تو کم از کم اس عرصہ میں چھتیس پشتیں ہوں گی۔ اس لیے "حمیر بن سبا" کے معنی صرف یہ لینی چاہئیں کہ حمیر جو سبا کے اولاد اولاد میں تھا اور جو تقریباً ۱۱۵ ق م میں دولتِ حمیریہ کا بانی ہوا۔" اس حمیر اور حارث رائش کے درمیان پندرہ پشتیں ہونا ممکن ہے۔

بہر حال رواۃِ عرب نے تبابعۂ حمیر سے پہلے کے جو نام ملوکِ حمیر کے نام سے بتائے ہیں، وہ بہت کچھ محتاجِ نقد و صحیح ہیں۔

آثار و کتبات نے تاریخِ یمن کا جو حصہ روشن کیا ہے نوشتہائے یونان و روما کی مدد

---

[1] حمزہ اصفہانی، ص ۱۰۸، کلکتہ

ے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ د رحقیقت اشارۂ قرآن کے مطابق حکومت یمن کے دو مستقل دَور، دو مستقل ناموں سے ہیں، سبا اور حمیر۔ سبا کی انتہا معلوم و متفق ہے کہ وہ ۱۱۵[1] ق م ہے اور یہی سال حمیر کی ابتدا کا ہے۔ سبا کی ابتدا ہم نے بوجوہ سابقۃ الذکر (دیکھو سبا کا زمانہ) ۱۲۰۰ ق م سے کی ہے۔ اس بناء پر حمیر سے پہلے حقیقی سبا کی تاریخ ۱۰۸۵ برس پر مشتمل ہوگی جس میں کم از کم ۴۵ سے ۵۰ بادشاہوں تک کی پشتیں گذرنی چاہییں۔

مکارب سبا باعتبار کتبات دورِ سبا کے دو طبقے نظر آتے ہیں۔ پہلے طبقہ میں شاہانِ سبا کا لقب "مکارب سبا" لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس وقت ان کا مرکزی شہر یا قلعہ "صرواح" تھا۔ مکارب دو لفظوں سے مرکب معلوم ہوتا ہے، "مکا" اور "رب"۔ مکا کے معنی مذہبی کے ہیں اور رب بڑے کو اور بادشاہ کو کہتے ہیں۔ مکا کے معنی مذہبی بادشاہ یا کاہن بادشاہ کے ہیں۔ الغرض مکارب سبا حکومتِ سبا کے ابتدائی کاہن بادشاہوں کا لقب تھا۔ صرواح جو ان کاہن بادشاہوں کا دارالحکومت تھا اس کے آثار اب تک مارب اور صنعاء کے درمیان میں باقی ہیں۔ صرواح سے عرب بھی واقف تھے، عمرو بن نعمان بن سعد بن خولان کہتا ہے،

ابونا الذی کانت بصرواح دارہ وفی جبلی نعمان عـز تمکنا
ہمارا باپ تھا جس کا مسکن صرواح تھا اور نعمان کے دو پہاڑوں میں عزت متمکن ہوئی

شاعر جاہلی علقمہ کہتا ہے:

من یامن الحدثان بعد ملوک صرواح ومارب
صرواح اور مارب کے بادشاہوں کے بعد اب کون حوادث سے محفوظ رہ سکتا ہے

ابو علکم مرانی قصورِ یمن کے ذکر میں کہتا ہے:

براقش ومعین نحن عامرھا ونحن ارباب صرواح وردوثانا
براقش و معین کے آباد کرنے والے ہم ہیں، اور ہم ہیں مالک (رب) صرواح اور داثان کے

---

[1] Encyclopaedia Britanica, Vol II, P. 264.

ان شعروں میں چند نہایت کار آمد تاریخی اشارے ہیں۔ علقمہ مرواح اور مارب دو دارالحکومتوں کے بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے اور بعینہٖ یہی جدید تحقیق ہے۔ ابو علکم اپنے شعر میں بجائے "ملاک" یا "حکام" اور اس وزن کے الفاظ کے اربابِ مرواح کہتا ہے جس سے مکارب مرواح کی بو آتی ہے۔

مکارب سبا کا زمانہ از روئے کتبات ۹۰۰ ق م سے اور زبور کی شہادتِ تحریری کے رُو سے ۱۰۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن احتیاطاً ہم ۱۴۰۰ ق م سے شروع کرتے ہیں، اور اس کا اختتام ۵۵۰ ق م میں ہو جاتا ہے۔ ۳۵۰ سال (حسبِ کتبات) یا ۴۵۰ سال (حسبِ احتیاط) کے لیے بادشاہوں کی ایک کثیر تعداد چاہیئے۔ لیکن افسوس کہ ہم کو صرف دس مکارب سبا کے نام کتبات سے ملے ہیں اور وہ بھی کل ایک ہی باپ کے بیٹوں اور پوتوں کی چار پشتیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کو مکاربِ سبا کی بہت کم تعداد معلوم ہے۔ ملکۂ سبا جس کا ذکر اسفارِ یہود Nebhiim قرآن مجید اور انجیل میں موجود ہے۔ اس کو اسی طبقہ میں ۹۵۰-۹۵۰ ق م میں ہونا چاہیے، لیکن جو نام معلوم ہوئے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ۸۰۰ سے شروع ہو سکتے ہیں۔ اس بناء پر اس ملکہ کے حالات سے اب تک علم الآثار بے خبر ہے[1]۔

مکارب سبا کے جو نام اب تک دریافت ہوئے ہیں، حسب ذیل ہیں[2]۔ جن میں بجز آخر کے کہ اس کے متعلق ہم کو علم نہیں ہر ایک کو دوسرے سے نسبی تعلقات ہیں۔ الفاظ کے فصل کے لیے نقطے اصل سبائی خط کی مطابقت ہے:

---

[1] مکارب سبا کی معلومات جدید کے لیے دیکھو

Encyclopaedia Britanica, Vol II, P. 264.

[2] یہ فہرست ہم نے بالوے M. J. Halevy کے شائع کردہ اصل کتبات سبا سے، جو بخط عبری Jonnal Asiatique ماہ دسمبر ۱۸۷۴ء میں پیرس میں چھپے ہیں، التقاط کی ہے اور اس کی تطبیق Huart Gomel - p. 56 سے کر لی ہے۔

۱۔ ذمرعلی، مکارب، سبا،
۲۔ کرب ایل، وتار بن ذمرعلی مکارب سبا
۳۔ سمہی علی ینوف بن ذمرعلی مکارب سبا
۴۔ یثع امر بین بن سمہی علی ینوف مکارب سبا
۵۔ یدع ایل ذرّح، بن سمہی علی ینوف مکارب سبا
۶۔ یثع امر، وتار، بن سمہی علی ینوف مکارب سبا
۷۔ کرب ایل بیّن بن یثع امر وتار، مکارب سبا
۸۔ یدع ایل بیّن بن یثع امر وتار مکارب سبا
۹۔ سمہی علی، ینوف بن یثع امر وتار مکارب سبا
۱۰۔ متحّد خاندان: ذمرعلی وتار بن کرب ایل بین متفرق نام
۱۱۔ یدع ایل ذبی، مکارب سبا
۱۲۔ شجرۂ خاندانِ مکارب

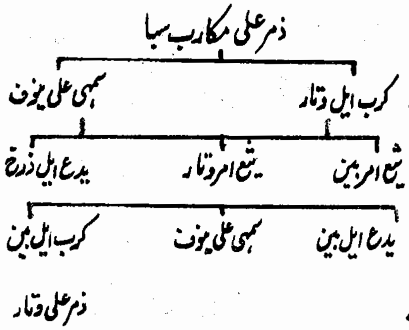
ذمرعلی مکارب سبا
کرب ایل وتار
سمہی علی ینوف
یثع امر بین
یثع امر وتار
یدع ایل ذرح
یدع ایل بین
سمہی علی ینوف
کرب ایل بین
ذمرعلی وتار

ملوکِ سبا شاہانِ سبا کا زمانہ ۵۵۰ ق م تک نظر آتا ہے۔ اس عہد میں ان کا لقب "ملک سبا" منقوش ملتا ہے۔ ان کا دارالحکومت شہر "مارب" تھا۔ یہ شہر یمن کے مشرق میں واقع تھا اور اس کا دوسرا نام شہر سبا تھا۔ مارب کے قصر شاہی کا نام "سلحین" تھا۔ سکّوں ہیں جا ئے ضرب "بیت سلحین وحضر مادب" (قلعۂ سلحین اور شہر مارب) منقوش ملتا ہے۔ مارب تو مشہور مقام ہے، لیکن سلحین بھی غیر معروف نہیں۔

جاہلی شاعر علقمہ کہتا ہے:

وقصر سلحین قد عفاہ   ریب الزمان الذی یریب

اور سلحین کا قصر جس کو حوادثِ زمانہ نے مٹا دیا۔

یہی شاعر دوسری جگہ کہتا ہے:

ادما ترین وکل شئی للبلی   سلحین خاویۃ کان لم یعمر
کیا تو نہیں دیکھتی کہ ہر چیز فنا کے لیے ہے   سلحین اب ایسا ویران ہے گویا کہ کبھی آباد نہ تھا

ابو علکم مرانی کہتا ہے:

رقصر سلحین علاہ رشید ہ   کہلان والدنا، احبب یکہلان

سلحین کا قصر جس کو ہمارے باپ   کہلان   نے بنایا تھا۔

۵۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک ۴۳۵ برس ہوتے ہیں، جو تقریباً اس عربی روایت کے مطابق ہے کہ سبا نے ۴۸۴ برس حکومت[1] کی ہے۔" اس زمانہ مدید کے لیے سترہ ملوکِ سبا کے نام ہم کو ملے ہیں جو تقریباً مفروضہ مدّت زمانہ کے برابر ہیں اور وہ نام یہ ہیں :

سمہی علی ذرح، ملک سبا۔
کرب ایل بن سمہی علی ذرح، ملک سبا
الیشرح بن سمہی علی ذرح، ملک سبا
سمہی علی بن الیشرح بن سمہی علی ملک سبا
شیع امر، ملک سبا۔

متحد خاندان

کرب ایل وتار بن شیع امر ملک سبا
یدع ایل بین شیع امر ملک سبا
وہب ایل یاخوذ، ملک سبا
کرب ایل اوتار، یوہنعم بن وہب ایل ملک سبا
یوہسمین بن وہب ایل، ملک سبا۔

ذمر علی، ذرح، ملک سبا
نشاکریب، یوامیمین، ملک سبا
وتبر دم، یوہسمین، ملک سبا
یکرب ملک، وتار، ملک سبا
یارم، ایمن، ملک سبا
تبع شرجیل، ملک سبا
فرع نیہب، ملک سبا

متفرق نام

ان ناموں کے علاوہ کتبات میں ہم نے اور نام بھی پڑھے ہیں لیکن ان کے ساتھ کوئی لقب شاہی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ امرائے سبا ہوں۔ فرع ینہب کا نام سب سے آخر اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ ایک کتبہ میں "الیشرح ملک سبا ذو ریدان ... بن فرع ینہب ملک سبا" منقوش ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرع ینہب "ملک سبا" کے لقب سے آخری شخص تھا۔ اس کا بیٹا "ملک سبا ذو ریدان" کے نام سے تیسرے طبقہ کا بانی ہے۔

---

[1] مروج الذہب مسعودی جلد ۱، ص ۱۹۲ مصر۔

سبا کی تقسیم و تنظیم مملکتِ سبا کی حقیقت سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ مملکت یمن کس اصول پر منقسم تھی اور امراء کی ترتیب و تنظیم کیونکر تھی؟ ایک قلعہ ہوتا تھا۔ قلعہ کے آس پاس گاؤں کی صورت میں مختلف چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوتی تھیں۔ انہی کے مجموعہ کو محفد کہتے تھے قلعہ داران گاؤں کا حاکم ہوتا تھا۔ اس کا لقب اس کے قلعہ کے انتساب و اضافت سے رکھا جاتا تھا، مثلاً ذو غمدان ذو ثعلبان، ذو نبیین۔ "ذو" یمنی زبان میں کلمۂ اضافت ہے اور اس کے معنی آقا کے ہوتے ہیں۔ اسی لیے حجازی عربی میں اس کے معنی "صاحب و مالک" کے ہیں۔ اور "ذو" بغیر اضافت مستعمل نہیں ہوتا۔ اس "ذو" کی جمع "اذواء" (قلعہ داران) ہے۔

یہ قلعے یا محافد مل کر ایک "مخلاف" کے تابع ہوتے تھے جس کو صوبہ کا ہم معنی سمجھنا چاہیے۔ حاکمِ مخلاف کا لقب "قیل" تھا۔ اس کی جمع اقیال ہے اور عام طور سے مشہور ہے کہ اقیال یمن کے بادشاہوں کو کہتے ہیں۔ محفد اور مخلاف کی یہ تقسیم عہدِ اسلام میں بھی باقی رکھی گئی تھی۔ دولتِ عباسیہ کے زمانہ میں یمن میں چوراسی مخلاف تھے۔ یہ تمام اقیال ایک بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے، جس کا نام باختلافِ عہد مکارب سبا اور ملک سبا تھا۔

ان اذواء، اقیال اور ملوک میں امن و اطمینان اور نظام کی زندگی بہت کم قائم رہتی تھی۔ قوی ضعیف کے ماتحت رہتے تھے۔ جو "ذو" یا "قیل" قوی ہو جاتا وہی بادشاہ بن بیٹھتا تھا، عموماً بادشاہ کسی قلعہ میں سکونت کرتا تھا۔ اس قلعہ کی طرف نسبت بھی القابِ شاہی کا جز ہوتی تھی، مثلاً ملک سبا قلعہ ریدان میں رہتا تھا، اس کا لقب شاہی ملک سبا و ذو ریدان تھا۔

سبا کے تمدنی و تجارتی حالات حکومتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، صلح پسند اور فاتح۔ بابل، اسیریا اور مصر کی حکومتیں فاتح تھیں۔ ان کے آثار و کتبات فتوحات کی یادگاروں سے پُر ہیں۔ لیکن سبا کی حکومت بالکل صلح پسند تھی۔ سبا کے جتنے کتبات میری نظر سے گذرے ہیں جن کی تعداد تیس چالیس سے کم نہ ہوگی۔ وہ تمام تر یا مقابر کی لوحیں ہیں، عمارتوں کے یادگاری پتھر ہیں یا دیوتاؤں کے ہیکل و مذبح پر نذر و شکر کے سپاسنامے ہیں۔

ہم نے پہلے بتایا ہے کہ سبا ایک تاجر قوم تھی جس کی صحیح مثال موجودہ تاریخ میں برطانوی

حکومت ہے۔ عرب میں کثرت سے سونے اور جواہر کی کانیں تھیں اور اب بھی ہیں۔ ہمدانی نے ان کانوں کا ایک ایک کرکے نام گنایا ہے[1]۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ان بیانات کو اپنے جغرافیۂ عرب قدیم میں یکجا کیا ہے۔ خدیو مصر کے اشارہ سے۔ برٹن نام ایک انگریز عرب کے شہر مدین میں صرف وہاں کی معدنیات کا پتہ لگانے کو بھیجا گیا تھا۔ حضرموت اور یمن کا ملک خوشبودار چیزوں کی پیداوار کے لیے طبعی طور سے مخصوص ہے۔ اس زمانہ میں تمام دنیا میں دیوتاؤں کی عام پرستش کی جاتی تھی۔ ان کے لیے بڑے بڑے ہیکل بنائے جاتے تھے۔ ان ہیکلوں میں شب و روز خوشبودار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔ اس لیے قدیم زمانہ میں ہر ملک میں ان کی بڑی مانگ تھی۔ عمان و بحرین میں موتیوں کے خزانے ہیں اور یمن کے سواحل، ہندوستان و حبش کی پیداوار کی منڈی تھے۔ یہ تمام تجارتی اشیا اس عہد میں سبا ہی کی وساطت سے۔ بحر احمر کے راستہ سے یا حجاز کی راہ سے شام، فینشیا اور مصر کو جاتی تھیں اور یہاں سے تمام یورپ میں پھیلتی تھیں۔

سبا کی دولت وعظمت توراۃ سبا کی دولت وعظمت کے بیانات سے پُر ہے، سب سے پہلے حضرت داؤدؑ کہتے ہیں:

> "شبا اور سبا کے بادشاہ اس کو نذر دیں گے، اور..... شبا کا سونا اس کو پیش کیا جائے گا۔"
>
> (زبور: ۷۲)

حضرت سلیمانؑ کے دربار میں سبا کی ملکہ آتی ہے۔

> "وہ بہت فوج اور تزک و احتشام کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی۔ بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لدے تھے.... ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمان کو دیئے۔ ملکہ نے جیسی خوشبوئیں دیں ایسی پھر کبھی نہ ملیں۔" (تاریخ ایام)

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب ص ۲۵۰، لیڈن۔

اشعیاء نبیؑ کی پیشین گوئی ہے:

”حبش اور سبا والوں کی تجارت جو شریف ہیں تیرے پاس آوے گی۔“

(اشعیار: ۴۵-۱۴)

حزقیال نبی کہتے ہیں:

”جمہور آدمیوں کے ساتھ سبا والے بیابان (عرب) سے آئے جن کے ہاتھوں میں کنگن ہیں، اور سروں پر خوبصورت تاج۔“

(حزقیال: ۲۳-۴۲)

”سبا اور رعما تیرے تاجر ہیں۔ وہ عمدہ خوشبو جواہر اور سونا تیرے بازاروں میں بیچتے ہیں۔ حران، قانہ اور عدن (یہ تینوں یمن کے شہر ہیں) تیرے تاجر ہیں۔ سبا اور ثور اور کلماد تیرے سوداگر۔“

حزقیال: ۲۷-۱۴)

اشعیاؑ کی پیشین گوئی ہے:

”اونٹوں کی قطاریں (اے یروشلم) تجھ پر چھا جائیں گی۔ مدین اور عیفا کی اونٹنیاں تمام سبا سے سونا اور لوبان لے کر آئیں گی۔“

(اشعیاء: ۶۰-۶)

یرمیاہ نبی بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں:

”خدا کہتا ہے جب تمہارے اعمال صحیح نہیں تو ہیکلوں میں ”سبا کا لوبان میرے سامنے کیوں پیش کرتے ہو۔“

(یرمیاہ: ۶-۶۰)

چوتھی صدی ق م سے پہلی صدی ق م تک یونانی مصر کے حکمران تھے۔ ان کے عہد میں مصر کا دارالحکومت ”اسکندریہ“ تمام مشرقی اور مغربی تاجروں کا مرکز تھا۔ سبا اس عہد کی سب سے بڑی قوم تھی۔ اس بنا پر دیگر عرب قبائل کی بہ نسبت وہ سبا سے زیادہ واقف تھے۔

Eratosthenes ۱۹۴ ق م، بیان کرتا ہے ،

"عرب کی انتہائی حد پر سمندر (بحر ہند و عرب) پہلو میں سبا کے لوگ ہیں جن کا دارالحکومت مارب Mariaba ہے .... یہ قطعہ ملک مصر زیریں سے بڑا ہے ۔ گرمیوں میں بارش ہوتی ہے. اور دریا جاری ہوتے ہیں جو میدانوں اور تالابوں میں جاکر خشک ہو جاتے ہیں ۔ اسی سبب سے زمین اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے ۔

حضرموت سے سبا کے ملک تک چالیس روز کا راستہ ہے اور معین سے سوداگر ستّر دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں. حضرموت، معین اور سبا کے ملک خوش و خرم ہیں اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔"

یونانی مؤرخ اگارتھاشیڈس Agarth Echides ۱۴۵ ق م، جس کی تصنیف کا زمانہ دوسری صدی ق م ہے، بیان کرتا ہے :

"سبا عرب آبادان Arabia Felex میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بیشمار میوے ہوتے ہیں ۔ زمین جو سمندر کے متصل ہے اس میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں ۔ اندرون ملک میں بخورات، دارچینی اور چھوہارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے ۔ درختوں کے اقسام کی کثرت تنوّع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے ۔ جو خوشبو ان میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی ۔ جو اشخاص اس زمین سے دور ساحل پر سے بھی گذرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں ۔ ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں اور کاٹ کر ان کا انبار نہیں لگاتے ۔ لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں اس لیے جو شخص اس ساحل سے گذرتا ہے آبِ حیات کا لطف اٹھاتا ہے ۔ یہ تشبیہہ بھی اس کی قوت و لطافت کے لحاظ سے ناقص ہے ۔

سبا میں حکومت وراثۃً منتقل ہوتی ہے۔ ان کا بڑا شہر مارب ہے جو ایک پہاڑ پر واقع ہے (جبل ابلق) بادشاہ اسی شہر میں رہتا ہے جو لوگوں کو فیصلہ دیتا ہے لیکن اسکو کبھی اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنا قصر چھوڑ کر نکل سکے۔ اگر وہ اس کے خلاف کرتا ہے تو وہ حکم مذہبی کے مطابق سنگسار کر دیا جاتا ہے۔"

"سبا میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے۔ بُعد کے سبب سے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا ہے۔ اسی لیے خصوصاً ان کے دارالحکومتوں میں سونے چاندی کے برتن ہیں، تخت اور پیشگاہیں ہیں جن کے ستون زرنگار اور نقرئی و طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ ایوان اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں۔ اس قسم کی زیب و زینت پر نہایت ہنرمندی اور محنت وہ صرف کرتے ہیں۔"

مشہور مؤرخ آرٹی میڈوروس Artimidorus ۱۰۰ ق م باشندۂ شہر افسوس Ephesus جو سبا کے عہدِ آخر میں تھا، لکھتا ہے:

"سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے جو ایک پُر اشجار پہاڑ پہ زمانۂ خوشحالی (عیش و آرائش و مسرّت) میں واقع ہے۔ میووں کی کثرت کے سبب سے لوگ سست اور ناکارہ ہو گئے ہیں۔ خوشبودار درختوں کی جڑوں میں پلٹے پڑے رہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے اور کچھ ملکی اور غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں۔ یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں۔ قرب وجوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں۔"[1]

---

[1] تمام بیانات تاریخ قدیم کے مستند ترین ماخذ ڈنکر Duncker کی تاریخ قدیم سے ماخوذ ہیں، جلد ۱، ص ۳۱۰ - ۳۱۳ -

سبا کی عمارتیں ہم نے پہلے بتایا ہے کہ سبا ایک صلح پسند اور امن و مسرت کی حکومت تھی۔ یہی سبب ہے کہ اس نے اپنی قوت کا زیادہ تر حصہ اسلحہ کی بجائے عمارتوں پر صرف کیا۔ یونانی مؤرخین کے بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض عمارتیں عہدِ اسلام تک باقی تھیں مسلمان مؤرخین نے خود دیکھا اور اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ ہمدانی نے اکلیل کا ایک باب صرف ان ہی عمارتوں کے لیے مخصوص کیا ہے۔ سبا کے اب تک جو کتبات ملے ہیں وہ زیادہ تر انہی عمارتوں کی یادگاریں لوحیں ہیں۔ نشوان بن سعید حمیری نے قصیدۂ حمیریہ میں تقریباً پچیس عماراتِ شاہی کا ذکر کیا ہے۔ یوروپین سیّاح بھی ان عمارات کے کھنڈروں کے عجیب و غریب حالات بیان کرتے ہیں۔ قصرِ سلحین جو قیام گاہِ شاہی تھا، اس کا نشان بھی اب تک موجود ہے۔

سدّ مارب اسی سلسلۂ عمارات میں ایک چیز بندِ آب ہے جس کو عربِ حجاز "سدّ" اور عرب یمن عرم کہتے ہیں۔ عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں صرف سلسلۂ کوہستان ہے۔ پانی پہاڑوں سے بہہ کر ریگستانوں میں خشک ہو جاتے ہیں اور ضائع ہو جاتا ہے۔ زراعت کے مصرف میں نہیں آتا۔ سبا مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے کہ پانی رُک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے مصرف میں آئے۔ مملکتِ سبا میں اس قسم کے سینکڑوں بند تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور سدّ مارب ہے جو خود دارالحکومت کے اندر واقع تھا۔

شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جن کے کوہ ابلق ہے۔ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادیٔ اذینہ ہے۔ پہاڑوں سے اور نیز اِدھر اُدھر سے پانی جمع ہو کر وادیٔ اذینہ میں ایک دریا جاری ہو جاتا ہے۔ سبا نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ۸۰۰ ق م میں سدِّ مارب کی تعمیر کی تھی۔ یہ بند تقریباً ایک سو پچاس فیٹ لمبی اور پچاس فیٹ چوڑی ایک دیوار ہے۔ اس کا اکثر حصّہ تو اب افتادہ ہے، تاہم اس کی ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے۔ ارناڈ ایک یوروپین سیّاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے

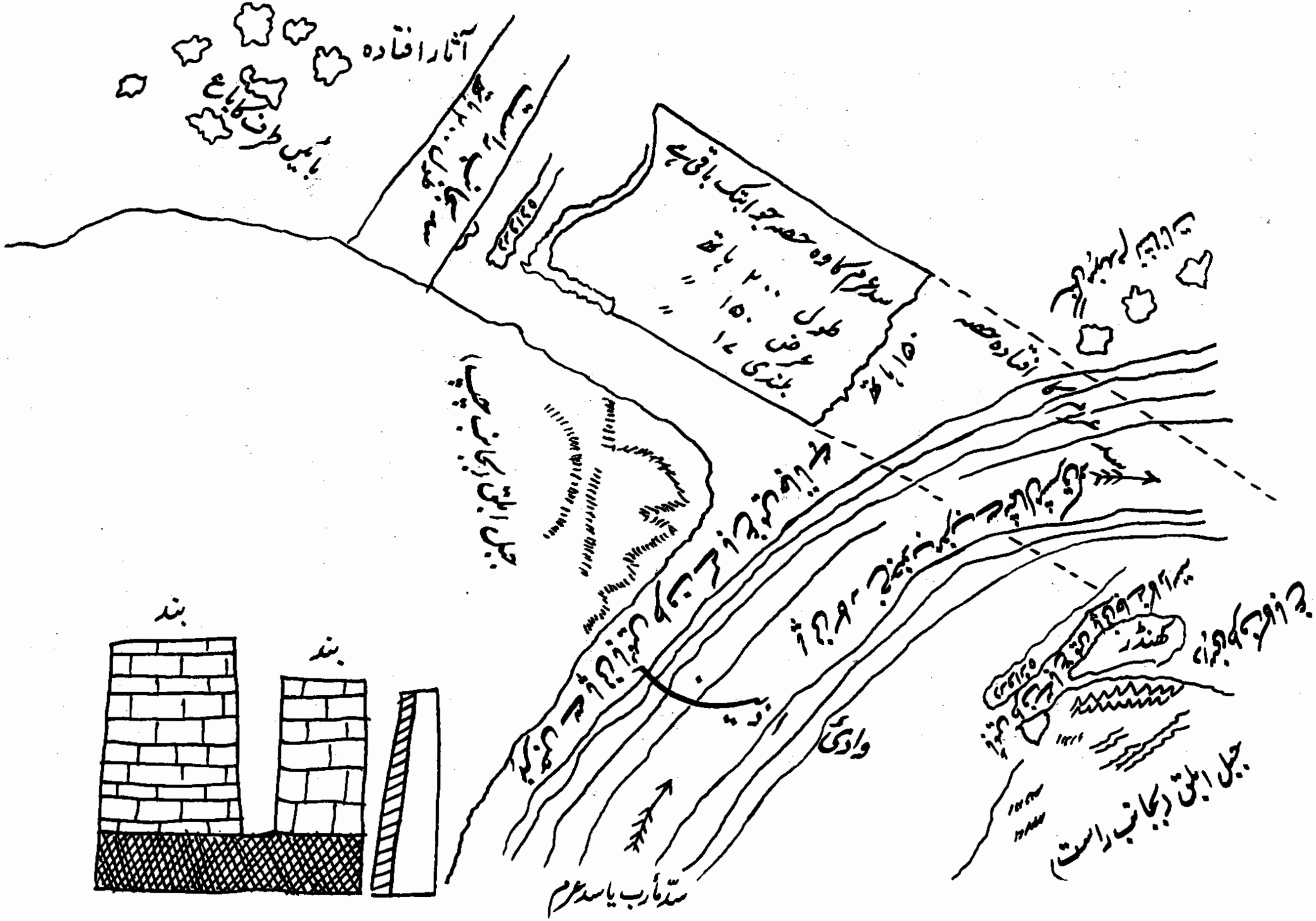
آثار افتادہ
بائیں طرف کا باغ
سد بجانب راست
طول ۲۰۰ ہاتھ
دروازہ
سد عرم کا وہ حصہ جو اب تک باقی ہے
طول ۲۰۰ ہاتھ
عرض ۱۵۰ "
بلندی ۱۷ "
سد ۱۵ ہاتھ
افتادہ حصہ
سد کی منہدم نشانات
سد عرم کا
سد
پانی کا رخ جنوب مغرب سے شمال مشرق کو
نہر جس سے پانی بائیں طرف کے باغ میں جاتا ہے
بند
وادی
سد مأرب یا سد عرم
جبل ابلق (بجانب چپ)
جبل ابلق (بجانب راست)
دائیں طرف کا باغ
کھنڈر
دروازہ
بائیں طرف کے باغ میں پانی جانے کا راستہ
بند
بند

جرنل میں لکھا ہے اور اس کا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے، اس دیوار پر جا بجا کتبات ہیں۔ وہ بھی پڑھے گئے ہیں۔

عام مسلمان مؤرخین چونکہ ہر قدیم عمارت کو "بناے سلیمانی" کہنے کے عادی ہیں، اس لیے اس سدّ کا بانی وہ بلقیس ملکۂ یمن و حرمِ سلیمانی کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن سدّ مارب کے بقیہ حصوں پر جو کتبات ہیں، ان میں بانیوں کے نام بھی خوش قسمتی سے باقی رہ گئے۔ ان میں سے یثع امر بیّن ابن سہمی علی ینوف مکارب سبا، سہمی علی ینوف بن ذمر علی مکارب سبا، کرب ایل بین بن یثع امر مکارب سبا، ذمر علی ذرح ملک سبا، اور یدع ایل وتار" کے نام پڑھے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سدّ ایک زمانۂ ممتد میں مختلف سلاطینِ یمن کے عہد میں تعمیر ہوا ہے۔ اس کا پہلا بانی یثع امر تھا جو آٹھویں صدی ق م میں تھا۔ اس سدّ میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں۔ اوپر سے نیچے تک کی کھڑکیاں حسبِ ضرورت کھولی اور بند کی جاتی تھیں۔ سدّ کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس سدّ کے حالات ہمارے مفسّرین نے جو بیان[1] کیے ہیں بعینہٖ ارناؤد کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے[2]۔ نقشہ کے دیکھنے سے صورتِ حال اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔

جنّتین عن یمین و شمال اس نظامِ آب رسانی سے چپ و راست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر دو سو مربع میل میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ ان کی خوشبو دُور تک پھیلی رہتی تھی۔

جنتِ سبا اور قرآن مجید قرآن مجید ان آیات میں انہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِي مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ	سبا کے لوگوں کے لیے خود ان کے گھر میں
جَنَّتَيْنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ	قدرت خدا کی ایک عجیب نشانی موجود تھی۔
كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا	دو باغوں (کا سلسلہ) داہنے بائیں۔ سبا کے

---

[1] تفسیر آیت مذکور طبری اور بغوی میں دیکھو۔ [2] فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ ۱۸۷۴ء۔

لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ۔ (سبا : ۱۵)

لوگو! اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور شکر کرو۔ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش والا۔

ہمارے پاس اس جنت زار کے قصے عربوں کی روایت سے کئی سو سال بعد کے موجود ہیں۔ لیکن خود ہمارے دشمنوں کے سفینوں میں اس کی شہاد[۴] شہادتیں جو محفوظ ہیں ان کو ایک دفعہ پھر پڑھو :

اراٹوستھینس Eratosthenes جو ۱۹۴ ق م میں سبا کا معاصر تھا، لکھتا ہے :

".... سبا کے لوگ ہیں جن کا دارالحکومت شہر مارب ہے .... یہ قطعۂ ملک معرزیہ سے بڑا ہے۔ گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہوتے ہیں جو میدانوں اور تالابوں میں خشک ہو جاتے ہیں۔ اس سبب سے زمین اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے۔

..... سبا کا ملک خوش و خرم ہے :"

اگارتھاشیدس Agartherichides جو ۱۴۵ ق م میں سبا کے زمانہ و عصر میں تھا، بیان کرتا ہے ،

"سبا عرب کے حصۂ سرسبز و آباد Felix میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بیشمار میوے ہوتے ہیں۔ دریا کے کنارے جو زمین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اندرونِ ملک میں بخورات، دارچینی اور چھوہارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پھیلا کرتی ہے۔ درختوں کے اقسام کی کثرت تنوّع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے۔ جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں ہے جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی۔ جو اشخاص اس زمین اور ساحل سے گذرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں...... وہ گویا آبِ حیات کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اور یہ تشبیہہ بھی اس کی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے :"

آرٹی میڈورس Artimidorus جو سبا کے عہدِ آخر میں تھا، لکھتا ہے:

سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر عیش و مسرت (زمانۂ خوشحالی) میں واقع ہے[1]۔”

خدائے پاک اس کے بعد فرماتا ہے:

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ (سبا: ۱۶)	پھر انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند (توڑ کر اس کا) سیلاب بھیجا۔

یہ سیلاب آیا اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس عصر تاریخی میں جب ہر غیر معاصرانہ روایت قابلِ شک و اشتباہ ہے، خدائے قرآن نے اپنے کلامِ معجز کی صداقت کا نیا سامان پیدا کر دیا یعنی اس بند کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں واقعۂ سیلاب کے مشرّح حالات کا کتبہ جو ایک عیسائی فاتح یمن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، مل گیا ہے۔ یہ عیسائی فاتح وہی ہے جو اپنے ہاتھیوں کے بل پر کعبہ کو ڈھانے نکلا تھا۔ لیکن آج اسی دشمنِ کعبہ کا سنگی ہاتھ کعبۂ مکرمہ کی تصدیق کے لیے بلند ہے[2]۔

وَبَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَيۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَيۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِيۡلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا وَهَلۡ نُجٰزِيۡٓ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ۝ (سبا: ۱۶-۱۷)	اور ان اعلیٰ میووں کے باغوں کے بدلہ معمولی پھلوں یعنی پیلو، جھاؤ اور کچھ بیری کے باغ دے دیئے۔ یہ ان کے کفران کی سزا ہے۔ ہم کفرانِ نعمت کرنے والوں ہی کو سزا دیتے ہیں۔

قرآن مجید جب نازل ہو رہا تھا تو اس سزا کو جو ان درختوں کی شکل میں نمودار ہوئی تھی، یمن کا ہر باشندہ بچشم خود معائنہ کر رہا تھا لیکن چار سو برس کے بعد بھی برائے العین ہر سیاح کو نظر آ رہی تھی۔ ہمدانی (المتوفی ۳۳۰ھ) جس کی صداقت بیانی کے نہ صرف سیاحینِ یورپ بلکہ

---

[1] ان عبارتوں کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے۔ [2] تفصیل اصحابِ فیل میں دیکھو۔

اثریین Archaeologist بھی معترف ہیں، وہ خود چوتھی صدی کے اوائل میں شہادتِ عینی پیش کرتا ہے کہ "ان باغوں کی جگہ یہاں پیلو کے درخت اتنے ہیں کہ کہیں اور نہیں۔"

سبا کی آبادیاں ہم نے سبا کے دائرۂ حکومت کے تحت میں لکھا ہے کہ یمن کے علاوہ حبشہ اور شمالی عرب میں بھی سبا کی آبادیاں تھیں۔ توراۃ (تکوین) و اسفار میں متفرق خاندانوں کے نام بتائے گئے ہیں۔ سبا بن یقطان (قحطان) باشندۂ یمن، سبا بن۔ ۔ ۔ ۔ بن ابراہیم برادر زادۂ مدین باشندۂ عربِ شمال، سبا بن کوش بن حام باشندۂ حبش۔

نولڈیکی کے اصول کی بناء پر کہ توراۃ کے قبائل و اقوام کا مُقسم صرف جغرافی نسب و تعلق ہے۔ ان تینوں متفرق النسب سبا کے یہ معنی ہیں کہ سبا کے تین جغرافی مرکز یا آبادیاں تھیں، یمن، حبشہ اور شمالی عرب میں۔ یمن میں سبا کا وجود و قیام تو محتاجِ اثبات نہیں۔ روایاتِ عرب، تاریخِ اقوام، آثارِ قدیمہ ان سب کی شہادتِ قاطعہ موجود ہے۔ دیگر اطرافِ ملک میں بھی ان کا وجود و اثر مخفی نہیں ہے۔ شمال عرب میں بطرف شام و عراق توراۃ کے متعدد فقروں میں ان کا وجود عارضی نہایت قدیم زمانہ سے مذکور ہے اور ان کا بار بار ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ (دیکھو سبا کا دائرۂ حکومت اور سبا کی دولت و عظمت) یونانی مؤرخین نے بھی ان اطراف میں ان کا ہونا بیان کیا ہے۔ اگارتھاشیدس (۱۴۵ ق م) کہتا ہے کہ "سب سے پہلے نبطی (جن کا مسکن عراق و شام کے درمیان تھا) اور سبائی[1] جو شام کے اوپر واقع ہیں، عرب سعید پہ قابض ہوئے ہیں۔" ایک اور یونانی مؤرخ بیان کرتا ہے[2]۔

> "یہاں سے اس شہر تک ایک سڑک جاتی ہے جس کا نام (رقیم) ہے۔ جہاں اہلِ قریہ، اہلِ معین اور وہ تمام عرب اس کے قریب رہتے ہیں جو بالائی ملک (عرب) سے بخورات لاتے ہیں۔"

یہ پہلے گذر چکا ہے کہ اسیریا کے آثار میں بھی یثع امر سبائی کا ساتویں صدی ق م میں

---

[1] گولڈ مائنس آف مدین، ص ۲۲۴، [2] حوالہ مذکور، ص ۱۷۱،

اسیریا سے مغلوب ہونا مذکور ہے۔ معلوم ہے کہ اہلِ اسیریا کبھی یمن نہیں آئے۔ اس لیے یہ بالکل واضح ہے کہ خود سبا یہاں تک پہنچ گئے تھے جیسا کہ سفر ایوب[1] سے بھی ثابت ہے۔

حبشہ میں اہلِ سبا کا وجود عہدِ قدیم سے تھا۔ حبشہ یمن کے بالمقابل سواحل پر واقع ہے۔ یہ سواحل تاریخ کی ابتدا سے اس وقت بھی یمنی و حضرموتی عرب کے جولاں گاہ ہیں۔ بعض کتبات سے معلوم ہوا ہے کہ سبا کا ایک گورنر معافر کے لقب سے حبشہ میں رہتا تھا[2]، خود حبش بھی اپنے کو سبا کی اولاد کہتے ہیں[3]۔ ایک یونانی مؤرّخ کی شہادت بھی جو سبا کا معاصر تھا پہلے گذر چکی ہے کہ "سبا سواحلِ حبشہ میں بھی تجارت کا مرکز رکھتے ہیں"۔

ملکۂ سبا تورات (نبییم)، انجیل اور قرآن میں سبا کی ایک شہزادی کا ذکر ہے جو حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں آئی تھی، یہ سبا کی شہزادی بہ زبانِ تورات کس سبا کے خاندان سے تھی؟ یا بہ زبانِ تاریخ سبا کی کس آبادی سے آئی تھی؟ تورات میں صرف "سبا کی شہزادی" کا لفظ بلا تعیّن خاندان و جہت ہے[4]۔ ترگوم میں ہے کہ "اس کا ملک (فلسطین کے) مشرق میں ہے"[5]۔ انجیل میں ہے کہ وہ (فلسطین کے) جنوب سے[6] آئی تھی۔ یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخ میں ہے کہ وہ مصر و حبشہ[7] کی شہزادی تھی۔ اہلِ حبش اس کو حبشی سمجھتے ہیں[8]، جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ کوشی خاندان کی سبا تھی۔ قرآن نے بھی کوئی تعیینِ خاندان و جہت نہیں کی ہے۔ لیکن تمام مفسّرین و مؤرخین اس کو عرب قحطانی اور باشندۂ یمن سمجھتے ہیں۔ آج کل کہ اثریات کا زمانہ ہے، اس بنا پر کہ یمن کی عورت کا کوئی کتبہ نہیں ملا ہے، اور شمال عرب میں متصل عراق تین چار قدیم حکمران عورتوں کے نام ملے ہیں، ملکۂ سبا کا اس حصۂ آبادی سے جانا ممکن خیال کیا جاتا ہے[9]۔

---

[1] سفر ایوب ۱: ۱-۱۵ و ۶-۱۹، [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۲ ص ۹۵۵، [3] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۲۲۰، [4] تاریخ ملوک اباب ۱۰ و ایام ۲ باب ۹ [5] جوئش انسائیکلوپیڈیا، مضمونِ سبا [6] متی ۱۲-۴۲، لوقا ۱۱-۳۱ [7] جلد ۱ ذکر سلیمان، [8] جوئش انسائیکلوپیڈیا، مضمون سبا، [9] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۱، ص ۳۷۲۔

جن قدیم تحریروں میں ملکۂ سبا کا ذکر ہے ان میں سے صرف تین میں تعیینِ جہت ہے۔ یوسیفوس، ترگوم اور انجیل۔ یوسیفوس کا بیان کہ وہ مصر کی شہزادی تھی متفقاً غلط ہے۔ بقیہ بیانات میں کہ وہ مشرق جنوب یا حبشہ کی تھی، ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں کہ یہ سب سبا کے مقامات تھے۔ تاہم اصل مرکز کے لحاظ سے وہ یمن ہی کی کہی جائے گی (یعنی جنوبِ عرب کی) جیسا کہ انجیل کی شہادت اور روایاتِ عرب کا تواتر ہے۔

اہلِ حبش جو ملکۂ سبا کو حبشہ کی بتاتے ہیں اور اب تک حبشہ کا شاہی خاندان تفاخراً اپنے کو اسی ملکۂ سبا کی اولاد یقین کرتا ہے، اس کا نام ان کی زبان میں ماکدہ ہے۔ یمن کے عرب یہود میں اس کا نام بلقیس مشہور تھا اور اسرائیلیات کے ذریعہ یہی نام مسلمان مؤرخین اور اہلِ تفسیر میں مقبول ہے۔ لیکن لفظی دلالت کے لحاظ سے یہ عربی نہیں بلکہ یونانی الاصل نام معلوم ہوتا ہے۔ بعض روایاتِ تفسیر میں بلقیس کو پریزاد کہا گیا ہے یعنی اس کی ماں (بلقمہ) ایک پری تھی۔ لیکن یہ روایتیں بالکل لغو اور موضوع ہیں۔ بلقمہ کو ممکن ہے کہ یمن کی مشہور دیوی "المقہ" سے کوئی نسبت ہو۔ اسی طرح اہلِ تاریخ کا ملکۂ سبا (بلقیس) کو بنت شرجیل لکھنا بھی غلط ہے۔ شرجیل حمیر کا بادشاہ اور حضرت سلیمانؑ سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس بعد تھا۔

ملکۂ سبا اور قرآن مجید سبا کا نام قرآن مجید میں دو بار آیا ہے۔ اوّل حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں ملکۂ سبا کے نام سے اور دوسری بار سیلِ عرم کے ذکر میں۔ سیلِ عرم کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے۔ ملکۂ سبا کا قصہ سورۂ نمل میں مذکور ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ وَقَالَ مَالِيَ لَآ	سلیمانؑ نے پرندوں کا جائزہ لیا۔ پھر کہا کیا بات
اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ	ہے کہ میں نے ہُدہُد کو نہیں دیکھا یا وہ موجود
الْغَآئِبِيْنَ ۝ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا	نہیں ہیں اس کو سخت سزا دوں گا یا ذبح کر
شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ	ڈالوں گا یا وہ کوئی صاف دلیل لائے۔
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ	سلیمانؑ تھوڑی دیر ٹھہرے کہ ہُدہُد آکر گویا

فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ	ہوا کہ مجھے وہ معلوم ہوا جو آپ کو نہیں معلوم۔
جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۝	سبا سے ایک سچی خبر لے کر میں آیا ہوں۔ میں نے
اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ	ایک عورت کو دیکھا جو سبا پر حکومت کرتی ہے،
اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ	اس کو ہر شے عنایت کی گئی ہے۔ اس کا ایک بڑا
عَظِيْمٌ ۝ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا	تخت ہے میں نے دیکھا عورت کو اور اس کی
يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ	رعایا کو خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا۔
دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ	شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں اچھے
اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ	کر کے دکھائے ہیں، صحیح راستہ سے ان کو باز
السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝	دکھا ہے۔ وہ راہ نہیں پاتے کہ خدا کو وہ
اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ	سجدہ کریں جو آسمانوں سے اور زمین سے
الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	چھپی ہوئی چیز کو باہر نکالتا ہے اور جو تم
وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝	چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہے
اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ	خدا ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہی
الْعَظِيْمِ ۝ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ	بڑے تخت کا مالک ہے۔ سلیمانؑ نے کہا
اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِذْهَبْ	ہم دیکھتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے۔
بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ	میرا یہ خط لے جا ان کے پاس ڈال دے۔
تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا	پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب
يَرْجِعُوْنَ ۝ قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا	دیتی ہے۔ ملکہ نے خط پا کر درباریوں سے
اِنِّيْ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۝	کہا میرے نام ایک نامۂ مقدس آیا ہے۔
اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ	یہ نامہ سلیمانؑ کے پاس سے آیا ہے۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ	عبارت یہ ہے مہربان اور رحم والے

الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ
مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا
اَفْتُوْنِيْ فِيْ اَمْرِيْ ۚ مَا
كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى
تَشْهَدُوْنِ ۝ قَالُوْا نَحْنُ
اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ
شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ
فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝ قَالَتْ
اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً
اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ
اَهْلِهَا اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝
وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ
فَنٰظِرَةٌ ۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝
فَلَمَّا جَآءَ
سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ
بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِ اللّٰهُ خَيْرٌ
مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ
بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝
اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ
بِجُنُوْدٍ لَّا
قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ

خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ مجھ سے
سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس
آجاؤ۔ ملکہ نے کہا اے سردارو! اس معاملہ
میں اپنی رائے دو۔ تمہاری حاضری کے بغیر
میں کسی بات کا فیصلہ کرنے والی نہیں ہوں۔
سرداروں نے کہا ہم زور و قوت والے ہیں
یوں فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، دیکھئے
کیا حکم دیتی ہیں۔ ملکہ نے کہا کہ بادشاہ جب
کسی آبادی میں داخل ہو جاتے ہیں تو
اس کو ویران کر ڈالتے ہیں اور وہاں کے
معزز ترین باشندوں کو ذلیل بنا ڈالتے
ہیں اور اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ میں ان
کے پاس ہدیہ دے کر قاصد بھیجتی ہوں پھر
دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔
قاصد جب سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو سلیمانؑ
نے کہا اس حقیر مال و دولت سے تم میری
مدد کرتے ہو۔ خدا نے جو کچھ مجھے دیا ہے
وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو اس نے دیا
ہے۔ تم اپنے اس تحفہ پر شاداں ہو۔ سبا کو
واپس جاؤ۔ ہم اب لشکر لے کر آئیں گے کہ
وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ملک سبا سے

مِنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ٥ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ٥ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ٥ قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ لِيَبْلُوَنِىْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ كَرِيْمٌ ٥ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِىْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ٥ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۚ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ٥ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ

ذلیل کر کے ان کو نکال باہر کریں گے۔ سلیمانؑ نے اپنے سرداروں سے کہا کہ کون اس کا تخت میرے پاس اٹھا لائے گا۔ ایک تنومند جن نے کہا میں اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھیں وہ تخت لے آتا ہوں۔ میں اس تخت کے اٹھا لانے کی قوت رکھتا ہوں اور امانت کے ساتھ لاؤں گا۔ جس کو خط کا علم تھا اس نے کہا کہ نگاہ پلٹنے سے پہلے میں اٹھا لاتا ہوں۔ سلیمانؑ نے جب تخت اپنے پاس رکھا دیکھا۔ کہا یہ خدا کے فضل سے ہوا تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں کہ ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرے خدا بے پرواہ اور بزرگ ہے۔ سلیمانؑ نے حکم دیا کہ تخت کا روپ بدل دو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ راہ پاتی ہے یا نہ راہ پانے والوں میں سے ہوتی ہے۔ جب ملکہ آئی تو اس سے کہا گیا کہ تیرا تخت کیا اسی قسم کا ہے؟ جواب دیا کہ گویا وہی ہے۔ اور اس سے پہلے ہم کو علم دیا جا چکا تھا اور ہم مسلمان ہو چکے تھے۔ ملکہ کو غیر خدا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ
قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ ادْخُلِي
الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ
لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ
قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ
قَوَارِيْرَ ۬ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ
ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ
سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
(النمل: ۲۷-۴۴)

کی پرستش نے حق سے روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم سے تھی۔ ملکہ سے کہا گیا کہ محل کے اندر چل، جب اس نے محل کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے اور دونوں پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمانؑ نے کہا یہ تو شیشہ کا مکان ہے۔ ملکہ نے کہا خدایا میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی۔ سلیمانؑ کے ساتھ میں بھی خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے، اطاعت گذار ہوتی۔

بعینہ یہی قصہ اسفارِ یہود میں بھی مذکور ہے گو تفصیل و اجمال میں کسی قدر اختلاف ہے۔ سب سے پہلے نبیم کے سفر ایام اور سفر ملوک میں یہ قصہ مذکور ہوا ہے اور یہ دونوں اسفار بیانِ واقعہ میں حرف بحرف متفق ہیں۔

”جب سلیمانؑ کا شہرہ سبا کی ملکہ تک پہنچا تو مشکل سوالوں سے وہ اس کو آزمانے آئی اور بڑی فوج اور شان و شوکت کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی۔ بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لدے تھے۔ وہ سلیمان کے پاس آکر ٹھہری اور جو کچھ اس کے دل میں تھا اس کی بابت اس سے گفتگو کی۔ سلیمانؑ نے اس کے تمام سوالوں کا جواب دیا۔ سلیمانؑ سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی جو جواب نہ دیتا۔

سبا کی ملکہ نے جب سلیمانؑ کی دانشمندی اور اس کے گھر کو جو اس نے بنایا تھا اور اس کے دسترخوان کے کھانوں کو اور اس کے نوکروں کی نشست و برخاست کے طور کو اور ان کی پوشاک اور اس کے ساقیوں کو اور اس سیڑھی کو جس سے وہ خدا کے مسکن پر چڑھتا تھا۔“ یہ ملوک کی آیت ہے۔ ایام میں اس کے بجائے یہ ہے، ”اور قربانیوں کو جو وہ خداوند کے مسکن

میں چڑھایا کرتا تھا۔") دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے تیری دانش اور تیرے کاموں کی نسبت اپنے ملک میں جو سنا تھا وہ تحقیق خبر تھی، لیکن جب تک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا باور نہیں آتا تھا۔ لیکن جو دیکھا اس کا آدھا بھی نہیں سنا تھا۔

مبارک ہیں تیرے لوگ! اور مبارک ہیں تیرے نوکر جو ہمیشہ تیرے حضور کھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت کی باتیں سنتے ہیں۔ خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے اور جس سے تجھ کو اسرائیل کے تخت پر بٹھایا کیونکہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھ کو بادشاہ بنایا کہ تو عدل و انصاف کرے۔

ملکہ نے ایک سو بیس قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمانؑ کو دیئے۔ ملکہ نے جیسی خوشبوئیں پیش کیں ایسی پھر کبھی نہ ملیں ...... سلیمانؑ نے سبا کی ملکہ کو جو کچھ اس نے مانگا اس سے زیادہ تحفہ دیا۔ اور ملکہ اپنے ملازموں سمیت اپنی مملکت کو پھر گئی۔"

(۲ سفر ایام باب ۹ و ۲ ملوک باب ۱۰)

ترگوم (دوم براسترا) میں جو توراۃ اور نبیم کا آرامی ترجمہ بلکہ آرامی زبان میں ان کی تفسیر ہے، یہ قصہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ گو بعض نہایت لغو باتوں کی بھی اس میں آمیزش ہے۔ ترگوم کی روایت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

"(سلیمانؑ عرق انگور پی کر جب نشاط میں آتے تھے تو تمام بادشاہوں کے سامنے اپنے غلاموں کو بٹھاتے تھے اور اس وقت دنیا کی تمام زندہ مخلوق کو حکم دیتے تھے کہ ان کے سامنے ناچیں۔ ایک دن سلیمانؑ نے دیکھا کہ ہُدہُد غائب ہے۔ (سلیمانؑ نے حکم دیا کہ دکا حاضر کیا جائے) جب ہدہد آیا تو اس نے بیان کیا کہ (تین مہینہ سے وہ اِدھر اُدھر اڑ رہا تھا کہ کوئی ایسا ملک ملے جو اب تک حضور کے ماتحت نہیں ہے۔ آخر مشرق میں ایک ملک ملا جس پر سبا کی ملکہ حکومت کرتی ہے۔ (اس ملک کی خاک سونے سے زیادہ بیش قیمت ہے۔ وہاں چاندی کوڑی کی طرح گلیوں میں پڑی پھرتی ہے۔ درخت وہاں بدء خلقت سے ایسے ہی ہیں۔ پانی وہاں جنت سے

آتا ہے اور وہیں سے بن کر بازار آتے ہیں جن کو لوگ پہنتے ہیں۔ اس ملک کے دارالحکومت کا نام "قیطور" ہے۔ پھر پرندہ نے یہ رائے دی کہ وہ اڑ کر اس ملک کو پھر جائے گا اور وہاں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لائے گا۔ سلیمانؑ نے یہ تجویز پسند کی، اور خط لکھ کر ہدہد (کے بازو میں باندھ دیا گیا۔ ہدہد شام کے وقت جب وہ آفتاب کی عبادت کو جا رہی تھی، پہنچا (یہ خط ملکہ کے حوالہ کیا) ملکہ نے خط پڑھ کر جس میں یہ دھمکی تھی کہ فوراً میری بارگاہ میں حاضر ہو ورنہ اس کی فوج (جو جانوروں، پرندوں، روحوں اور رات کے دیوؤں کی ہے) اس سے لڑنے کو آئے گی۔ (ملکہ بہت خوف زدہ ہوئی اور اس نے بوڑھوں کی) اور سرداروں کی مجلس میں مشورہ کیا لیکن یہ لوگ سلیمانؑ سے بالکل واقف نہ تھے۔ تاہم ملکہ نے (اپنے جہازوں کو بیش قیمت لکڑیوں، گراں بہا جواہر اور موتیوں سے بار کر کے اور چھ ہزار ایک ہی ساعت کی پیدائش اور ایک ہی قد و قامت اور ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی حریر سرخ کے لباس میں غلام اور لونڈیاں) تحفہ بھیجیں (خط کے جواب میں لکھا کہ اگرچہ قیطور اور یروشلم کے درمیان عموماً سات برس کا راستہ ہے تاہم وہ تین برس میں وہاں پہنچے گی) (سلیمان نے اپنے دورہ میں ملکہ سے ملنے کو ایک نوجوان کو جو صبح کی طرح خوبصورت تھا بھیجا) (ملکہ جب یروشلم پہنچی) تو ایک شیشہ کے محل میں اس سے سلیمان نے ملاقات کی۔ ملکہ نے یہ سمجھ کر کہ بادشاہ پانی میں بیٹھا ہے پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا۔ سلیمانؑ مسکرائے اور یہ دیکھ کر کہ اس کے پاؤں میں بال ہیں بولے کہ شکل تو ایک عورت کی ہے لیکن بال مردوں کی طرح ہیں پاؤں کے بال مردوں کی زینت ہیں لیکن عورتوں کے لیے عیب۔ ملکہ سبا نے سلیمان سے بہت سی پہیلیاں پوچھیں (تفصیل میں نے چھوڑ دی ہے) سلیمانؑ نے سب کے ٹھیک جواب دیئے۔")

اس عبارت کے جو فقرے گھیر دیئے گئے ہیں وہ قرآن میں نہیں ہیں، اس سے ظاہر ہو گا کہ قرآن جو گذشتہ کتابوں کی تصحیح و تمحیص کے لیے آیا تھا یہ خدمت اس نے کس حد تک انجام دی۔

علاوہ ازیں ترگوم نے اس واقعہ کو جس طرح و عبارت میں ادا کیا ہے وہ بالکل ایک کم پایہ انسان

کے معمولی افسانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے کہ قرآن کا طرزِ ادا ایک شاہانہ پیغمبری، ایک تبلیغِ دانش و حکمت، ایک روحانی جبروت و اقتدار کے اظہار پر مبنی ہے۔ قرآن کا بیان ترگوم کی واضح غلطیوں سے کہ سبا کا ملک مشرق میں ہے، اس کا پایہ تخت قیطور تھا، وہاں سونا چاندی کوڑی کی طرح پڑی رہتی تھی، دونوں ملکوں میں سات برس کی مسافت ہے، پاک ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قصوں کی غرض و غایت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ترگوم کی بناء پر ملکہ سبا کی طلب صرف شاہانہ ملک گیری کی ہوس پر مبنی ہے، لیکن قرآن کے لحاظ سے یہ طلب دعوۃ الی اللہ، منع شرک، قمع کفر اور اصلاحِ نفوسِ انسانی ہے۔

ایک اور بات بھی قابلِ لحاظ ہے۔ ترگوم کے مطابق حضرت سلیمانؑ سبا سے واقف نہ تھے، اور تعجب و حیرت زائی کا سبب سبا کی دولت و حشمت کا مبالغہ آمیز بیان تھا۔

لیکن وحیِ قرآنی نے اس حیرت و تعجب کا سبب اسی طرح بیان کیا ہے:

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۝ اِنِّيْ	اور ہدہد نے کہا میں سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر
وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ	آیا ہوں۔ میں نے پایا کہ ایک عورت ان پر بادشاہ
كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝ وَجَدْتُّهَا	ہے جس کو ہر چیز دی گئی ہے، اس کا ایک بڑا
وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ	تخت ہے۔ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو
دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ	آفتاب کو سجدہ کرتے پایا نہ کہ خدا کو، شیطان
اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ ۝	نے ان کے کاموں کو ان کی نظر میں اچھا کر کے
(النمل: ۲۲-۲۴)	دکھایا ہے پھر ان کو راہ سے روک دیا ہے۔

بعض شکوک کا ازالہ ۱۔ ترگوم اور قرآن مجید دونوں میں قصہ کی ابتدا ہُدہُد سے ہوتی ہے۔ ہمارے تمام مفسرین نے اس ہدہد سے یہی معروف مرغ مراد لیا ہے۔ لیکن اس زمانہ کے بعض "فطرت پرست" کہتے ہیں کہ مرغ کا بولنا اور اس کی بولی سے مفہوم کا سمجھنا خلافِ عقل ہے۔ اس لیے ہُدہُد کسی انسان کا نام ہو گا اور اس زمانہ میں عموماً یہ نام رکھا جاتا تھا۔ ہم کو اس دعویٰ کی

صداقت سے انکار نہیں کہ ہُدہُد آدمی کے نام ہوتے تھے۔ خود حضرت سلیمانؑ کے عہد میں مدین کے شہزادہ کا نام ہُدہُد تھا[1]۔ اور روایاتِ عرب میں ملکہ کے باپ یا بھائی کا نام بھی ہُدہُد مذکور ہے۔ لیکن قرآن کے لفظ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ (پرندوں کا جائزہ لیا) کا کیا جواب ہوگا؟ میری رائے میں اب جبکہ جانوروں کی عاقلیت کا مسئلہ مسلّم ہوتا جاتا ہے، بندروں کی بولیوں کی ابجد تیار کی جارہی ہے تو ہُدہُد کے بولنے پر تعجب کیوں ہو۔ "طیر" کے معنی فوج کے لینا جیسا کہ مولوی چراغ علی نے لیا ہے، اسی طرح بے ثبوت ہے جس طرح سرسیّد کا سورۂ فیل کی تفسیر میں "طیر" سے فال بد لینا۔ اور اگر پرندوں کا بولنا اب بھی کھٹکتا ہے تو فرض کرلو کہ نامہ بر کبوتروں کی طرح تربیت یافتہ نامہ بر ہدہد ہو گا۔ اور اس کے بولنے سے مقصود اس مضمون کا خط اس کے پاس ہونا سمجھ لو جیسا کہ خود اسی موقع پر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے خط دے کر اس کو ملکۂ سبا کے پاس بھیجا۔ اسی طرح پہلے بھی خط لے کر آیا ہوگا۔

۲۔ دوسری چیز قابلِ بحث ملکۂ سبا کا تخت ہے جس کی نسبت قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کو اپنے دربار میں اٹھوا منگوایا اور اس میں کچھ ردّ و بدل کر کے ملکہ سے پوچھا کہ "تم یہ تخت پہچانتی ہو؟ تمہارا ہے؟" روایاتِ تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ تخت طلائی اور جواہرات سے مرصّع تھا۔ یہودیوں کے اسفار (نبیم) میں سبا کے تخت کا مطلق ذکر نہیں لیکن یہ مذکور ہے کہ ملکۂ سبا حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں بہت سے جواہرات، سونا اور دیگر تحائف لائی جس سے حضرت سلیمانؑ نے ایک ہاتھی دانت کا مرصّع اور جواہر نگار تخت بنوایا[2]۔ ممکن ہے کہ یہ اسی سبائی تخت کے متفرق اجزاء کا ذکر ہو۔ ترگوم استر میں بھی اس تخت کے متعلق بہت سے عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں۔

تاریخی شہادت سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ سبا میں اس قسم کی صنعت کاری کا رواج عام تھا۔ اگا تھرشیدس ایک یونانی مؤرخ جو اسلام سے آٹھ سو برس پیشتر اور سبا کا

---

[1] سلاطین، [2] ایام ۲، باب ۹،

معاصر تھا، شہادت دیتا ہے کہ :

> "سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت لایا جاتا ہے۔ بُعد کے سبب سے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا ہے۔ اس لیے خصوصاً ان کے پایہ تخت میں طلائی ونقرئی ظروف، تخت اور دہلیزیں ہیں جن کے پائے زرنگار، اور نقرئی وطلائی نقش ونگار سے آراستہ ہیں، بیٹھگاہ اور دروازے زر وجواہر سے منقش ہیں۔ اور اس قسم کی زیب وزینت پر وہ نہایت ہنرمندی اور محنت صرف کرتے ہیں"۔

اس تحریری بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مملکتِ سبا میں اس قسم کی چیزوں کا خاص طور سے اہتمام تھا۔ ممکن ہے کہ اس بیان سے بارہ سو برس پہلے ملکۂ سبا کا تخت بھی اسی قسم کا ہو!

۳۔ ایک سوال یہ ہے کہ یہ تخت کس غرض سے بنایا گیا تھا؟ اور حضرت سلیمان کے دربار میں کیوں لایا گیا تھا؟ عام جواب یہ ہے کہ ملکہ کے بیٹھنے کا تخت شاہی تھا جو یمن میں بحفاظت مقفل کمروں میں تھا جہاں سے اظہارِ معجزہ کے لیے پل کے پل میں حضرت سلیمانؑ نے اپنے ملک شام میں اٹھا منگوایا۔ ہم کو اس سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ ملکۂ سبا نے تحفہ کے طور پر حضرت سلیمانؑ کے لیے اپنے ملک کی صنعت کاری کی ایک چیز تیار کرائی تھی اور چونکہ یہ تحفہ تھا ضرور ہے کہ ملکہ اپنے ساتھ شام لائی ہوگی۔ تحفہ کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ قرآن نے سبا کی پہلی سفارت میں تحفہ کا ذکر کیا اور نبیم میں بھی سبا کے تحائف کا ذکر ہے۔

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے درباری نے جو کتاب سے واقف تھا عرض کی کہ میں نگاہ پلٹنے سے پہلے ملکہ کا تخت اٹھا لاتا ہوں۔ نگاہ پلٹنے سے پہلے تخت اٹھا لانے سے مقصود جیسا کہ ہماری زبان میں سرعت اور جلدی سمجھا جاسکتا ہے، اسی طرح عربی زبان میں بھی قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ سے یہی سمجھنا چاہیئے۔ بعض تابعین اور مفسّرین کبار نے بھی اس لفظ کے یہی معنی لیے ہیں اور یہ کہنا تو درحقیقت محاورات زبان سے نادانی کا ثبوت ہے کہ واقعاً اس سے نگاہ کے پلٹنے کے ساتھ کام کا ہوجانا مقصود ہے۔

۴۔ اس قصہ کے متعلق چوتھی بحث یہ ہے کہ قرآن مجید کے ان الفاظ میں کہ " وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا بولا کہ "میں تخت کو نگاہ پلٹنے سے پہلے لا دوں گا۔" کتاب کے علم (عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ) سے کیا مقصود ہے؟ عام مفسّرین توراۃ مراد لیتے ہیں یا اسم اعظم۔ لیکن ظاہر ہے کہ توراۃ کے علم سے تخت کا جلد اور بسرعت لے آنا کیا مناسبت رکھتا ہے؟ اسم اعظم کا یہودی تخیّل کہ وہ جادو منتر کی طرح کوئی سریع التاثیر مخفی لفظ ہے جس کے تکلّم کے ساتھ ہر کام ہو جائے، اسلام میں نہیں۔ البتہ بعض اسمائے الٰہیہ کے ساتھ دعائے مستجاب سے انکار نہیں مگر اس کے لیے تو خود پیغمبر وقت سب سے زیادہ موزوں ہونا چاہیے۔

ایک مدّعیٔ علم کلامِ جدید نے کتاب سے رجسٹر اور دفتر مراد لیا ہے یعنی بعض درباری جو حضرت سلیمانؑ کے سرکاری دفتر اور رجسٹر سے واقف تھے اور یہ جانتے تھے کہ یہ تخت کہاں رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ابھی اٹھا لاتا ہوں۔ لیکن اس عہد میں انیسویں صدی کی طرح باقاعدہ دفتر اور رجسٹر کا دعویٰ ایک مضحکہ خیز امر ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ کتاب سے خط مراد ہے۔ لفظ کتاب اسی قصہ میں اس سے پہلے دو بار اسی معنی میں قرآن مجید میں آچکا ہے۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا، میری یہ کتاب (خط) لے جا۔

(النمل:۲۸)

اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ، میرے پاس ایک کتاب (خط) آئی ہے۔

(النمل: ۲۹)

اس کے علاوہ لفظ کتاب کا بمعنی خط عربی میں عام طور سے استعمال ہے بلکہ فصحاء اس کے سوا خط کے لیے کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ میری تاویل کے مطابق آیت کا مقصود یہ ہے کہ درباریوں میں سے ملکۂ سبا کے مضمونِ خط کا جس کو علم تھا کہ وہ بطور تحفہ اپنے ساتھ ایک تخت لائی ہے، اس نے کہا میں ابھی لاتا ہوں۔

۵۔ قرآن مجید میں ہے کہ ملکہ حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ پہ اسلام لائی اور پیغمبرانہ جاہ و جلال

دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھی، اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمَانَ۔ لیکن بظاہر نبیم سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ لیکن نبیم میں ملکہ کے یہ فقرے "خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے اور جس نے تجھ کو اسرائیل کے تخت پر بٹھایا کیونکہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھ کو بادشاہ بنایا کہ عدل و انصاف کرے" کیا اس کے ایمانِ قلب کو نہیں ظاہر کرتے؟ مسیحی احباب تو قرآن کی تائید پر مجبور ہیں کیونکہ انجیل کا یہ درس ان کو یاد ہوگا،

جنوب کی ملکہ فیصلہ کے دن اس نسل کے ساتھ کھڑی ہوگی اور ملامت کرے گی کہ وہ زمین کے انتہائی حصہ سے سلیمانؑ کی حکمت سننے آئی اور دیکھو کہ یہاں سلیمانؑ سے بڑا ہے ،

(یعنی مسیح) (متی ۱۲-۴۲)

سبا کا مذہب قرآن مجید نے بتایا ہے سبا کا مذہب آفتاب پرستی تھا:

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ	میں نے سبا کی ملکہ اور اس کی قوم کو خدا کو
لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ،	چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا۔

(النمل: ۲۴)

نبیم اس ذکر سے خاموش ہے لیکن ترگوم سے تصدیق ہوتی ہے۔ ترگوم کا فقرہ یہ ہے "جب کہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جا رہی تھی[1]"۔ یونانی مؤرخ تھیوفراسٹس (۳۱۲ ق م) جو اسلام سے تقریباً نو سو برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا، بخورات کے ذکر میں لکھتا ہے، "یہ ملکِ سبا سے متعلق ہے جو بخورات کی ملکیت کی بڑی حفاظت کرتے ہیں۔ ان بخورات کا ڈھیر آفتاب کے ہیکل میں جو اس قوم میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے، لایا جاتا ہے[2]"

روایاتِ عرب سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بانی قبیلۂ سبا کا لقب عبد شمس مشہور[3] ہے، جس کے معنی پرستارِ آفتاب کے ہیں۔ اکتشافاتِ اثریہ نے اس مسئلہ کو اظہر من الشمس بنا دیا

---

[1] جوئش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱، ص ۲۳۶، [2] ہیرن کی ہسٹاریکل ریسرچز جلد ۱، صفحہ ۳۵۱،

[3] ملوک الارض حمزہ اصفہانی صفحہ ۱۰۷، کلکتہ۔

ہے جس کی تفصیل "ادیان" میں آئے گی۔ مجمل یہ کہ سبا کے متعدد دیوتاؤں میں سے ایک "شمس" بھی تھا جس کی تمام جنوبِ عرب میں پرستش کی جاتی تھی[1]۔ مسلمانوں نے ابتدائی صوبوں میں (۲ یا ۳) یمن کی ایک عمارت کا کتبہ پڑھا تھا جو جنوبی (حمیری) زبان میں تھا۔ اس میں یہ عبارت منقوش تھی،

"بسم اللہ ھذا ما بناہ شمر یرعش لسیدۃ الشمس" شمر یرعش نے سورج دیبی کے لیے یہ بنایا[2]۔

سبا کا تفرق و انتشار ہم نے اوپر کہیں بتایا ہے کہ سبا کے مقبوضات تین حصوں میں منقسم تھے حبش، یمن اور شمالی عرب۔ ۱۱۵ ق م میں یہ شیرازے بکھر گئے۔ حبش پر اکسومی خاندان (اصحاب الفیل) قبضہ کر بیٹھا۔ شمالی عرب میں اسماعیلی عربوں نے خروج کیا۔ یمن میں حمیر نے ظہور کیا اور بقیہ قبائل تمام ملک میں تتر بتر ہو گئے۔

لیکن سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ اس پراگندگی، تفرق اور انتشار کا کیا سبب ہوا: روایاتِ نامعتبرہ، حکایاتِ تفسیر اور افسانہائے عرب کا منشا یہ ہے کہ سیلِ عرم کے خوف سے جس کی خبر کاہنوں کے ذریعہ سے پہلے مل چکی تھی، قبائل یمن سے نکل کر دیگر اقطاعِ ملک میں چلے گئے۔ لیکن اولاً تو کاہنوں کی پیشین گوئی ایک لغو امر ہے۔ ثانیاً سیل تو صرف شہر مارب میں آنے والا تھا تمام یمن میں نہ آنے والا تھا اور نہ آیا۔ اس لیے یہ سبب تو ترکِ مارب کا ہو سکتا ہے، ترکِ یمن کا نہیں۔

اصل یہ ہے کہ سبا کی دولت و ثروت کا اساس صرف تجارت تھی۔ یمن ایک طرف سواحلِ ہندوستان کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحلِ افریقہ کے۔ سونا، بیش قیمت پتھر، مسالہ، خوشبوئیں، ہاتھی دانت، یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے ٹھیک یمن میں آکر اترتی تھیں۔ یمن سے سبا اونٹوں پر لاد کر، بحر احمر کے کنارے خشکی حجاز سے گذر کر شام دھر لاتے تھے۔ قرآن مجید نے اسی راستہ کو "امام مبین" (کھلا راستہ) اور اسی سفر کا نام رِحلَۃَ الشِّتَاءِ وَالصَّیفِ، رکھا ہے۔ جس کو قریش نے جاری کیا تھا۔ ان تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۱، صفحہ ۳۷۹، [2] ملوک الارض حمزہ اصفہانی صفحہ ۱۱۰، کلکتہ

کے سبب سے یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی جہاں بے خوف و خطر سفر ہو سکتا تھا۔

چوتھی صدی ق م کے اواخر میں یونانیوں نے اور پہلی صدی ق م میں رومیوں نے علی الاتصال شام و مصر پر قبضہ کیا۔ یہ عربوں کے بار بار حملوں سے خوف زدہ رہتے تھے۔ عرب اس تجارت کو صرف اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے غیر قوموں کو اپنے ملک سے گذرنے نہیں دیتے تھے۔ انباط اور حمیر کے واقعات پڑھو کہ اس کے لیے کیا کیا خونریزیاں ہوئیں اور یونانی و رومی ان دشوار گذار پہاڑوں اور ریگستانوں کو بہ آسانی طے بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لاجرم انہوں نے ہندوستان و افریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر و شام کے سواحل پر اترنے لگا۔ اس طریق سفر نے یمن سے شام تک خاک اڑا دی اور سبا کی تمام نو آبادیاں بے نشان ہو کر رہ گئیں۔

دیکھو! مفسّرین کے علی الرغم قرآن مجید ان واقعات کی کیونکر حرف بحرف تصدیق کرتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ	بے شبہ سبا کے لیے خود اپنے گھر میں
اٰيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِيْنٍ وَّ	نشانیاں تھیں اور باغوں (کا سلسلہ)
شِمَالٍ ہ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ	داہنے بائیں۔ اپنے پروردگار کی روزی
رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ	کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ ستھرا شہر ہے
طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ہ فَاَعْرَضُوْا	اور معاف کرنے والا مالک۔ انہوں نے
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ	سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند (توڑ کر)
وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ	سیلاب بھیجا اور ان کے دونوں باغوں
جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ	کے بجائے بدمزہ پھلوں اور پیلو اور
اَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ہ	کچھ بیری کے جھاڑ پیدا کر دیئے۔ یہ ان

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ
نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ وَجَعَلْنَا
بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً
وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ
سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا
اٰمِنِيْنَ ۝ فَقَالُوْا رَبَّنَا
بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا
وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ
اَحَادِيْثَ مَزَّقْنٰهُمْ
كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝
(سبا: ۱۵ - ۱۹)

کی ناشکر گذاری کی جزا تھی اور ہم تو صرف
ناشکر گذاروں ہی کو یہ جزا دیتے ہیں۔
اور ہم نے ان کے (ملک) اور برکت
والی آبادیوں (شام) کے درمیان بہت
سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور ان
میں سفر کی منزلیں مقرر کی تھیں۔ چلو ان
آبادیوں کی منزلوں میں دن رات بے خوف و
خطر، انہوں نے کہا کہ خدا نے ہمارا سفر بڑا
بنا دیا۔ اے خدا ہمارے سفر کو دور کر دے
انہوں نے خود اپنی جان پر آپ ظلم کیا تو ہم
نے ان کو کہانی بنا دیا اور پارہ پارہ کر دیا،
حقیقۃً اس میں عبرت کی نشانیاں ہیں،
شکر گذاروں اور صابر بندوں کے لیے۔

دیکھو! ان آیتوں میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو سیلابِ عرم کا ذکر ہے جو مسکنِ سبا یعنی شہرِ مارب میں خدا نے بھیجا۔ اس سیلاب کے اثر سے تم کہتے ہو تمام قوم متزلزل ہو گئی۔ لیکن خدا کہتا ہے کہ سیلاب بھیج کر بند توڑ دیا جس سے صرف ان کے باغ ویران ہو گئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تجارت کی جو پُرامن آبادیاں اور راہیں قائم تھیں وہ اجڑ گئیں۔ تم کہتے ہو کہ اس کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن خدا فرماتا ہے کہ یہی وہ عذاب تھا جس سے وہ مٹ کر قصہ کہانی بن گئے اور ان کی قومیت کا شیرازہ پارہ پارہ ہو گیا۔

قرآن کی صداقت پر ایک قرآن کا منکر (مولر) شہادت دیتا ہے کہ سبا کی بربادی سیلاب سے نہیں ہوئی جیسا کہ روایتِ عرب کا بیان ہے، بلکہ تجارتی راہوں کے بدلنے

سے ہوئی ہے، جس طرح کہ قرآن نے بوضاحت تمام بیان کیا ہے[1]۔

بنو کہلان کیا قحطانی ہیں؟ عام علمائے انساب سبا کے دو بیٹے قرار دیتے ہیں، حمیر اور کہلان۔ حمیر کو تمام تر یمن کا مالک قرار دیتے ہیں اور کہلان کو اطراف و حدود کی پاسبانی سپرد کرتے ہیں۔ بنو کہلان کا سالار خاندان خواب دیکھتا ہے یا کسی کاہن سے اس کو معلوم ہوتا ہے کہ سد مارب ٹوٹے گا اور سبا برباد ہوں گے۔ اس بناء پر وہ یمن چھوڑ کر حجاز، شام، نجد، بحرین، عمان، یمامہ، مدینہ، عراق اور شام میں نکل جاتے ہیں۔ ان میں سے مشہور شاخوں کی جو متفرق صوبوں میں جا کر آباد ہو گئے، حسب ذیل تفصیل ہے:

یمن	ہمدان، اشعر
نجد	کندہ، قضاعہ
حجاز	خزاعہ (مکہ) اوس اور خزرج (مدینہ)
عمان	ازد
شام	عاملہ، غسان
عراق	لخم، جذام

لیکن ہمارے نزدیک ہمدان و اشعر اور بعض دیگر قبائل کا قحطانی الاصل ہونا مشکوک ہے۔ قضاعہ، خزاعہ اور لخم کو تو عموماً محققین انساب نے اسماعیلی و عدنانی کہا ہے۔ خزاعہ (اسلم) کو، حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسماعیل کہا ہے[2]۔ اوس و خزرج کا اسمٰعیلی النسب ہونا بھی بخاری کی روایت سے ثابت ہے[3]۔ اور خود اوس و خزرج کو بھی اس کا دعویٰ تھا۔ کندہ کے شاعر خود اپنے کو معد (بنی اسماعیل) کہتے ہیں۔ غسان کا بھی اسماعیلی ہونا شعرائے عرب کے کلام سے ثابت ہے۔ اصل یہ ہے کہ عام علمائے انساب کو صرف تین سلسلے معلوم تھے، عرب بائدہ، قحطانی سبا اور اسماعیلی قیدار (عدنان)، اس بناء پر جب کسی قبیلہ کی نسبت یہ ثابت

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ مضمون سبا، [2] صحیح بخاری باب المناقب [3] صحیح بخاری باب وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا،

ہو جاتا تھا کہ وہ بائدہ اور عدنانی نہیں ہے تو لامحالہ اس کو قحطانی فرض کر لیتے تھے حالانکہ توراۃ اور تاریخ کی رُو سے عرب میں اور بہت سلسلے ثابت ہیں۔

قحطانی اور اسماعیلی خاندانوں میں تمیز کرنا نہایت آسان ہے۔ جنوبی عرب عموماً قحطان کا مسکن ہے اور شمالی بنو اسماعیل کا۔ بنو قحطان کی زبان سبائی و حمیری ہے۔ بنو اسماعیل کی عدنانی اور نابتی۔ اوّل کا خط تحریر مسند ہے اور ثانی کا نابتی۔ دونوں کے نام کا طریقہ، مذہبی تخیّل اور دیوتاؤں کے نام بالکل مختلف ہیں۔

اس نکتہ کے سمجھنے کے بعد یہ عقدہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ بعض علمائے انساب و حدیث خود قحطان کو اسماعیلی کیوں کہتے ہیں۔ امام بخاری کا میلانِ طبع بھی اِدھر ہی نظر آتا ہے۔ چنانچہ صحیح میں انہوں نے "باب نسبۃ الیمن الی بنی اسماعیل" ایک مستقل باب باندھا ہے۔ علمائے انساب میں زبیر بن بکار کی اور ابن اسحاق کی بھی یہی روایت ہے۔ علامہ ابن حجر بھی فتح الباری میں اسی پہلو کو راجح قرار دیتے ہیں[1]۔ اس مبالغہ میں اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ بعض قحطانی شاخیں اسماعیلی ہیں اور یمن میں سکونت کے باعث یا کسی اور سبب سے ان کو قحطانی فرض کر لیا گیا ہے[2]۔

---

[1] فتح الباری جلد ۶ ص ۲۹۱، [2] جامع ترمذی تفسیر سورۂ سبا۔ ترمذی میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ لخم، جذام، غسان، عاملہ، ازد، اشعر، حمیر، کندہ، مذحج اور انمار سبا کے خاندان سے ہیں۔ یہ حدیث غریب و حسن ہے۔

حمیر

سبا کا طبقۂ ثالثہ و رابعہ

(۱۱۵ ق م - ۲۵ء)

قوم تبع و اصحاب الاخدود

ملکِ یمن کا نقشہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ مغربی و مشرقی دو حصّوں پر منقسم ہے۔ قطعۂ مشرقی جو اندرونی ملک سے ملحق ہے، مملکتِ سبا ہے۔ قطعۂ مغربی جو ایک طرف بحرِ عرب اور دوسری طرف بحرِ احمر کو چھوتا ہے، حمیر کی مملکت ہے۔

اس سے تم نے سمجھا ہوگا کہ بحری تجارتوں نے سبا کو مٹا کر حمیر کو کس حد تک چمکا دیا ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ یمن کی حکومت مشرق سے منتقل ہو کر مغرب کو چلی آئی اور حمیر جو مغربی قبیلہ تھا، اس نے قوّت مزید حاصل کرلی۔ ناچار مشرقی قبائل رزق و معاش کی تلاش میں کچھ مغرب کو اُٹھ آئے۔ کچھ یمامہ، بحرین، حجاز، عراق اور شام کو چلے گئے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ حمیر سبا سے کوئی الگ شے نہیں ہے۔ صرف خاندان اور موقعِ حکومت کا فرق ہے۔ زبان مذہب اور طریقِ تمدن تمام چیزیں ایک ہیں۔ اسی لیے خود حمیر کے کتبات میں بھی بجائے حمیر کے سبا ہی مذکور ہے۔ البتہ مؤرّخینِ یونان نے ۲۰ ق م میں اور اہلِ حبشہ نے چوتھی صدی عیسوی میں اپنے کتبہ میں ان کو حمیر کہا ہے۔

لفظ حمیر علمائے انساب کہتے ہیں کہ حمیر سبا کے جانشین فرزند کا نام تھا اور اس لیے سبا کی تمام تاریخ میں وہ بجائے سبا کے ہر جگہ حمیر بولتے ہیں۔ لیکن اب تک جو کتبات ملے ہیں اور جن سے اکثر کی بعینہٖ عبارتیں میری نظر سے گذری ہیں ان میں لفظ حمیر کہیں نظر

نہیں آیا[1]۔ خود حمیر کے سلاطین اپنے آپ کو "ملک سبا و ذوریدان" لکھتے ہیں۔ ہاں اہلِ حبش کے بعض کتبات میں حمیر اور ارضِ حمیر البتہ کہیں کہیں ملتا ہے۔ حمیر عربی اور حبشی میں "حمر" سے مشتق ہوگا جس کے معنی سرخ کے ہیں۔ اور محاورہ میں گورے رنگ کو احمر کہتے ہیں۔ اس کا مقابل اسود ہے۔ عرب سیاہ و سپید کی جگہ "اسود الاحمر" بولتے ہیں۔ چونکہ عرب اہلِ حبش کو اسود اور اسودان کہتے ہیں، اس کے مقابل میں حبش عربوں کو "حمیر" یعنی گورے رنگ کے آدمی کہتے ہوں گے۔ ابرہہ یمن کا حبشی فاتح اپنے ایک کتبہ[2] میں لکھتا ہے کہ "بادشاہ حبشی حمیری فوج لے کر آیا"۔ موجودہ محاورۂ ہند میں اس کے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ کالی گوری دونوں پلٹنیں آئیں۔

السنۂ سامیہ اور آثارِ عرب کے ایک مشہور ماہر ہالوے Halvey نے اپنے سلسلۂ مضامین "مطالعۂ زبانِ سبا" میں جو فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی[3] جرنل میں شائع ہوا ہے۔ اس موضوع پر ایک نہایت عجیب بحث لکھی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بربنائے کتبات شاہانِ سبا و حمیر کا آئین تحریر یہ تھا کہ وہ کتبات میں عموماً لفظ ملک (شاہ) کے بعد قلعۂ حکومت کا، اس کے بعد اپنے شہر حکومت کا (یا علی العکس) ذکر کرتے تھے۔ اس بناء پر جب ہم کو شاہِ اذینہ حبشی کے کتبہ میں "ملک حمیر و ریدان و سبا و سلحین" لکھا نظر آتا ہے تو ہم صاف کہہ دیں گے کہ سبا و سلحین میں جو تعلق ہے یعنی پہلا شہر ہے اور دوسرا قلعہ، یہی تعلق حمیر اور ریدان میں بھی ہے۔ اس بناء پر حمیر قوم کا نام نہیں بلکہ قلعۂ شاہی کا نام تھا اور رفتہ رفتہ اس نے حکومت کا اور پھر تمام قوم کا نام اختیار کر لیا۔

لیکن ہم کو متعدد وجوہ سے اس تحقیق سے انکار ہے۔

۱۔ اس تاریخ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ سامی قوموں میں شخص کے نام پر ملک کے نام رکھنے کا رواج عام تھا لیکن ملک کے نام پر قوم کا نام کبھی نہیں رکھا گیا۔ اس کی متعدد

---

[1] جہاں جہاں ہم نے اس باب میں کتبات کے حوالے دیئے ہیں وہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل ۱۸۷۲ء کے مضامین "مطالعۂ زبانِ سبا" سے التقاط ہیں۔ [2] دیکھو اصحاب الفیل، [3] مئی و جون ۱۸۷۳ء پیرس

اوپر گذر چکی ہیں اور خود یہاں بھی دیکھ لو کہ سبا ایک قوم کا اصل میں نام ہے جس کو ہالوے صاحب بھی اس مضمون میں تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس قوم کا پایہ تخت شہر مارب تھا، اس بناء پر خود شہر مارب کو سبا کہنے لگے جیسا کہ اذینہ کے مذکورہ بالا کتبہ میں بھی موجود ہے۔

(۲) قاعدہ یہ ہے کہ لفظ مذکورہ اگر کسی مقام کا نام ہوتا ہے تو اس کے پہلے، لفظ "ذو" (مالک) یا لفظ "حضر" (شہر) یا لفظ "بیت" (قلعہ) آتا ہے۔ مثلاً خود صاحب ممدوح کے شائع کردہ کتبات میں دیکھو "ذو ریدان" "ذو سلحین" کہ یہ دونوں مقامات کے نام ہیں۔ "حضر عدن و بیت ابین" یعنی شہر عدن و قلعہ سلحین و شہر مارب۔ لیکن اس قسم کا استعمال لفظ حمیر کے ساتھ کہیں نظر نہیں آتا۔ اذینہ کے جس کتبہ کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کی عبارت بھی یوں ہے، "بجوس[1] حمیر و ذو ریدان و ذو سلحین"۔ دیکھو کہ اس میں بوضاحتِ تمام مقام اور قوم کے نام میں فرق نظر آتا ہے۔

(۳) اب تک کتبات میں جس قدر شہروں اور قلعوں کے نام ملے ہیں وہ تمام تر عربی جغرافیوں میں مذکور ہیں لیکن حمیر کا بحیثیت قلعہ یا شہر کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مملکتِ حمیر تمہید میں معلوم ہو چکا ہے کہ حمیر مغربی یمن میں بحرِ احمر و بحرِ عرب کے متصل آباد تھے۔ اس وقت اس خاندان پر "ذو" (امیر) حکومت کرتے تھے۔ قلعہ ریدان ان کا مسکن تھا اور اس بناء پر خطابِ امارت "ذو ریدان" تھا۔ یہ قلعہ شہر ظفار کے متصل تھا جو شہر صنعاء کے قریب واقع ہے اور جدید حکومت کا پایہ تخت تھا۔ ابو علکم مرانی اسی ریدان کے ذکر میں کہتا ہے:

وفی ظفارٍ بنت آباؤنا غرفاً   فی کوکبان وقصر الملک ریدانا

ہمارے بزرگوں نے ظفار میں عمارتیں تعمیر کیں   نیز کوکبان میں اور "قصر شاہی ریدان" تھا۔

سبا کی تباہی و تفرق کے بعد حمیر نے مارب تک اپنی حکومت کو وسعت دی۔ اس

---

[1] بجوس حبشی لفظ ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ اسی لفظ کو معرب کر کے عرب نجاشی کہتے ہیں۔

وقت ان کا لقب شاہی "ملک سبا و ذو ریدان" نظر آتا ہے۔ ایک مدت کے بعد ان کے القاب میں شاہ حضرموت کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر تمام یمن، نجد اور تہامہ کی بادشاہی القاب میں نظر آتی ہے۔ اس ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح رفتہ رفتہ ان کی حکومت کا رقبہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ آخراً ۵۲۵ء میں آخری حمیر بادشاہ ذونواس اکسومی حبشیوں سے شکست کھاتا ہے اور تقریباً چالیس برس کے لیے ملک ان کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایرانی آتے ہیں اور ان کے چند سالوں کے بعد تہامہ کی گھاٹیوں سے خورشیدِ اسلام یمن میں طلوع ہوتا ہے اور ایک دن میں تمام یمن اس نور سے منور ہو جاتا ہے۔

حمیر کا زمانہ سبا کے خاندانِ حمیر کا زمانہ کب سے شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟ اس کا جواب فرض و تخمین کی بجائے کسی قدر واقعیت سے دیا جاتا ہے ہے۔ سبائے حمیر کے پچھلے کتبات میں مبہود بن ابہد کے نام سے ایک غیر معلوم تاریخ کے سنین کا استعمال کیا گیا ہے، سنہ ۳۸۵، سنہ ۵۷۳، سنہ ۵۸۲، سنہ ۶۴۰، سنہ ۶۵۷، سنہ ۶۵۸، سنہ ۶۶۹، مختلف کتبات کے سنین ہیں۔ ان میں سے سنہ ۶۴۰ کے کتبہ میں حبش کے حملۂ یمن اور ذونواس کی موت کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ عرب روایات اور رومی بیانات کے بیانات ۶۲۵ء کا ہے۔ اس بنا پر یہ بالکل بدیہی ہے کہ ۶۲۵ء، سنہ ۶۴۰ حمیری کے مطابق ہے اور اس لیے سنہ حمیری کی ابتدا ۱۱۵ ق م قرار پائے گی۔ یہ تحقیق ہالوے کی ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں میری رائے ایک اور ہے۔ ہالوے کی اس تحقیق سے یہ توالبتہ ثابت ہوتا ہے کہ حمیری سنہ کی ابتدا ۱۱۵ ق م سے ہوتی ہے لیکن یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حمیری خاندان یعنی "ملک سبا و ذو ریدان" کی بھی ابتدا اسی سنہ سے شروع ہوتی ہے۔ کتبات میں ایک کتبہ کی عبارت یہ ہے "الیشرح یحضب و یثیل بین شاہانِ سبا و ریدان فرزندان فرع ینہب شاہ سبا"۔ رومی تاریخ میں ایک حملۂ یمن کا ذکر ہے جو ۲۰ ق م میں الیشرح شاہ مارب (سبا)[1] پر کیا گیا تھا[2]۔ البشرح اس عہد میں دو (چچا اور بھتیجا) کا نام تھا۔ الیشرح

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۳ ص ۹۵۷، [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۳ ص ۹۵۶۔

یحصب اور الیشرح یحمل ۔ میں رومی تاریخ کا الیشرح ، الیشرح یحمل کو فرض کرتا ہوں۔ کتبۂ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ الیشرح یحصب سبا و ریدان کا پہلا بادشاہ تھا۔ رومی تاریخ سے الیشرح یحمل کا زمانہ ۲۰ ق م معلوم ہوتا ہے ۔ اس بناء پر حمیری خاندان کی ابتدا پہلی صدی کے اوسط سے نہیں نہیں جاتی۔ مبہود بن ابہد جس کے نام کی طرف حمیری سنہ کی نسبت ہے ، عجب نہیں کہ سبا کے سیاسی انقلاب کے بعد حمیر کا پہلا کاہن ہو۔ بابل میں یہ قاعدہ تھا کہ سنہ کی ابتدا سلاطین کے بجائے کاہنوں سے کی جاتی تھی۔ یہی اصول سنہ نویسی حمیر میں بھی نظر آتا ہے[1]۔

بہرحال اگر میری رائے درست ہے جس کی دوسرے واقعات سے بھی تصدیق ہو چکی ہے تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ سبائے حمیر کی تاریخ پہلی صدی ق م کے اوسط سے شروع ہوتی ہے اور ذونواس کی موت پر ۵۲۵ء میں ختم ہوتا ہے اور اس بناء پر حمیر کی کل مدت حکومت تقریباً پانچ سو بچاس برس ہے پلٹے گی۔ مؤرخین یونان نے حمیر کا ۲۰ ق م میں پہلی بار ذکر کیا ہے۔

حمیر کے طبقات حمیری حکومت کے پانچ سو بچاس برس حمیر کی مسلسل تاریخ نہیں ہے۔ پہلی صدی ق م سے تیسری صدیؑ کے اواخر تک حمیر کا طبقہ اوّل یا سبا کا طبقۂ ثالث فرمانروائی کرتا رہا۔ دوسرا طبقہ تیسری صدی کے اواخر سے شروع ہوتا ہے اور ابھی چند ہی بادشاہ گذرتے ہیں کہ اکسومی حبشی چوتھی صدی کے اوسط میں یمن گھس آتے ہیں۔ چند سال کے بعد حمیر ان حبشیوں کو نکال کر پھر وطنی حکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ یہ طبقہ ۵۲۵ء تک جبکہ آخری بار اہلِ حبش فاتحانہ داخل ہوتے ہیں، قائم رہتا ہے۔

سبائے حمیر کے ان دونوں طبقات میں متعدد فروق و امتیازات ہیں۔ دورِ اوّل کے سلاطین کا لقب "ملک سبا و ذو ریدان" ہے دور ثانی میں یہ سلاطین ملک سبا و ریدان و حضرموت کا لقب اختیار کرتے ہیں اور پھر جب کوئی نیا قطعۂ ملک فتوحات میں شامل ہوتا ہے، تو لقب شاہی میں اتنا ہی اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان القاب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دورِ اوّل میں

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۱ صفحہ ۲۷۷،

حمیر کا رقبۂ حکومت صرف یمن تک محدود تھا۔ دورِ ثانی میں حضر موت تک وسیع ہو جاتا ہے۔ عرب مؤرّخین کے بیان سے بھی ان طبقات کی تصدیق ہوتی ہے۔

> واول من ملك اولاد قحطان حمير بن سبا فبقي ملكا حتى مات هرماً وتوارث ولده الملك بعده فلم يعد هم الملك حتى مضت قرون وصار الملك الى الحارث وهو تبع الاوّل فمن ملك اليمن قبل الرائش ملكان وملك بسبا وملك بحضرموت فكان لا يجتمع اليمانيون كلّهم عليهم الى ان ملك الرائش فاجتمعوا عليه وتبعوه فسُمّيَ تبعا،
>
> (حمزہ اصفہانی ص ۱۰۸، کلکتہ)

فرزندانِ قحطان میں سے جو پہلے بادشاہ ہوا وہ حمیر ابنِ سبا ہے۔ یہ آخر وقت تک بادشاہ رہا تا آنکہ بڈھا ہو کر مرگیا۔ پھر حکومت اس کی نسل میں وراثۃً جاری رہی اور ان کے ہاتھ سے نہیں نکلی تا آنکہ چند صدیاں گذر گئیں۔ پھر حارث الرائش بادشاہ ہوا جو پہلا تبع ہے۔ اس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے تھے، ایک سبا میں اور ایک حضر موت میں۔ تمام یمنی ایک کی اطاعت پر متفق نہیں ہوتے تھے۔ لیکن جب یہ بادشاہ ہوا تو اس کی بادشاہی پر سب متفق ہو گئے اور اس کی اطاعت کرلی اس لیے اس کا لقب تبّع ہوا۔

ایک اور فرقِ عظیم ان دونوں طبقوں میں یہ ہے کہ پہلا طبقہ عموماً ستارہ پرست ہے۔ ان کے تمام طبقات میں ستاروں، دیوتاؤں اور ہیکلوں کے ناموں اور یادگاروں سے مملو ہیں۔ دوسرے دَور میں سلاطینِ حمیر بعض عیسائی اور اکثر یہودی المذہب ہیں۔ اس لیے ان کے کتبات میں بجائے دیوتاؤں کے رحمان کا نام نظر آتا ہے۔[1]

شاہانِ حمیر ابھی جو عبارت حمزہ اصفہانی کی تم نے پڑھی اس سے سمجھا ہوگا کہ حارث الرائش سے پہلے کے شاہانِ حمیر کی جماعت سبائے حمیر کا طبقہ اوّل ہے اور حارث الرائش سے آخر تک طبقہ ثانیہ ہے۔ شاہانِ طبقۂ اوّل کے جو نام عربی تاریخوں میں مذکور ہیں، باہم نہایت مختلط، مختلف اور متعارض ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا کے رُو سے ان میں سے کسی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: مضمون سبا، حمزہ اصفہانی: فصل حمیر۔ عبد کلال عیسائی تھا، ذونواس وغیرہ یہودی تھے۔

ہیں بھی صحت کا شائبہ نہیں ہے۔ ان ناموں کی تفصیل ہم سبا کے ذکر میں کر چکے ہیں۔ مختلف مؤرخین کے بیانات ایک بار پڑھ لو اور دیکھو کہ طبقۂ ثانیہ میں خود مؤرخینِ عرب نے جو نام لکھے ہیں اور جو ایک حد تک صحیح ہیں، اور جو کتبات میں نام ملے ہیں ان دونوں سے ان ناموں کو زبان، جنسیت، مشارکت دیکرنگی اور طریقۂ اسمیت میں کوئی مناسبت ہے؟

مؤرخینِ عرب کے طبقۂ اوّل حمیر کے نام	مؤرخینِ عرب کے طبقۂ دوم حمیر کے نام	کتبات کے سبائی حمیری نام
حمیر	ناشر ینعم	فرع ینہب
الہمیسع	شمریرعش ابوکرب	الیشرح یحضب
ایمن	ابومالک	الیشرح یحمل
زہیر	الاقرن	یثیل بین
عریب	کلیکرب	کرب ایل یوینعم
الغوث	اسعد ابوکرب	ذمرعلی ذرخ
وائل	عبید کلال	شمریہرعش
عبدشمس	مرثد بن عبید	ملک یکرب یوہنعم
ہزیرالصوار	ولیعہ بن مرثد[1]	ابوکرب اسعد
ذویقدم		معدی کرب
ذوانس		مرثد اللات
عمرو		ملک امر
الملطاط		سمہی کرب
القلیص		تبع کرب
شدد[2]		یفرع ینعم[3]

---

[1] یہ نام حمیر کے محقق ترین ماخذ نشوان بن سعید الحمیری کے قصیدۂ حمیریہ سے ماخوذ ہیں۔ [2] حمزہ اصفہانی، نسل حمیر۔

[3] کتبات شائع کردہ ہالوے اور فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی بخط عبری ۱۸۷۲ء۔

اس مقابلہ سے تم نے سمجھا ہوگا کہ سبا اور حمیر کے اصلی نام کی صحیح ہیئت کیا ہوتی ہے اور ان میں کس قسم کے جوڑ بند ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اکثر محققینِ تاریخِ عرب نے طبقۂ ثانی سے پہلے کے نام چھوڑ دیئے ہیں۔ حمزہ اصفہانی جو عربی زبان میں تاریخِ قدیم کا بہترین و محقق ترین ماخذ ہے، حارث الرائش سے پہلے کے سلاطین کا مطلق نام نہیں لیتا۔ کہتا ہے:

واول من ملك من اولاد قحطان	فرزندانِ قحطان میں سے حمیر بن سبا پہلا بادشاہ ہوا
حمير بن سبا فبقي ملكا حتى مات هرمًا	اور آخر تک بادشاہ رہا تا آنکہ بڈھا ہوکر مرگیا۔ اس
وتوارث ولده الملك بعده فلم يعدهم	کی نسل میں وراثۃً حکومت قائم رہی اور یمن کی حکومت
ملك اليمن حتى مضت قرون وصار	اسی نسل میں باقی رہی یہاں تک کہ چند صدیاں گذر
الملك الى الحارث،[1]	گئیں اور حارث بادشاہ ہوا۔

حارث سے پہلے کی یہی چند مجہول صدیاں حمیر کا طبقہ اوّل ہے۔

شاہانِ حمیر اور ان کے طبقات کی نسبت ہم نے جو کچھ لکھا اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ حمیر کے طبقہ ثانیہ میں اکسومی (سبائی) حبش کی ایک قلیل الزمانہ حکومت کی خلیج بھی حائل ہے۔ عرب مؤرخین کو عموماً گو اس کی واقفیت نہیں لیکن شاہانِ حمیر کی کامل فہرست جو وہ پیش کرتے ہیں طبقۂ ثانی کے بیچ میں یعنی حارث الرائش اور ناشر ینعم کے درمیان ناموں کے رنگ و بو پہچاننے والوں کی صاف حبشی یا کم از کم غیر عربی یا حمیری رنگ و اثر چند ناموں میں نظر آئے گا:

نام	کیفیت	نام	کیفیت
الف	نام	۴۔ زہیر	مصنوعی نام
۱۔ حمیر	مصنوعی نام	۵۔ عریب	مصنوعی نام
۲۔ الہمیسع		۶۔ الغوث	مصنوعی نام
۳۔ الف ایمن	صحیح لیکن نام کا صرف ایک جزو ہے	۷۔ وائل	ایک خاندان شاہی کا جزو اول نام ملا ہے

نام	کیفیت	نام	کیفیت
۸۔ عبد شمس	صحیح نام	۲۔ شمر یرعش	صحیح نام
۹۔ زہیر الصوار	مشکوک نام	۳۔ ابو مالک	صحیح نام
۱۰۔ ذولیف درم	مشکوک نام	۴۔ الاقرن بن ابی مالک	مشکوک نام
۱۱۔ ذوانس	مشکوک نام	۵۔ ذوجیشان بن الاقرن	مشکوک نام
۱۲۔ عمرو	مشکوک نام	۶۔ تبع بن الاقرن	مشکوک نام
۱۳۔ الملطاط	مصنوعی نام	۷۔ کلی کرب بن تبع	صحیح نام
۱۴۔ القلیص	مصنوعی نام	۸۔ اسعد ابو کرب	صحیح نام
۱۵۔ سدو	مصنوعی نام	۹۔ حسان بن تبع	مشکوک نام
۱۶۔ الحارث الرائش	صحیح نام	۱۰۔ عمرو بن تبع	مشکوک نام
ب		۱۱۔ عبد کلال	صحیح نام
۱۔ ابرہہ ذوالمنار	حبشی نام ابرہہ، ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے۔	۱۲۔ تبع بن حسان	مشکوک نام
		۱۳۔ مرثد بن عبید	صحیح نام
۲۔ افریقس بن ابرہہ	غیر عربی نام، افریقس کے معنی شاید افریقی یعنی حبشی ہوں۔	۱۴۔ ولیعہ بن مرثد	صحیح نام
		۱۵۔ ابرہہ بن الصباح	حبشی نام
		۱۶۔ صہبان بن محرث	مشکوک نام
۳۔ العبد ذوالازعار	مشکوک نام	۱۷۔ حسان بن عمرو	مشکوک نام
۴۔ ہداد بن شرجیل	ایک حبشی بادشاہ کا نام	۱۸۔ ذاشناتر	صحیح نام
۵۔ بلقیس بنت ہداد	غیر عربی، شاید یونانی نام	۱۹۔ ذونواس	صحیح نام
ج		۲۰۔ ذوجدن	صحیح نام
۱۔ ناشر ینعم	صحیح نام		

اس طویل فہرست میں قائمۂ "الف" طبقۂ اوّل حمیر ہے لیکن تمام نام اس کے صحیح نہیں ہیں ۔

قائمۂ "ب" ایک مختصر حبشی دَور ہے ۔ یہ نام بھی غیر صحیح ہیں لیکن حیثیت کا ان میں شائبہ ہے ۔

قائمۂ "ج" طبقۂ دوم حمیر ہے اور قرب زمانہ کے سبب اس کے اکثر نام صحیح اور محفوظ ہیں ۔

طبقۂ اوّل کے صحیح نام اور زمانے شاہانِ حمیر کے صحیح نام وہ ہیں جو اَب تک پتھر اور چاندی کے حرفوں میں یمن کے ویرانوں اور سکّوں میں لکھے ملے ہیں اور جن کو بہتوں نے پڑھا ہے اور ہر شخص جاکر پڑھ سکتا ہے ۔ ہم نے اوپر بتایا کہ طبقۂ ثانی کے بعض کتبوں پر تاریخیں بھی ثبت ہیں جن کا حل ہو چکا ہے ۔ بعض سلاطین کے نام رومیوں کے سیاسی و تجارتی تعلق سے یونانی و رومی تاریخوں میں محفوظ ہیں اور قیاصرۂ روم کی معاصرت سے ان کی تاریخ معلوم ہے ۔

اس رومی تعلق سے طبقۂ اوّل حمیر میں سے (جس کا لقب شاہی "ملک سبا و ذو ریدان" ہے) دو بادشاہوں کی تاریخ معلوم ہے ۔ کرب ایل Charibael اور الیشرح Elisaros کتبہ میں الیشرح یحضب اور الیشرح یحل دو چچا بھتیجوں کے نام ملتے ہیں ۔ رومیوں کا الیشرح ان میں سے موجودہ ۲۰ ق م میں موجود تھا ۔ کرب ایل شاہ سبا و ذو ریدان کو بریلوس مؤرخ (سنہ ء) نے پہلی صدی عیسوی کے اوسط میں ذکر کیا ہے ۔ کتبوں میں الیشرح اور کرب ایل اور ان کے باپ اور بیٹوں کے نام بھی ملے ہیں جو ظاہر ہے کہ ترتیب میں اس کے آگے ہوں گے ۔ بقیہ نام قیاساً اوپر نیچے ترتیب دیئے گئے ہیں ۔ سب سے پہلا نام الیشرح یحضب قرار دیا جاتا ہے کہ کتبہ ذیل کی رُو سے ملک سبا و ذو ریدان کے لقب سے یہ پہلا شخص نظر آتا ہے :

"الیشرح یحضب و ئیل بین شاہان سبا و ریدان ، ابن فرع ینہب شاہ سبا[1]"

الیشرح شاہ سبا و ریدان ہے ، اس سے پہلے اس کا باپ شاہ سبا ہے ، طبقۂ اوّل یعنی

---

[1] ہالوے ، فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل سنہ ۱۸۷۲ء مضمون مطالعۂ زبانِ حمیر ۔

"شاہانِ سبا و ریدان" کے نام حسبِ ذیل ہیں[1]:

۱	الیشرح یحضب، ملک سبا و ذو ریدان، بن فرع ینہب ملک سبا		۵۰-۳۰ ق م (فرضاً)
۲	یثیل بیّن، ملک سبا و ذو ریدان فرع ینہب ملک سبا		ایک خاندان ۳۰-۲۰ ق م
۳	الیشرح یحمل ملک سبا و ذو ریدان، بن یثیل بیّن		۲۰ ق م - ۱ء (تقریباً)
۴	ذمر علی بیّن، ملک سبا و ذو ریدان		۱-۳۰ء (فرضاً)
۵	کرب ایل وتار یوہنعم، ملک سبا و ذو ریدان بن ذمر علی		ایک خاندان ۳۰-۶۰ء (تقریباً)
۶	ہلک اِمّر، ملک سبا و ذو ریدان بن کرب ایل		۶۰-۸۰ء (فرضاً)
۷	ذمر علی ذرح، ملک سبا و ذو ریدان بن کرب ایل		۶۰-۸۰ء (فرضاً)
۸	یغرع ینعم، ملک سبا و ذو ریدان		۱۰۰-۱۲۰ء (فرضاً)
۹	ہوفعثت، اشوع، ملک سبا و ذو ریدان، بن یغرع ینعم	کتبہ میں ایک ساتھ ان کا نام ہے۔	ایک خاندان ۱۲۰-۱۴۰ء 〃
۱۰	یثدد ایمن، فرزندان ہوفعثت		۱۴۰-۱۶۰ء 〃
۱۱	وہب ایل بحز، ملک سبا و ذو ریدان		۱۶۰-۱۹۰ء 〃
۱۲	لغز نوفان یہصدق، ملک سبا و ذو ریدان	متفرق نام	۱۹۰-۲۲۰ء 〃
۱۳	یاسر یہصدق، ملک سبا و ذو ریدان		۱۲۰-۲۴۰ء 〃
۱۴	ذمر علی یہبّر، ملک سبا و ذو ریدان		۱۴۰-۲۷۰ء 〃
۱۵	یاسر یوہنعم، ملک سبا و ذو ریدان		۱۷۰-۲۸۰ء (تقریباً)

طبقہ اوّل کے حالات سیاسی اس عہد میں یمن کے دو ہمسایہ حکومتوں سے تعلقات تھے، اکسومی حبش جو سبائی الاصل تھے اور جو مقابل کے ساحل افریقہ پر آباد تھے، اور رومی جو مصر و شام پر

---

[1] یہ فہرست ہوارت کی تاریخ، فصل سوم اور کتبات شائع کردہ موسیو ہالوے (فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۷۴ء) سے ماخوذ و ملتقط ہے۔

حکومت کرتے تھے اور بحری راستہ سے ہندوستان کا مال تجارت لے کر سواحل یمن پہ گذرتے تھے اور خود اہلِ یمن سے بھی تجارتی تعلق رکھتے تھے۔

رومیوں میں بھی یہودیوں کی طرح سبا کی دولت وثروت کی اس قدر شہرت ہوگئی تھی کہ رومن لٹریچر میں سبا کی دولت ضرب المثل بن گئی۔ شعراء ان کی دولت کی تمثیل دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ طمع وحرص نے کام و دہن میں لذت اور دست و پا میں حرکت پیدا کی۔ ٢٠ ق م میں آلیس گالوس Aelius Gallus نے جو رومیوں کی طرف سے مصر کا گورنر تھا، قیصر اغسطس Agustus کے حکم سے یمن پر حملہ کی تیاری کی۔ انباط جو شمالی عرب میں ان کے زیر اثر تھے، اعانت کے لیے آمادہ کیے گئے اور بظاہر وہ بھی آمادہ نظر آئے۔ شاہ انباط کا وزیر سلوس یا ثالث عرب کے بے نشان کوہ وبیان م میں رہبر بنا۔ آخر صحرا و کوہستانِ حجاز طے کر کے یمن میں داخل ہوا۔ الیشرح جو اس وقت یہاں کا بادشاہ تھا حملہ کی تاب نہ لا سکا اور قلعہ بند ہوگیا۔ رومی کئی روز تک محاصرہ کیے پڑے رہے لیکن پانی کی کمیابی سے خود حملہ آور فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور نجران و حجاز ہو کر ساٹھ دن کے بعد بحال تباہ و زار مصر واپس[1] آئی۔

یورپین اس مختصر اور عاجلانہ مہم کو بہت جی لگا کر بیان کرتے ہیں۔ کوئی فوج کے راستہ کا نشان بتاتا ہے، کوئی محرف ناموں کی تصحیح کرتا ہے، کوئی اس کا جغرافیہ تیار کرتا ہے، کوئی اس مہم کی ناکامیابی کا سبب انباط کی خیانت ٹھہراتا ہے، کوئی راستہ کی دشوار گذاری کا عذر تراشتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر اور ریورنڈ فارسٹر اس کہانی کے مشہور قصہ گو ہیں۔ بہر حال رومیوں کی اس ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر انہوں نے ادھر آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

اکسومی حبش اس بناء پر کہ حمیر تمام تر سبا پہ قابض ہوگئے تھے، ان سے جلتے تھے۔ حبشی کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی سے انہوں نے یمن پر حملہ شروع کیا اور یہ حملہ مسلسل قائم رہا۔ کبھی فاتح ہو کر بڑھے اور کبھی مفتوح ہو کر پیچھے ہٹے۔ آخر حضرموت اور دیگر ساحلی مقامات پر موقع کی

---

[1] فارسٹر فصل آیلس گالوس کی عرب پر مہم، جلد ٣،

فرصت پاکر جم گئے۔ شمر یہرعش نے (جس کو عرب حارث الرائش اور شمر یرعش دو شخص سمجھتے ہیں) ان سے جنگ کی ہوگی اور ان سے یہ مقامات چھینے ہوں گے۔ کیونکہ وہ یمن اور حضرموت دونوں کا پہلا بادشاہ ہوا اور اپنا لقب اس لیے اس نے تبع اختیار کیا جس کے معنی حبشی زبان میں سلطان کے ہیں۔ اور شاید اسی لیے قومی ہیرو کے لحاظ سے عرب اس کو زیادہ وقعت دیتے ہیں۔ شمر یرعش کے بعد ایک مدت تک بیچ کی کڑی نہیں ملتی جس سے قیاس ہوتا ہے کہ نالائق جانشین ہوں گے۔ اسی بناء پر اکسومیوں نے پھر دوبارہ حملہ کیا اور حمیر کو شکست دی۔ تقریباً ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یہ مدعیٔ فرمانروائی رہے[1]۔ گو وطنی رؤسا بھی اپنی جگہ پر ماتحت کی حیثیت سے قائم رہے۔ ۳۷۸ء میں ملک یکرب نے ان کو نکال کر یمن وحضرموت پر دوبارہ حقیقی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت ۵۲۵ء تک باقی رہی، ۵۲۵ء میں اکسومیوں نے دوبارہ حملہ کیا کے ان کو برباد کر دیا۔

۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک جو اکسومی خاندان قائم کیا گیا ہے، اس کی صحت کی متعدد دلیلیں ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اکسوم کے کتبہ میں اس کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے۔ شاہ اذینہ اور اس کے جانشین جو ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک اکسوم میں بادشاہ تھے، اپنے کو "ملک اکسوم وحمیر وریدان وایثوبیا وسبا و زیلع" کہتے ہیں۔ حمیری کتبات میں اس عہد کے نام ملقب شاہی نہیں ملتے۔ عربی تاریخوں میں اس عہد کے سلاطین حمیر کے جو نام مابین شمر یرعش اور ملک یکرب مذکور ہیں، وہ حبشی التلفظ ہیں۔ خود عرب مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ شمر یرعش کے بعد اس بناء پر حمیر طبقہ دوم یعنی "ملوک سبا وریدان وحضرموت" کی ترتیب یہ ہے کہ اوّلاً دو حمیری بادشاہ ہیں۔ پھر چند حبشی ہیں۔ ان کے بعد پھر سلسلۂ حمیری ہے۔

طبقہ ثانیہ یا تبابعہ طبقہ ثانیہ یعنی وہ سلاطین جن کا لقب "ملک سبا وریدان وحضرموت" ہے، عرب ان کو تبع کہتے ہیں اور اسی کی جمع تبابعہ ہے۔

لفظ تبع لفظ تبّع لغویینِ عرب کے نزدیک تبع یا تبعیت سے مشتق ہے۔

فعاد الملک الی الحارث الرائش حمیر کے بعد یمن کی حکومت حارث الرائش

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مضمون سبا وایتھوپیا واکسوم ،

و هو تبع الاوّل. فمن ملك	(یہرعش) کو ملی۔ یہی پہلا تبع ہے۔ اس
الیمن قبل الرائش ملکان ملك	سے پہلے دو بادشاہ یمن میں ہوتے تھے
بسبا و ملك بحضرموت۔	ایک سبا میں اور ایک حضرموت میں۔
فکان لایجتمع الیمانیون علیهم	تمام یمنی ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے۔
الی ان ملك الرائش فاجتمعوا	جب رائش بادشاہ ہوا تو سب اس
علیه و تبعوه فسمی تبّعا،	کی بادشاہی پر متفق ہو گئے اور اس کی بیعت
(حمزہ اصفہانی ص ۱۰۸)	اختیار کی اس لیے اس کا لقب تبع ہوا۔

ممکن ہے کہ تبع عربی لفظ بمعنی متبوع ہو یعنی جس کی لوگ پیروی اور اطاعت کریں، لیکن بہ تحقیق جدید یہ حبشی لفظ ہے۔ حبشی میں اس کے معنی قادر، جابر اور صاحبِ قوت کے ہیں[1]۔ حکومتِ اسلام میں ٹھیک اسی معنی میں لفظ "سلطان" (قوت و غلبہ) رواج پایا ہے۔ اس لفظ کے غیر عربی ہونے کی تائید علاوہ اس کے کہ حبشی زبان میں یہ لفظ موجود ہے، یہ ہے کہ عربی زبان میں اس وزن پر کوئی لفظ واحد اور بمعنی مفعول نہیں آیا۔ "رُکّع" و "سجّد" وغیرہ الفاظ ہیں تو جمع ہیں۔ مبالغہ کا یہ وزن ہے تو وہ معنی مفعول نہیں پیدا کرتا۔ اور سب سے آخر اس کے غیر عربی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عجمی ناموں کی طرح اس پہ الف لام نہیں آتا۔ اگر یہ عربی صنف کا صیغہ ہوتا تو مانع الف و لام کیا ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ صرف حبشی لفظ ہے۔ کتبات میں ملوک معین و سبا کے عہد میں یعنی کم از کم ہزار سال قبل مسیح میں لفظ تبع نظر آتا ہے۔ ایک بادشاہِ معین کا نام تبع کرب بن تبع ایل مذکور ہے۔ ایک سبائی کتبہ میں "تبع شرجیل ملک سبا" منقوش دیکھا ہے۔ دوسرے کتبہ میں "تبع کرب" بلا لقبِ شاہی نظر سے گذرا ہے[2]۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی معنی میں یہ لفظ اصالتاً سبائی و حمیری ہے۔

قرآن اور تبع قرآن مجید نے قوم تبع کا دو بار ذکر کیا ہے۔ دونوں بار قوت و زور اور جبروت و عظمت کی طرف اس سے اشارہ کیا ہے۔ پہلی آیت میں صرف جبار قوموں میں اس کا بھی نام ہے۔ دوسری

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون عرب۔ [2] ہالوے کے شائع کردہ کتبات میں جن کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔

آیت میں قریش کی طرف روئے خطاب ہے کہ ان کو اپنی کس قوت پہ ناز ہے؟ تبع اور ان سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا اور زور مند نہ تھیں۔ ان کا کیا انجام ہوا؟

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحَابُ
الرَّسِّ وَثَمُودُ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ
وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝ وَّأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ
وَقَوْمُ تُبَّعٍ ،

اس سے پہلے نوح کی قوم اہل رس، ثمود، عاد،
فرعون، برادران لوط، اہل ایکہ اور تبع
کی قوم نے جھٹلایا۔

(ق: ۱۲-۱۴)

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا
مُجْرِمِينَ ۝

یہ قریش بہتر ہیں یا تبع کی قوم۔ اور جو قومیں
ان سے پہلے گذریں ہم نے ان کو برباد کیا
کہ وہ مجرم تھے۔

(الدخان: ۳۷)

ان آیات کے موقعِ استعمال سے واضح ہوتا ہے کہ تبع کے معنی "متبوع" سے زیادہ بلیغ و پُراثر "قادر و توانا" کے ہیں۔ تبابعہ کے تاریخی و مذہبی اور دیگر حالات سے حسبِ ذیل فصول میں بحث کی جاتی ہے۔

تبابعہ کی تعداد عام مؤرّخین اور ان کی تبعیت میں عام مفسّرین لکھتے ہیں کہ صرف تین تبع گذرے ہیں۔ تبع اکبر، تبع اوسط اور تبع اصغر۔ تبع اکبر کا نام الحارث الرائش ہے۔ تبع اوسط اسعد ابو کرب کا لقب تھا اور تبع اصغر، تبع بن حسان تھا۔ اس کے مقابلہ میں خود حمیری مصنفین کی روایت ہے کہ تاریخ یمن میں ستر تبع گذرے ہیں۔ شارحِ قصیدۂ حمیریہ اور نشوان بن سعید الحمیری مصنف شمس العلوم نے روایت کے علاوہ اشعار سے اس کی تائید پیش کی ہے[1]۔ لیکن اس سے مقصود عام سلاطینِ یمن ہوں گے کیونکہ لفظ تبع جیسا کہ پہلے ہم نے لکھا ہے، معین سبا اور حمیر ہر دَور میں نظر آتا ہے۔

---

[1] دیکھو شمس العلوم میں لفظ تبع اور شرح قصیدہ حمیریہ، کتب خانۂ بانکی پور،

ورنہ تنہا اس طبقہ میں تو یہ تعداد کھپنی مشکل ہے۔ جن عام مؤرخین نے صرف تین مخصوص تبابعہ کا ذکر کیا ہے شاید انہوں نے صرف مشہور ترین تبابعہ کے نام پر کفایت کی ہے۔

تبابعہ کے نام اور زمانے تبابعہ جو ملوک سبا و ذو ریدان و حضرموت ہیں، عرب ان کے نام سے دیگر تمام گذشتہ خاندانوں سے زیادہ واقف ہیں اور صحت کے ساتھ ان کے نام اور ان کی باہمی ترتیب بیان کرتے ہیں۔ اور پھر خوش قسمتی سے کتبات میں ان میں سے اکثر اشخاص کے ناموں کے ساتھ سنہ حمیری منقوش ہے۔ اس کی اعانت سے غیر معلوم تاریخ کا استنباط بھی بقرائن آسان ہے۔

مؤرخینِ عرب کے مطابق نام	مدتِ حکومت	کتبات کے مطابق نام	مدتِ حکومت
یاسر ینعم بن شرجیل	۸۵ برس	یاسر یہنعم	۲۷۰ء - ۲۷۹ء
شمر یرعش	۷۳	شمر یہرعش	۲۸۰ء - ۳۱۵ء
ابو مالک	۵۵	ابو مالک ؟	۳۱۵ء - ۳۴۰ء
الاقرن بن ابی مالک	۵۳	× حبشی دور	۳۴۰ء - ۳۵۵ء
ذو جیشان بن الاقرن	۷۰	×	۳۵۵ء - ۳۷۴ء
کلیکرب	۳۵	ملک یکرب یہیمن	۳۷۵ء - ۳۷۸ء
عمرو بن کلیکرب	۶۳	ذار اُمر یمن ملک یکرب	۳۷۸ء - ۴۰۰ء
اسعد ابوکرب بن کلیکرب	۳۰	ابوکرب اسعد بن ملک یکرب	۴۰۰ء - ۴۶۵ء
حسان بن تبع	×	شرجیل یعفر بن ابوکرب	۴۲۵ء - ۴۵۵ء
عبد کلال بن شوّب	۷۴	عبد کلیل	۴۵۵ء - ۴۵۹ء
×	×	شرجیل ینوف	۴۶۰ء - ۴۸۰ء
مرثد بن عبد کلال	۴۱	مرثد اللات نیوف	۴۸۰ء - ۴۹۰ء
×	×	معدی کرب ینعم	× × ×
ولیعہ بن مرثد	۳۷	ولیعہ نیوف بن معدی کرب	۴۹۱ء - ۵۰۰ء

مؤرخینِ عرب کے مطابق نام	مدتِ حکومت	کتبات کے مطابق نام	مدتِ حکومت
ذوشناتر	۲۷	ذوشناتر	سنہ ۵۲۵ء
ذونواس	۳۰	ذونواس	

تبابعۂ یمن کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے کہ بروایتِ عرب بھی ان میں سے اکثر کے نام محفوظ ہیں اور کتبات سے ان کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔ شمر یہرعش اور ملک یکرب کے درمیان کے نام نہیں ملتے اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں اہلِ حبش یمن کی شاہی کا دعویٰ کرتے ہیں اور شاید صحیح ہو۔ ابومالک پر ہم نے نشانِ استفہام لگایا ہے۔ سبب یہ ہے کہ آثار کی بناء پر جن مستشرقین نے ان تبابعہ کی فہرست بنائی ہے، ان میں یہ نام موجود نہیں لیکن نفس "ابومالک" نام بدون لقبِ شاہی کتبات (شائع کردہ موسیو ہالیوے) میں موجود ہے۔ الحارث الرائش جس کے وجود و عظمت کی تمام مؤرخینِ عرب متفقاً اطلاع دیتے ہیں، حالانکہ یہ فخر حمیر و سبا کے قدیم بادشاہوں کو بہت کم نصیب ہے، تاہم اس عظیم الشان بادشاہ کے نام کا کوئی کتبہ نہیں ملتا۔ ہماری رائے میں "الحارث الرائش" "یہرعش" کی تصحیف ہے جو "شمر یہرعش" کے نام کا جزء ہے۔ اس بناء پر الحارث الرائش اور شمر یرعش دو نام نہیں ہیں۔

ہم نے جو زمانہ ترتیب دیا ہے اس میں اکثر سنین کتبات میں مذکور ہیں۔ بقیہ استنباط و قیاس ہے۔ جن سلاطین کے کتبات میں سنین منقوش ملے ہیں اور جو ان کے عہد کے کسی کارنامہ کی تاریخ ہے، وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ یاسر ینعم	سنہ ۲۷۰ء	شمر یہرعش	سنہ ۲۸۱ء
۳۔ ملک یکرب یہمین	سنہ ۳۷۸ء	۴۔ شرحبیل یعفر	سنہ ۴۵۱ء
۔عبدکلیل	سنہ ۴۵۵ء	۶۔ شرحبیل	سنہ ۴۸۰ء
نیوف	سنہ ۵۱۰ء	۸۔ ذونواس	سنہ ۵۳۵ء

یہ یاد رہے کہ عیسوی اور حمیری سنہ میں ۱۱۵ برس کا فرق ہے۔ اگر ان سنین پر جو عیسوی

ہیں ۱۱۵ سال کا اضافہ کر دیں تو حمیری سنہ نکل آئے گا۔ عبد کلیل کا سنہ جدول بالا میں ۴۵۸ھ ہے اس بناء پر سنہ حمیری ۵۷۳ھ ہوگا۔

کتبات میں چند اور نام مجھ کو ملے ہیں جن کے پہلے لفظ "بخرف" یعنی بہ زمانۂ ...... منقوش ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ شاید سلاطین کے نام ہیں لیکن ان کے بعد لقب شاہی مذکور نہیں۔ اس بناء پر خیال راجح یہ ہے کہ وہ حمیری کاہن ہوں گے جن کی نسبت دستخط اور جن کے عہد و زمانہ کے انتساب سے تعمیروں کے کتبے عہدِ قدیم میں لکھے جاتے تھے۔ دو نام یہ ہیں جو دو الگ خاندانوں میں منقسم ہیں؛

۱۔ تبع کرب ہشفر بن فائج
۲۔ سمہی کرب تبع کرب
۳۔ عم کرب بن سمہی کرب

۱۔ دودایل بن یلقہ ملک کبیر
۲۔ نبط ایل بن عم اَمْر

شہر مارب کے ایک قصر پر "تبع کرب کاہن ذات غفرن" بھی منقوش ہے جس سے دوسرے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اس غرض سے تاکہ نظر آئے کہ حمیری نام سلاطین و امراء کے علاوہ عام لوگوں کے بھی کس طرح ہوتے تھے، ہالوے کے شائع کردہ کتبات سے چند نام نقل کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ ان کو پڑھ کر معلوم ہوگا کہ عام مؤرخین جو حمیر قبائل کے نام نقل کرتے ہیں وہ کس قدر محتاجِ تنقید ہیں:

اسعد یہمن ۔ ہدی بن سہل ۔ اُسید ۔ ارفط ۔ کثیم ۔ اسعد تو قمن ۔ ہداد ۔ ثوبایل ۔ ابن لہیعہ ۔ دہران ۔ رباب یاثم ۔ انمار بن شمرت ۔ مسعود ۔ سرع معنین ۔ سوفان ۔ شمر بن قُرین ۔ عوّام ۔ عبد شمس بن جنبط ۔ انمار اظلم ۔ ہوفعثت ذلحنان ۔ شمر یوکب بن دشتک ۔ یُہَفرِع ۔ مودّد ۔ عمران ۔ اوس ۔

افسانہائے حمیر رواۃِ عرب تبابعۂ یمن کی نسبت بڑی بڑی عظیم الشّان فتوحات اور ملک گیری و کشور کشائی کے عجیب و غریب واقعات بیان کرتے ہیں۔ ایک تبع براعظم افریقہ کا فاتح ہے۔ شمر یرعش کی تیغ کشور کشا عرب سے ترکستان تک بلند ہو کر ایک شہر کو ویران کر دیتی ہے اور اس

کا نام "سمرکند" پڑتا ہے۔ یعنی شمر نے اس کی بیخ و بنیاد کھود ڈالی۔ ایک تبع چین تک تلوار کی کاٹ دکھاتا چلا جاتا ہے اور تبت میں اپنی بقیہ فوج چھوڑ دیتا ہے جہاں اب تک عرب آباد ہیں۔ ذوالقرنین جس نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دیئے تھے اور جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے وہ یہیں کا ایک بادشاہ تھا۔

افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے۔ اہلِ حبشہ سے مسلسل جنگ قائم تھی۔ کبھی فاتح تھے اور کبھی مفتوح ورنہ ترکستان اور چین کی فوج کشی جس کی ابنِ خلدون نے بھی کچھ کم ہنسی نہیں اڑائی ہے صرف لفظ کا کھیل ہے۔ "سمرکند" (سمرقند) کے پہلے جزء کو شمر یرعش کے پہلے جزء سے اتحاد تھا اس لیے وہ سمرقند کا بانی یا مخرّب قرار پایا۔ انہوں نے "کند" کو فارسی لفظ "کندن" سے مشتق سمجھا۔ حالانکہ قدیم ترکستانی زبان میں "گند" شہر کو کہتے ہیں، سمرگند، تاشگند، خوگند، یہ سب ترکستانی شہروں کے نام ہیں۔ ترکستان کی زبان بہ زمانۂ اسلام فارسی ہو گئی تھی لیکن شمر یرعش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی جو "کند" فارسی "کندن" سے ماخوذ ہوتا۔ چین و تبت کا افسانہ بھی صرف لفظ کا تماشا ہے۔ عرب تبت کو تُبّت کہتے ہیں جو تبع کے بالکل قریب قریب ہے۔ ذوالقرنین کو صرف لفظ "ذو" نے مقدونیہ سے یمن پہنچا دیا۔ کہ "ذو" یمن میں اکثر امرائے حمیر کے لقب میں آتا ہے، مثلاً ذونواس، ذوشناتر، ذوریدان۔

لیکن زمانۂ اسلام کے بعض عرب سیّاحوں کے عینی مشاہدات کا کیا جواب ہے! ابنِ حوقل بغدادی (سنہ ۳۶۷ھ) کا بیان ہے کہ اس زمانۂ ورود سمرقند تک شہر کے دروازہ پر شمر یرعش کا حمیری کتبہ ایک لوہے کی تختی پر کندہ موجود تھا۔ لیکن افسوس کہ سیّاحِ موصوف ہی کے زمانۂ قیام میں یہ نادرۂ روزگار شہر میں آگ لگ جانے سے جل کر بے نشان ہو گیا۔ اصل میں یہ قدیم ترکی خط (الیغوری) ہوگا جو حمیری و چینی وغیرہ خطوط کے مشابہ ہے۔ شہرتِ عام کی بناء پر اس کو ہمارے سیّاح نے حمیری سمجھ لیا۔

اسی طرح مؤرّخ مسعودی کا بیان ہے کہ تبت میں تبع رہ گئے تھے اور چنانچہ خود اس نے "عربی لباس و وضع میں اشخاص پائے"۔ لیکن چوتھی صدی میں جب مسلمانوں کا تمدّن تمام دنیا پر چھا رہا تھا اور عرب تاجر ہر کوہ و بیابان میں گذر رہے تھے، "تبت میں عربی لباس و وضع" کے وجود سے تبع کی

فتح تبت پر استدلال مسعودی کے فضل و کمال سے کس قدر فروتر ہے۔ اگر اس قسم کے انقلاباتِ سیاسی حقیقتہً ظہور پذیر ہوتے تو اس عہد کی زندہ قومیں ان کے ذکر سے خاموش نہ ہوتیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ ایران کے کیانی خاندان میں ایک مشہور بادشاہ کیکاؤس گذرا ہے۔ اس نے ایران سے ایک دریا (شاید خلیجِ فارس) کو عبور کر کے کشور ہاماوران پر فوج کشی کی لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہوگیا۔ آخر رستم نے آکر کیکاؤس کو رہائی دلائی۔ کیکاؤس نے چھوٹ کر ہاماوران کی شہزادی سودابہ سے شادی کر لی۔ یہ وہی سودابہ ہے جس کے مکر و فریب سے گھبرا کر شہزادۂ عجم سیاوش توران چلا گیا اور وہاں مارا گیا۔ اور اسی کے جوش و غضب و انتقام نے صدیوں تک ایران و توران کو باہم معرکہ آرا رکھا۔ شاہنامہ میں یہ پوری تفصیل موجود ہے۔ ثعالبی نے اپنی تاریخ (غرر تاریخ الفرس) میں لکھا ہے، کشور ہاماوران اصل میں کشور حمیران ہے یعنی یمن۔ حمیران حمیر کی فارسی جمع ہے۔ سودابہ صحیح عربی نام سعدی کی تصحیف ہے[1]۔

ثعالبی کے علاوہ تمام لغاتِ فارسی میں ہاماوران کے معنی یمن ہی کے لکھے ہیں۔ اس بنا پر ہمیں ان روایات کے قبول میں کوئی عذر نہیں۔ بشرطیکہ یمن کا خاندانِ حمیر اور ایران کا خاندان کیانی تاریخی حیثیت سے معاصر ثابت ہو جائے ورنہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ حقیقتہً ایران کا کوئی اور بادشاہ ہوگا کیکاؤس کی طرف غلطی سے نسبت ہے۔

تبابعہ کے تمدنی و سیاسی
اور
مذہبی حالات

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تبابعہ سے پہلے سبا کے تمام طبقے ستارہ پرست تھے۔ سب سے بڑا دیوتا ان کا شمس اور المقہ تھا۔ المقہ حمیری میں چاند کو کہتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل دوسرے حصہ میں آئے گی۔ یہاں سلسلۂ بیان کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اوّلاً کواکب پرستی ان کا مذہب تھا۔ ۳۲۰ء میں یمن کے مقابل افریقی سواحل پر مصری رومیوں کے اثر سے عیسائیت نے پر و بال پیدا کیے۔ شامی رومیوں کے ذریعہ سے یمن کے اطراف میں شہر نجران نے بپتسمہ قبول کیا۔ ان گرد و پیش کے اثر سے تبابعۂ یمن بھی محفوظ نہ رہے۔

---

[1] تاریخ غرر الفرس ثعالبی مطبوعہ پیرس [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون ابی سینیا۔

ستارہ پرستی نے تو شکست کھائی گو ستاروں کے ہیکل اب بھی ویران نہ تھے۔ تاہم اب "شمس" "المقہ" اور "عشتار" کے پہلو بہ پہلو رحمان کا نام بھی آنے لگا جو قبلِ اسلام یہود و نصاریٰ کے ساتھ مخصوص تھا۔[1]

یہودیت و نصرانیت ان اطراف میں دو ہی مہذب اور صاحبِ الہام مذہب تھے اور باہم میدان میں برابر کے حریف بھی تھے۔ گذشتہ ابواب میں معلوم ہو چکا ہے کہ رومیوں اور حبشیوں کے ساتھ سبائے حمیر کی کس قدر سیاسی کشمکش تھی۔ اس بنا پر تبابعۂ حمیر عیسائیت سے زیادہ یہودیت کو ترجیح دیتے تھے۔ عبد کلیل کے علاوہ اور کسی تبع کا عیسائیت قبول کرنا ثابت نہیں ہے۔ عبد کلیل بروایتِ عرب بھی عیسائی تھا۔[2] اور ایک کتبہ سے بھی اس کا عیسائی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔[3] بقیہ تبابعہ کم تر ستارہ پرست اور اکثر یہودی تھے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابو کرب نے یہودیت قبول کی۔ مذہبِ شاہی نے عام رعایا میں بھی فروغ پایا اور اس طرح عیسائیت اور یہودیت نے یمن میں ٹکر کھائی۔

رومیوں نے بحری راستوں کو پیدا کر کے سبا کے بازار سرد کر دیئے تھے اور تنہا اس سے تسکین نہ ہوئی تو ۲۰ ق م میں یمن پر حملہ آور ہوئے۔ اکسومی حبشی جو پہلے رومی مصریوں کے ہم خاک تھے اور اب ہم مذہب بھی ہو گئے تھے رومیوں کے استعمال سے بار بار چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔ حمیر بھی موقع سے چوکتے نہ تھے۔ جب موقع ملتا رومی تاجروں کو دریا میں لوٹ لیتے۔[4] شمال عرب میں ایران و روم باہم دست و گریبان تھے اور یہ طبعی تھا کہ حمیر کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی۔ رومیوں کو اس سے وحشت سوا ہوتی تھی۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "سبا"۔ قرآن مجید کی بعض آیتوں سے (قل ادعوا الرحمٰن) اور احادیث سے بھی (واقعہ تحریر صلح حدیبیہ) یہ ثابت ہوتا ہے کہ عام عرب خدا کے لیے رحمان کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔

[2] حمزہ اصفہانی ص ۱۳ کلکتہ، [3] ہوارٹ کی تاریخ عرب فصل سوم، [4]

رومیوں نے اس نزاع کو بہ صلح و آشتی طے کرنا چاہا۔ چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں رومی قیصر جسٹینن نے تبع یمن کے دربار میں سفیر بھیجا۔ تبع نے نہایت تزک و احتشام سے اپنی سطوت کا اظہار کیا۔ خود ایک گاڑی پر سوار تھا جس میں ہاتھی جتے ہوئے تھے۔ بدن پر ایک چادر تھی جو سونے کی گھنڈیوں سے اٹکی تھی۔ ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں دو نیزے تھے۔ بازوؤں میں بیش قیمت بازوبند تھے۔ اردگرد مسلح درباری تھے جو فخریہ رجز کے اشعار پڑھتے تھے۔[1]

اس شان و شکوہ کے منظر میں سفیر نے قیصر کا خط اور اس کی طرف سے دیگر تحائف پیش کیے۔ خط کا مفہوم یہ تھا کہ ان اطراف میں ایرانی فروغ نہ پائیں۔ سفیر معمولی وعدۂ ایجاب کے بعد واپس آگیا۔

اصحاب الاخدود یہ پیامِ صلح تعصب کی آگ کو کچھ بھی سرد نہ کرسکا۔ اس وقت ذونواس فرمانروا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے یہودیت کے پُرجوش تعصب کا سبق یثرب کے یہودیوں سے سیکھا تھا جن سے اسلام نے بھی کچھ کم دُکھ نہیں اٹھایا۔ رومی سوداگر تاجرانہ یمن کے سواحل تک پہنچتے تھے۔ لیکن جہاں جہاں گذرتے تھے، اسبابِ سوداگری کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی ساتھ ساتھ بانٹتے جاتے تھے۔ عیسائی راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے۔ پہلے اثر نے عدن اور دوسری کوشش نے نجران میں جہاں پہلے شجر پرستی ہوتی تھی، عیسائیت کے برگ و بار پیدا کیے۔ یورپ کے جو اَب ہتھکنڈے ہیں وہی پہلے بھی تھے۔ مذہبی اور سیاسی اغراض پر تجارت کا پردہ ہمیشہ ڈالا گیے ہیں۔ یہی پردہ اس وقت بھی ڈال رہے تھے۔ ان تدابیر سے نجران یمن میں عیسائیت کا مرکز قرار پاگیا تھا۔ یعنی رومیوں اور حبشیوں کی مذہبی و سیاسی امیدوں کا وہ ماویٰ بن گیا تھا۔ حمیری یہودی اس کو دیکھتے تھے اور وفورِ جوش سے بھرتے تھے۔

اتفاقِ وقت اشتغالِ طبع کے لیے ایک عجیب حیلہ پیدا ہوگیا۔ جو اَب بھی نہایت کثیر الوقوع ہے۔ نجران میں ایک راہب کا مقام تھا۔ ایک لڑکا اس راہ سے اکثر گذرتا تھا۔

---

[1] Sharpe p. 345, Vol II.

راہب اس کو راستہ میں ٹھہراکر مذہبی تعلیم کا روز کوئی نہ کوئی سبق دیا کرتا تھا۔ جب عام لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ طبعاً برافروختہ ہوئے اور ایک عظیم الشان فتنہ کے مواد فراہم ہو گئے۔

ذونواس نے سُنا تو چراغ پا ہوگیا۔ نجران آگ بگولا بن کر پہنچا۔ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب شہر فتح ہوا تو گڈھوں میں آگ دھکائی اور ایک ایک کرکے عیسائیوں کو بلوایا۔ جس نے یہودیت کے قبول سے انکار کیا اس کو نذرِ آتش کیا۔ قرآن میں اصحاب الاخدود کے نام سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ	مارے جائیں خندق والے بھڑکتی آگ والے
ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ	جب وہ ان پر بیٹھے تھے، اور (یہ) مومنوں
وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ	کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے اس پر خود گواہ
شُهُوْدٌ ۙ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ	تھے۔ ان مومنوں میں بجز اس کے اور کچھ
اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ	قصور نہ پایا کہ وہ خدائے محبوب و محمود پر
(البروج : ۴-۸)	ایمان لائے تھے۔

قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے تمام لوگوں کو جلا دیا اور شہر کو بے نشان کر دیا۔ لیکن کتبِ اخبار و تفسیر کی عام روایات میں مذکور ہے کہ تمام آبادی خاکستر ہوگئی۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نجران میں عیسائی آبادی موجود تھی۔ وہاں دعاۃِ اسلام بھیجے گئے ہیں۔ نجران سے دو راہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناظرہ کے لیے آئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد میں یہاں کے نصاریٰ سے دونے صدقات وصول ہوئے ہیں، یا ممکن ہے کہ حبشی عیسائیوں کے ہفتاد سالہ عہد میں یہ شہر پھر دوبارہ آباد ہوا۔[1]

اس واقعہ کو عیسائیوں نے بھی یاد رکھا ہے۔ اسی عہد میں شام کے عیسائی اس قصہ کو قیدِ تحریر

---

[1] اصحاب الاخدود کے متعلق طبری اور کتبِ تفسیر میں عجیب و غریب روایات ہیں جو اصولِ روایت سے صحیح نہیں ہیں۔ بقیہ اس فصل کے تمام عربی روایات تاریخ طبری اور عام تفسیروں میں موجود ہیں۔

یں لائے ہیں۔ ان کے بیان کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے جس میں یقیناً بعض تاریخی غلطیاں بھی ہیں۔ جاڑے کے سبب سے اہلِ حبش اپنا نائب یمن نہ بھیج سکے۔ ذونواس نے حکومت غصب کر لی اور عیسائیوں کو مذہب کی خاطر بہت دکھ دیا۔ علاوہ ازیں نجران پر فوج کشی کی اور خلافِ وعدہ شہر پر قبضہ کر لینے کے بعد با ایمان عیسائیوں کو آگ اور تلوار سے برباد کر دیا۔[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، اصحاب الاخدود،

اَصۡحاب الفِیل
یا
سبائے حبش

کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ (الفیل : ۱)

گذشتہ فصل میں سبائے حمیر کے تعلق سے اہلِ حبشہ کا نام کئی بار آیا۔ اس فصل میں ان پر مفصّل بحث کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ان ہی کا نام اصحاب الفیل مذکور ہوا ہے۔ لیکن واقعۂ فیل کے بیان سے پہلے خود اصحاب الفیل کی حقیقت اور قومیت سمجھ لینی چاہیئے۔

حبش کی اصلیت یاد ہوگا کہ ہم نے قدیم سبا کی آبادی افریقہ، یمن اور شمال عرب تین جگہ بتائی تھی۔ یمن اور افریقہ کے درمیان بحرِ احمر اور بحرِ عرب کے گوشے حائل ہیں جن کو عرب جغرافیہ نویس بحرِ حبش کہتے ہیں۔ یمن کے مقابل افریقی سواحل پر سبا کی تجارتی نوآبادیاں تھیں۔ جن کے وجود کے دلائل سبا کی نوآبادیوں کے بیان میں گذر چکے ہیں۔ یہ نوآبادیاں بالکل یمن کے مقابل واقع ہیں اور خشکی کی راہ سے مصر و سوڈان کے ساتھ بخطِ مستقیم ملحق و متصل ہیں۔ اس تقابل اور اتصال کی بناء پر یہ مقامات ہمیشہ مصر و یمن سے متاثر رہے ہیں۔ چنانچہ زمانۂ قدیم سے اب تک یہ مذہباً مصر کے ماتحت اور قومیت و تمدّن کے لحاظ سے عربوں کے زیرِ اثر ہیں۔

اس قطعۂ ارض کو یونانی، ایتھوپیا اور عرب حبش کہتے ہیں۔ اسی حبش کی مسخ شدہ صورت "ابی سینیا" ہے جو یورپ جاکر بجائے سپید ہونے کے اور زیادہ سیاہ ہوگئی ہے۔ عربی میں لفظ حبش کے معنی اختلاط اور امتزاج کے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کے نزدیک یہ ایک مخروج النسل اور مختلط النسب قوم تھی۔ اسی قسم کا ایک قبیلہ مکہ کی پہاڑیوں میں آباد تھا۔ عرب اس کو بھی احابیش

کہا کرتے تھے۔

یہ قوم کن اقوام و قبائل کا مجموعہ تھی، تاریخ و علم الانساب اس کے ذکر سے خالی ہے۔ ناچار کسی مجہول التّاریخ قوم کی دریافتِ حال کے جو ذرائع ہیں ان سے کام لینا چاہیئے۔ یہ ذرائع علم الاقوام علم الالسنہ اور قرائنِ حال ہیں۔

علم الاقوام کا جس کے ذریعہ سے دو قوموں کے جوڑ بند، چہرہ مہرہ اور خُو بُو کو دیکھ کر ان کے اتّحادِ نسل و جنسیت کا راز آشکارا کیا جا سکتا ہے، بیان ہے کہ "یمنی عرب اور اہلِ حبش کی جسمانی ساخت میں اس قدر شدید مشابہت ہے کہ دونوں قومیں ایک ہی نسل سے متفرّع نظر آتی ہیں"[1]

علم الالسنہ کی شہادت اس سے واضح تر ہے۔ جرمن مستشرق نولڈیکی السنۂ سامیہ کا جس سے زیادہ بڑا ماہر اس وقت تمام یورپ میں موجود نہیں، لکھتا ہے:

> "حبشی (ایتھوپی) زبان و خط، سبائی سے قریب و مشابہ ہے۔ اہلِ حبش (السوم) بالکل سامی نہیں ہے بلکہ اصلی باشندوں کے ساتھ عرب کے مختلف قبائل مختلف اقطاع کے مِل گئے ہیں"[2]

وانا کا مشہور پروفیسر مولر جس کا "سبا" مخصوص مضمونِ مطالعہ و تحقیق ہے، کہتا ہے[3]:

> "سبا کی نوآبادیوں کا ذکر حبش میں ہے۔ حبشہ جنوبی عربوں (اہلِ یمن) سے آباد ہوا ہے جیسا کہ اس کی زبان و خط سے ظاہر ہوتا ہے اور جو فرق ہے وہ صرف ایک زمانہ تک کے افتراق کا نتیجہ ہے۔
>
> اہلِ حبشہ میں بیرونی اثر اور اجنبی اختلاط صاف نظر آتا ہے۔

ایک اور جرمن مصنّف جو مشاہیر علمائے السنہ میں سے ہے یعنی بروکلمان Brockelmanni وہ اپنی تصنیف "السنۂ سامیہ" Semitique Linguistique میں شہادت دیتا ہے[4]۔

> "جنوبی عرب زبان سے ملتی جلتی ایک اس سامی قوم کی زبان ہے جو جنوبی عرب یمن سے نکل کر ملک حبش میں آکر آباد ہوئی جو جنوبی عرب کے مقابل واقع ہے۔ یہ سامی عرب حامی قوم سے (جو اصل افریقی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا، [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۲۴، ص ۶۲۸، [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون سبا، [4] کتاب مذکور فرنچ ترجمہ ص ۴۵، پیرس ۱۹۱۰ء،

قوم ہے) بالکل مختلط ہو گئے۔ جنوبی عربوں کے اس انتقالِ مکانی کی کوئی صحیح تاریخ معلوم نہیں ، لیکن بہر صورت وہ حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے واقع ہوا ہو گا۔"

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار عرب اس مسئلہ کی نسبت لکھتا ہے :

"اُس زمانہ کے پچھلے حصہ میں اہلِ حبش جو قدیم زمانہ میں عرب سے منتقل ہو کر عرب کے مقابل افریقی سواحل پر آباد ہو گئے تھے وہ تقریباً ۳۰۰ء میں واپس آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

شریڈر Schrader ایک جرمن محقق السنہ سامیہ لکھتا ہے[1] :

"شمالی عربوں کو عرب وسطیٰ میں چھوڑتے ہوئے، یہ مہاجرین، جزیرہ نما کے جنوبی ساحل پر آباد ہوئے جہاں سے ایک جماعت اِن کی دریا کو عبور کر کے افریقہ پہنچ گئی اور حبشہ میں خیمہ زن ہوئی۔

ولیم رائٹ William Wright جو کیمبرج یونیورسٹی کا عربی پروفیسر تھا، اپنے قواعد السنہ سامیہ میں اپنا اعتقاد یہ ظاہر کرتا ہے[2] :

"یمن سے دریا کو قطع کر کے افریقہ میں ہم جیز یا اتھوپی یعنی حبش، حیر کی ایک قدیم آبادی کی زبان سے دو چار ہوتے ہیں۔"

قرائنِ حال یہ ہیں کہ تاریخ جب سے ملکِ حبش سے واقف ہے عربوں کے اثر کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔ آرٹی میڈورس (۱۰۰ ق م) ایک یونانی سیاح بیان کرتا ہے[3] :

"سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے...... بعض لوگ دیسی اور پردیسی بخورات اور مسالوں کی تجارت کرتے ہیں جو مقابل کے افریقی سواحل سے لائے جاتے ہیں جہاں سبا کے لوگ چمڑے اور کشتیوں پر بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں۔"

پیرسپلوس Preplus (۸۰ء) جو آرٹی میڈورس کے تقریباً سو برس کے بعد تھا، وہ اس سے بھی زیادہ قوی تر شہادت پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "افریقہ کے بعض سواحل

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۲۹، [2] W. Wright, p. 9 [3] ڈنکر کی تاریخ اقوام قدیمہ فصل عرب ،

(طبقۂ ثالثہ) کے زیرِ حکومت ہیں[1][2]"

علم الآثار کی شہادت کا اگر ہم اضافہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سبائی خط میں حبش کے ملک میں کتبات بھی ملے ہیں، جن کا ذکر آگے آئے گا۔

یہ تو اسلام سے پہلے کی شہادتیں ہیں۔ اسلام نے ابھی چھ برس کی عمر بھی نہیں پائی تھی کہ ستر مسلمانوں نے تمام دنیا کو چھوڑ کر صرف ملکِ حبش کا رُخ کیا۔ حبش کا صوبہ زیلع جس کو آج کل شمالی لینڈ اور اریٹیریا کہتے ہیں، وہ ہمیشہ تاریخِ اسلام میں عرب قوّت کا مرکز رہا ہے اور اب بھی حبش اور تمام افریقی سواحل صرف عربوں سے متاثر ہیں۔ شہر کے شہر اُن کے آباد ہیں۔ زبان تک عربی کی نقل ہے۔ لباس و طعام و تمدن کی ہم رنگی تو ادنیٰ چیزیں ہیں۔

ان دلائل و شواہد کا خلاصۂ نتائج یہ ہے کہ یمن کے مقابل افریقی سواحل پر قدیم زمانہ سے سبا کی تجارتی آبادیاں تھیں جہاں ان کی بدولت یمن کی طرح تمدن کی روشنی پھیلنی شروع ہو گئی تھی۔ سبا کے طبقۂ اوّل (مکارب سبا) و طبقۂ دُوم (ملوکِ سبا) کے بعد طبقۂ سوم (سبائے حمیر) نے یمن میں مسیحؑ سے تقریباً سو برس پہلے ظہور کیا۔ اس انتقال خاندانِ شاہی نے سبا کی افریقی نوآبادیوں میں خودسری کا خیال پیدا کر دیا۔ باہم معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ یہ غالب ہوتے تو یہ اپنے کو بادشاہِ یمن لکھتے۔ اگر وہ غالب ہوتے تو وہ اپنے کو فاتح حبش[2] کہتے۔ یہی سبب ہے کہ اس قسم کے کتبات و واقعات دونوں طرف ملتے ہیں۔

بہرحال ان سبائی عربوں نے اصل افریقی (حامی) قبائل کے اختلاط و امتزاج سے جو نئی قومیت پیدا کی اسی کا نام عربی میں حبش، یونانی میں ایتھوپین، یورپین زبانوں میں ابی سینین اور خود ان کی زبان میں جیز ہے۔ حبش کے سبائی الاصل ہونے پر سب سے بڑی لیکن تعجب انگیز دلیل یہ ہے کہ حبشی زبان میں "سبا" کے معنی ہی انسان کے ہیں[3] جس طرح آدم کے بیٹے "آدمی" اور انسان

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون "سبا"۔ [2] تمام عربی تاریخوں میں مذکور ہے کہ افریقس نام ایک تبع نے افریقہ فتح کر لیا تھا۔ [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا،

کو ایک سمجھتے ہیں۔ حبش کے ایک ابتدائی بادشاہ کا نام ذوشکال[1] تھا جو بالکل یمنی طرز کا نام ہے۔

حبش وحمیر حبش وحمیر کے سیاسی تعلقات کی کشاکش اسی وقت سے نظر آتی ہے جبکہ سبائے حبش اور سبائے حمیر بالاستقلال الگ الگ خاندان قائم کرتے ہیں۔ حبش کے سواحل پر شہر زیلع میں ایک کتبہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں نجاشی مدّعی ہے کہ اس نے سبا کے ملک تک عرب میں جنگ کی۔ چوتھی صدی کے اوائل جب حبش میں مذہبی انقلاب پیدا ہوا تو مذہبِ عیسوی کے نئے پیرووں کے دل وفورِ جوش سے لبریز تھے۔ شاہ اذینہ جو حبش کا پہلا عیسائی بادشاہ تھا اور نیز اس کے جانشین، اپنے کتبات میں اپنے نام کے ساتھ یہ القاب لکھتے ہیں، "شاہ اکسوم وحمیر و ریدان وحبشات وسباو زیلع ....." یہ طرز القاب تقریباً اس وقت سے ۳۷۸ء تک قائم رہتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اصل سلاطین حمیر کے سلسلہ کی چند کڑیاں یہاں سے گم ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہانِ حبش کا ادّعا غلط نہ ہوگا۔ (دیکھو فہرست سلاطینِ حمیر)

۳۵۶ء میں قیصر قسطیطنوس نے اذینہ کے نام خط بھیجا تھا اور اسی عہد میں اذینہ یمن پہ حملہ آور ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حملہ رومیوں ہی کے اشارہ سے ہوا تھا۔ حبش وحمیر میں اب صرف خاندانی وسیاسی اختلاف نہ تھا بلکہ سب سے زیادہ مذہبی تعصب اب اس نخل کی سیرابی کر رہا تھا۔ حبشیوں کی یمن پر یہ پہلی حکومت زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی۔ ۳۷۸ء میں اس کا خاتمہ ہوگیا[2]۔

اکسوم کے نجاشی ان مخلوط سبائی عربوں کا پایہ تخت شہر اکسوم تھا جو ملک حبش کے صوبہ تجرے میں ۱۴ درجہ ۷ دقیقہ ۳۲ ثانیہ بطرفِ شمال اور ۳۸ درجہ ۲۱ دقیقہ ۱۵ ثانیہ بطرفِ مشرق واقع تھا اور جہاں اب تک اس کے کھنڈر باقی ہیں۔ اہلِ حبش اس کو نہایت مقدس شہر سمجھتے ہیں۔ شاہانِ حبش کی تاج پوشی انقلابِ حکومت کے بعد بھی اب تک یہیں ہوتی ہے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون ایتھوپیا۔ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا وایتھوپیا و ابی سینیا و اکسوم۔

تقریباً اسی زمانہ میں جبکہ سبائے حمیر نے ریدان میں اپنی مستقل حکومت قائم کی، سبائے حبش نے اکسوم میں ایک خاندان شاہی کی بنا ڈالی جو اس وقت سے چھٹی صدی ہجری تک یعنی تقریباً سنہ ۱۲۰۰ء تک قائم رہا۔ اس کے عروج و کمال کا زمانہ چوتھی اور پانچویں صدی ہے۔ عربوں میں شاہانِ حبش کا لقب نجاشی ہے جو درحقیقت "نجوس" کی تعریب ہے جس کے معنی حبشی زبان میں بادشاہ کے ہیں۔ نجاشی جن کے عہد میں یمن فتح ہوا، نجاشی جن کے ملک میں صحابہؓ نے ہجرت کی، نیز جنھوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھائی، وہ اسی خاندان، اسی ملک اور اسی شہر کے بادشاہ تھے۔

مصر کے تعلق و ہمسائیگی سے شاہانِ حبش یونان و روم کے تمدّن سے بہت متاثر رہے ہیں۔ اکسوم اور حمیر کے اس عہدِ انقلاب میں مصر کے مالک رومی تھے جن کا مذہب عیسوی اور زبان علمی یونانی تھی۔ اس زمانہ کی حکومت کی واقفیت کا ذریعہ اسی شہر کے کھنڈر کے چھ کتبے ہیں جو حال میں دریافت ہوئے ہیں۔ پہلا کتبہ یونانی زبان میں سنہ ۵۲۵ء کا لکھا ہے۔ دوسرا کتبہ سبائی زبان میں یلامیدا (علی عمیدہ) بادشاہِ حبش کا ہے۔ تیسرا کتبہ بھی اسی بادشاہ کی یادگار ہے لیکن حبشی زبان میں ہے۔ چوتھا یونانی، سبائی اور حبشی تین زبانوں میں ہے۔ پانچواں کتبہ شاہ اذینہ بن یلامیدا کا ہے، چھٹا سب سے اخیر زمانہ کا ہے۔

یہ خاندان اولاً اہلِ یمن کی طرح بت پرست تھا۔ شاہانِ روم کے تعلقات نے مصر کے ذریعہ سے یہاں عیسائیت کو فروغ دیا۔ چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں اسکندریہ کے ایک بشپ نے اس کو اپنے مشن کا مرکز قرار دیا۔ سنہ ۳۳۰ء میں سب سے پہلے اذینہ نجاشیٔ حبش نے عیسائیت قبول کی۔ قیصر قسطینطوس نے سنہ ۳۵۶ء میں اس کو خط لکھا۔ اسی سے متصل وہ زمانہ ہے کہ رفتہ رفتہ حمیر بھی ستارہ و بت پرستی سے ہٹ کر عیسائیوں کی کوششوں کے علی الرغم یہودیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

یمن کا آخری سقوط حبش و یمن کی باہمی معرکہ آرائی گو چوتھی ہی صدی سے شروع ہو گئی

تھی لیکن یمن کا آخری سقوط چھٹی صدی کے اوائل میں ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ذونواس نے جب نجران کے عیسائیوں کو آگ کے گڈھوں میں دھکیل کر مار ڈالا تو اطراف کے تمام عیسائی غصہ سے جل گئے۔ دوس بن ثعلبان یمن کے ایک عیسائی امیر نے نجاشی کے یہاں فریاد کی۔ نجاشی نے قیصرِ روم کے اشارہ سے یمن پر فوج کشی کی اور ۵۲۵ء میں آخری بار یمن کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے، یہ عرب مؤرخین کا بیان ہے۔ اس مقدمہ کے ایک فریق عیسائی رومی بھی ہیں۔ ان کا بیان بھی سننے کے لائق ہوگا۔ تھیو فانوس اسی عہد کا ایک مؤرخ بیان کرتا ہے:

> "چھٹی صدی کے اوائل میں رومی جو جو یمن سے گذر رہے تھے، حمیر نے ان پر ظلم کیے۔ بعضوں کو مار ڈالا۔ اس واقعہ سے تجارت بند ہو گئی۔ اہلِ حبش کو یہ فعل ناگوار گذرا، بادشاہ حبش کی سرداری میں اہلِ حبش بحر احمر کو عبور کرکے حمیر سے معرکہ آرا ہوئے اور حمیری بادشاہ دمیانوس (ذونواس) کو مار ڈالا اور قیصر جسٹینین کے ساتھ اس شرط پر معاہدہ کیا کہ تمام باشندگانِ اکسوم عیسائی ہو جائیں اور اسکندریہ سے ان کے لیے ایک بشپ مقرر ہو۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (طبع یازدہم) کا مضمون نگار ابی سینیا لکھتا ہے:

> چھٹی صدی میں حمیر نے عیسائیوں کو سخت تکلیف پہنچائی۔ آخر جسٹینین اوّل نے شاہِ حبش کو جس کا نام کالب الاصبح تھا، لکھا کہ ان کی مدد کرے۔ چنانچہ اس نے حمیر کے ہاتھ سے یمن لے لیا۔

عربی اور یونانی دونوں روایتوں سے متفقاً یہ ثابت ہے کہ یہ حملہ قیصرِ روم کے اشارہ سے ہوا تھا۔ اس حملہ کی غرض کیا تھی؟ عرب کہتے ہیں کہ صرف مذہبی غرض تھی۔ رومیوں کا ظاہری بیان یہ ہے کہ اس سے مقصود صرف تجارتی راستوں کی حفاظت تھی۔ لیکن صلح کی شرط خود یہ بیان کرتی ہیں کہ "تمام اکسومی عیسائی ہو جائیں گے"۔ اور حمیر کے آخری الواب میں گذر چکا ہے کہ حمیر چونکہ ایران کے طرفدار تھے، اس لیے بھی وہ رومیوں کی آنکھ میں کھٹکتے تھے اسی لیے اہلِ حبش کے مقابل میں اہلِ ایران امداد کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔

عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ ذونواس شاہِ یمن نے ان حملہ آوروں کا سواحلِ عدن وحضرموت میں استقبال کیا۔ اور بقوت نہیں بلکہ بہ تدبیر و حیلہ ان کو اس قدر سخت شکست دی کہ مجبوراً ان کو حبش واپس لوٹ جانا پڑا۔ یونانی عیسائی کہتے ہیں کہ "وہ حمیریوں کو سزا دے کر واپس پھر گئے"۔ ہمارے نزدیک یہ کوئی اختلافِ بیان نہیں۔ "فرار اور بہ مصلحت کامیاب واپسی" عیسائی ڈکشنری میں اس انیسویں صدی میں بھی مرادف لفظ قرار دیئے جاتے ہیں۔

اہلِ حبش جنگ کا ساز و سامان درست کر کے پھر دوبارہ اس زور و شور سے حملہ آور ہوئے کہ حمیر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ذونواس نے بھاگ کر گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا لیکن ساحل تک سلامت نہ پہنچا۔ اس کا قائم مقام ذوجدن ہوا اور اس کا بھی یہی حال ہوا۔ ذوالیزن اٹھا لیکن افسردہ ہو کر رہ گیا۔ اہلِ حبش اب تنہا یمن کے مالک بن گئے اور اسی طرح ۷۲ برس تک یعنی ۵۲۵ء سے ۵۹۸ء تک یا آسانی کے لیے ۶۰۰ء تک کہو قابض رہے۔

یمن کے فاتح اور پہلے حبشی گورنر کا نام عربوں میں ارباط مشہور ہے اور بعض ابرہہ کہتے ہیں۔ اوّل مشکوک ہے اور ثانی بہ تحقیق غلط ہے[1]۔ یونانی مؤرخ اس فاتح کا نام "اسمیفوس" اور اس عہد کے نجاشی کا نام "الیباس" بتاتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں "عثمانی دارالآثار" میں یمن کے ایک کتبہ کا ٹکڑا ہے جو "رحمان اور کرستوس غلبان" کے نام پر ختم ہوتا ہے۔ رحمان نصاریٰ کے

---

[1] اصل یہ ہے کہ ابرہہ صحیح عربی و عیسائی روایت کے رُو سے دوسرا گورنر ہے، تفصیل آگے ہے۔ ابرہہ آگے چل کر باغی ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ کے لیے ارباط آیا ہے اور ناکامیاب واپس گیا ہے۔ طبری کی ایک روایت یہ ہے کہ اوّل ارباط فتحِ یمن کے لیے آیا لیکن ناکامیاب گیا۔ پھر نجاشی نے ابرہہ کو بھیجا اور اس نے فتح کیا۔ اس کے بعد ابرہہ باغی ہو گیا۔ اس کے مقابلہ میں حبش سے ارباط بھیجا گیا اور وہ دھوکے سے مارا گیا۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ ۵۲۵ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ۵۷۰ء میں واقعۂ فیل پیش آیا جس میں متفقاً ابرہہ موجود تھا۔ اس کی مدتِ امارت پینتالیس برس قرار پاتی ہے حالانکہ تینتیس برس سے زیادہ نہیں۔ اس لیے اور روایتیں صحیح ہیں جن میں ابرہہ ۵۴۵ء میں نجاشی کی اجازت سے نہیں بلکہ بہ زور یمن کا گورنر بلکہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۱، مضمون "عرب" فصل "تاریخ"۔

عرب میں خدا کا نام تھا۔ کرستوس یعنی کرایسٹ (حضرت عیسیٰؑ کا یونانی نام)، غلبان فاتح و غالب، حضرت عیسیٰؑ کی صفت ہے۔ اس کتبہ میں ایک بادشاہِ یمن "سمیفع آشوع" اور سملکان یلا اصبحہ شاہ جیشات" کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہِ حبش کا یونانی التلفظ نام "الیباس" درحقیقت "یلا اصبحہ" ہے، جس کو عرب الاصبح کہتے ہیں اور اسمیفیوس کی اصل سمیفع ہے۔ عدن کے قریب حصنِ غراب میں ایک کتبہ کتبہ ہے جس میں سمیفع اور نیز اس کے لڑکوں کا نام بہ وضوحِ تمام مذکور ہے۔ اصل ترجمہ یہ ہے:

> "سمیفع اشوع اور اس کے لڑکے شرجیل یکمل اور معدی کربیان نے یہ یادگاری کتبہ حصن غراب میں لکھا جبکہ انہوں نے اپنے قلعے اور شہرپناہیں درست کیں اور اس میں پناہ گزیں ہوئے اور حبش نے یمن فتح کیا اور باشندوں پر غالب آئے اور تجارت کی راہ کھولی اور بادشاہِ حمیر کو قتل کیا ..... ماہ حجۃ ۶۴۰ھ"

۶۴۰ھ یمنی تاریخ ہے۔ حسبِ تعدیلِ سابق (دیکھو حمیر کا زمانہ) یہ ۵۲۵ء کے مطابق ہوگا جو عین فتح کی تاریخ ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اولاً تو کتبہ کی عبارت، اگر وہ صحیح پڑھی گئی ہے تو فاتح ہونا نہیں ظاہر کرتی کہ فاتح کو پناہ گزینی کی کیا ضرورت ہے۔ ثانیاً "سمیفع اشوع" "شرجیل یکمل" اور معدی کربیان تینوں خالص سبائی حمیری نام ہیں۔ پھر ابرہہ کے کتبۂ سدِ عرم میں معدی کرب بن سمیفع ایک ذوالیزنی امیر کا نام ملتا ہے۔ عثمانی دارالآثار کے کتبہ سے سمیفع کا عیسائی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے جو حمیر کا مذہب نہ تھا۔ ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔ ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ حسبِ روایتِ طبری ذوالیزن آخری شخص تھا جو حبش کے مقابلہ کے لیے اٹھا تھا۔ لیکن چاروں طرف دیکھ کر مایوس ہوگیا۔ ابرہہ کے کتبۂ عرم کے مطابق معدی کرب اور سمیفع اسی کے خاندان سے تھے۔ دارالآثار عثمانی کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے عیسائیت قبول کرلی تھی۔ حصنِ غراب کے کتبہ میں ان کی عیسائیت نہیں ظاہر ہوتی لیکن خوفزدہ ہوکر قلعہ بند ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے قیاس یہ ہے کہ اولاً یہ اہلِ حبش کے غلبہ سے ڈر کر حصن غراب میں بیٹھے پھر مجبور

ہو کر عیسائی ہو گئے[1] اور یمن ان کو واپس دے کر حبش جیسا کہ کہتے ہیں، پھر گئے۔ پھر دوسری بار حبش آ گئے اور خاص اپنی حکومت قائم کی۔ حبشی گورنروں نے اپنا پایۂ تخت شہر صنعاء کو قرار دیا جو ریدان و ظفار کے پہلو میں تھا۔ یہ شہر اب تک باقی ہے اور امرائے یمن کا دار الامارۃ ہے۔ جو اہلِ عرب میں آب و ہوا کی خوشگواری، مناظر کی دلفریبی اور محاسنِ فطرت کی دِلکشی میں ہمیشہ سے ضرب المثل ہے۔

عیسائیت و یہودیت کا تصادم مسیحی فاتح یہودی حکمرانوں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ثابت ہوئے۔ مؤرخینِ عرب کا بیان ہے کہ مسیحی فاتحین نے یہودیوں کو سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ اشاعتِ مذہب میں قتل و ظلم و تعذیب و تعدی کسی فعل سے احتراز نہیں کیا گیا۔ عیسائی ان دردناک وقائع کے بیان سے خاموش ہیں لیکن ایک عجیب و غریب یہودی و عیسوی مناظرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حمیری یہودیوں نے عیسائیوں کو چیلنج کیا کہ باہمی مناظرہ سے صحتِ مذہب کا فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ عیسائیوں کی طرف سے جریجنیتوس (جرتیج) شہر ٹفار (ظفار) کا بشپ اور یہودیوں کی جانب سے ہربانوس (حرب) وکیل مقرر ہوئے۔ تین دن تک بادشاہ کے حضور میں مجلسِ مناظرہ گرم رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

ہربانوس نے کہا کہ "شہر ناصرہ کا یسوع اگر حقیقت میں زندہ ہے اور آسمان پر اپنے پرستاروں کی دعائیں سُن رہا ہے تو کہو کہ اس وقت ہمارے سامنے آئے"۔ یہودی بھی چاروں طرف سے بیک آواز چلائے کہ "ہاں اپنے یسوع کو دکھاؤ ہم فوراً ایمان لائیں گے"۔ ناگاہ بجلی چمکی۔ آسمان پر کڑکا ہوا اور یسوع جلال کی شعاعوں میں ارغوانی بادل کے اندر، ہوا میں نمودار ہوا۔ ہاتھ میں تلوار تھی۔ سر پر گراں بہا تاج تھا۔ مجمع کے برابر کھڑے ہو کر بڑی آواز میں گویا ہوا "ہاں دیکھو! میں تمہاری نگاہوں کے سامنے ہوں۔ مجھی کو تمہارے باپ داداؤں نے مار ڈالا تھا"۔

---

[1] طبری کی روایت ہے کہ فاتحین یمن (ابرہہ) نے ذوالیزن کی بیوی زبردستی چھین کر اپنی محل میں رکھ لی تھی معدی کرب سیف بن ذوالیزن نے اسی کے گھر میں پرورش پائی۔

عیسائیوں نے گڑگڑا کر کہا "خداوند! اے خداوند! ہم پر رحمت ہو۔" تمام یہودی اندھے ہوگئے، پھر جب تک بتپسمہ نپایا آنکھیں نہ ملیں۔[1]

عربی روایتوں میں اس قصہ کا ذکر نہیں لیکن اسی کے مقابل میں یہ قصہ البتہ مذکور ہے کہ جب تبع ابوکرب نے یہودیت قبول کی تو یمنی ستارہ پرستوں نے اس مذہب کی صحت تسلیم نہ کی۔ آخر معاملہ اس پر محوّل ہوا کہ فلاں غار سے ایک آگ نکلتی ہے جو ناحق کو جلادیتی ہے اور اہلِ حق کا بال بھی بیکا نہیں کرتی۔ چنانچہ یہودیوں کے احبار اور بت پرستوں کے کاہن توراۃ اور اپنے بت ہاتھ میں لے کر گئے۔ وقتِ مقرّرہ پر آگ نکلی۔ دنیا دھوئیں سے تاریک ہوگئی۔ جب روشنی پھیلی تو کاہن اور ان کے بُت خاک کے ڈھیر تھے اور احبار صحیح وسالم غار کے دہانہ پر توراۃ پڑھتے ہوئے نظر آئے۔[2]

عجب نہیں کہ یہ دونوں قصے ایک ہی اصل کے دو عکس ہوں ہر ایک فریق نے اپنے مطلب کے مطابق اس کو پھیلایا ہے۔

ابرہۃ الاشرم بقولِ عرب ارباط نے یمن پر بیس برس حکومت کی۔ اس اثنا میں حبشی فوج نے بغاوت کی۔ ابرہہ ایک حبشی سردار اس باغی جماعت کا سرِ عسکر بن گیا۔ لفظ "ابرہہ" لفظ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے اور چونکہ نک کٹا تھا اس لیے "اشرم" کہلاتا تھا۔ عرب اس کو حبش کے شاہی خاندان سے سمجھتے ہیں۔ بہرحال ارباط اس فتنہ میں مارا گیا اور ابرہہ تنہا یمن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ ارباط کے اختتام اور ابرہہ کے آغازِ حکومت کی تاریخ نہیں معلوم ہے لیکن ابرہہ کے ایک ابتدائی کتبہ پر سنہ ۶۵۷ یمنی جو مطابق سنہ ۵۴۳ء ہے، تاریخ ثبت ہے۔ اگر ہم اسی کو آغاز سال فرض کرلیں تو ارباط کی مدتِ حکومت اٹھارہ سال ہے جو سنہ ۵۲۵ء سے شروع ہوکر سنہ ۵۴۲ء پر ختم ہوتی ہے۔

سنہ ۵۴۳ء میں ابرہہ نمودار ہوتا ہے۔ اسی زمانہ کے ایک عیسائی مصنف پروکوپیس

---

[1] سیل کا مقدمۂ ترجمۂ قرآن، [2] تاریخ طبری۔

کا بیان اس کے متعلق حسبِ ذیل ہے:

"ابرہہ ایک رومی غلام تھا جو زیلع[1] میں رہتا تھا۔ شاہ حبش یا اصحمہ کے خلاف جس فوج نے بغاوت کی تھی، اس کا سردار بن گیا۔ سمیفع جو بادشاہ کی طرف سے یمن کا نائب تھا اس کو قید کر لیا۔ اس کے مقابل جو فوج بھیجی گئی اس کو شکست دی۔ اس اثنا میں بادشاہ مر گیا۔ اس کے جانشین نے ابرہہ سے صلح کر لی اور اپنی طرف سے اس کو یمن کا نائب بنایا۔[2]"

بجز ابرہہ کے رومی غلام ہونے کی عربی روایتیں حرف حرف اس کے مطابق ہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہیں۔ ابرہہ کی بغاوت، ارباط نامی سردار کا آنا، ابرہہ کے غلام کے ہاتھ سے دھوکے سے اس کا قتل ہونا، نجاشی کی خاکِ یمن کی پامالی اور ابرہہ کا خونریزی کی قسم کھانا، ابرہہ کا ایک شیشی میں نشتر سے اپنا خون نکال کر اور یمن کی تھوڑی مٹی بادشاہ کے پاس بھیجنا کہ بادشاہ پاؤں تلے یہ مٹی رکھ کر ابرہہ کا خون بہا دے اور قسم پوری کر لے۔ یہ تمام واقعات عربی تاریخوں میں مفصل مذکور ہیں۔

ابرہہ کو جب اِدھر سے اطمینان ہوا تو تمام ملک میں عامل مقرّر کیے۔ عیسائیت کی ترویج کی۔ بڑے بڑے شہروں میں کنیسے تعمیر کیے۔ سب سے بڑا کنیسہ صنعاء میں تعمیر ہوا، جس کو عرب "القلیس" کہتے ہیں جو یونانی کلیسا کی تعریب ہے۔

ابرہہ کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ سدّ عرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے جس سے چار نہایت اہم واقعات معلوم ہوئے ہیں۔

(۱) سنہ ۶۵۷ یمنی مطابق سنہ ۵۴۳ء میں ابرہہ کے خلاف اہلِ یمن نے بغاوت کی جس میں خود ولی عہد بھی شریک تھا۔

(۲) اسی سنہ میں سدّ عرم آخری بار منہدم ہوا۔

---

[1] زیلع افریقی ساحل پر یمن کے مقابل ہے، اب اس کو اریٹیریا کہتے ہیں اور اٹلی کے زیرِ حکومت ہے، عہدِ اسلام میں یہاں بہت سے مصنفین پیدا ہوئے۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ ابرہہ،

(۳) ابرہہ عیسائی تھا اور مارب میں ایک بہت بڑا گرجا اس نے تعمیر کیا تھا۔

(۴) اسی سنہ میں نجاشی حبش، قیصرِ روم، منذر شاہِ حیرہ اور منذر بن جبلہ شاہ غسّان کے سفیر اس کے دربار میں آئے۔

اصل کتبے کے اہم فقرے یہ ہیں:

(۱) "رحمان الرحیم" اور اس کے مسیح، اور روح القدس کی مہربانی سے: ابرہہ اکسومی حبشیوں کا رئیس اور اراحیس ذبیمان شاہِ حبش کا محکوم، شاہِ سبا و ذوریدان و حضرموت ویمنات و تہامہ و نجد، یہ یادگار قائم کرتا ہے کہ اس نے اپنے عامل یزید بن کبشہ پر فتح پائی جس کو اس نے کندہ اور روی پر حاکم بنایا تھا اور سپہ سالار مقرر کیا تھا اور رؤسائے سبا (اقیالِ سبا) اس کے ساتھ تھے اور وہ مرّہ، ثمامہ، حنش، مرثد اور صف قلعہ دار (ذو) خلیل، اور آل یزن رؤسائے (اقیال) معدی کرب ابن سمیفع اور ہفان اور اس کے ہم برادر فرزندان اسلم تھے، بادشاہ نے اس کے مقابلہ میں جرّاح قلعہ دار (ذو) زنبور کو بھیجا۔ یزید نے اس کو مار ڈالا اور قصر کدار کو ڈھا دیا۔ اور کندہ حریب اور حضرموت کے قبائل سے اس نے جمعیت اکٹھا کی۔ ..... بادشاہ کو خبر ملی تو اپنی حِیری و حبشی فوج ہزاروں کی تعداد میں ماہ ذوالقیاظ سنہ ۶۵۷ یمنی (مطابق سنہ ۵۴۳ء) میں لے کر چلا۔ جب مارب (سبا) کی وادیوں میں پہنچا تو یزید خود آیا اور تمام سرداروں کے سامنے اس کی اطاعت قبول کر لی۔"

(۲) اسی اثنا میں مارب کے بند (سدّ) کی دیوار، حوض اور دروازوں کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالمدرح سنہ ۶۵۷ یمنی (مطابق سنہ ۵۴۳ء) میں آئی۔ قبائل کو فرمان بھیجا کہ پتھر، لکڑی اور سیسہ بند کے درست کرنے کے لیے مہیا کریں۔ بادشاہ پہلے مارب گیا اور وہاں کے کنیسہ میں نماز ادا کی، پھر موقع پر گیا، نیو کھودی گئی اور تعمیر شروع ہوئی۔

(۳) بادشاہ حسبِ ذیل امراء (اقیال) سے معاہدہ کر کے واپس آیا، شہزادہ اکسوم قلعہ دار معاہرہ فرزند بادشاہ، مرجزف قلعہ دار، ذرناح، عادل قلعہ دار فانش اور قلعہ داران

شولمان، شعبان ارعین اور ہمدان وغیرہ......

(۴) رحمان کی عنایت سے نجاشی، قیصر روم، منذر (شاہ حیرہ) اور حارث بن جبلہ (شاہ غسان) اور دوسرے بادشاہوں کی طرف سے سفر، دوستی اور محبت کے لیے ماہ دوان سنہ ۶۵۷ یمنی (سنہ ۴۳ھ) میں آئے....."

واقعۂ فیل ابرہہ کے زمانہ کا سب سے بڑا عظیم الشان واقعہ سنہ ۵۷۰ میں مکہ پر فوج کشی ہے۔ اس مہم میں چونکہ حبشی ہاتھی لے کر آئے تھے، اس لیے عرب اس مہم کو واقعۃ الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک اسی سال اس واقعہ کے چالیس روز بعد ہوئی تھی۔

عرب مؤرخین کی روایت کے مطابق اس مہم کا مقصد صرف تخریب کعبہ تھی۔ یورپین مصنفین کہتے ہیں یہ واقعہ ضمنی پیدا ہو گیا ہوگا ورنہ اصل غرض روم و فارس کی باہمی جنگ میں صحرائے حجاز کو عبور کر کے ہم مذہب رومیوں کی اعانت تھی۔ ہم کو اصل و ضمن سے بحث نہیں تواتر نقل سے اتنا جانتے ہیں کہ یہ واقعہ ہوا، اور بس۔

ابرہہ کے کتبۂ عرم کے جو فقرے ہم نے اوپر نقل کیئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ یمن کے علاوہ تہامہ کا بھی جہاں کعبہ واقع ہے اپنے کو بادشاہ سمجھتا ہے۔ کتبہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ایک گرجا مارب میں بنوایا تھا۔ اہلِ عرب کی روایت اس واقعہ کے متعلق یہ ہے، اور جو قرب زمانہ کی وجہ سے یقیناً صحیح ہوگی، ابرہہ نے عیسائیت کی ترویج کی غرض سے صنعاء میں ایک بڑا اور عظیم الشان کلیسا تعمیر کیا تھا اور اس کا نام کعبہ رکھا تھا۔ غرض یہ تھی کہ عرب اصلی کعبہ کو چھوڑ کر ادھر جھکیں۔ عربوں میں کعبہ کی چونکہ بڑی عظمت تھی اور عرب کے ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگ اس کی برابر عزت کرتے تھے[1] اس لیے اس سے ان میں برہمی پیدا

---

[1] اس کی دو دلیلیں ہیں۔ اول یہ کہ کعبہ میں ابراہیمؑ (یہود) مسیح اور مریم (عیسائی) کی تصویریں اور تمام قبائل کے بت تھے۔ ثانیاً یہ کہ نصرانی شعرائے جاہلیت کے کلام میں بھی مشاعر کعبہ اور ارکانِ حج کی عظمت مذکور ہے۔

ہوئی۔ ایک عرب نے رات کو چھپ کر اس کلیسا کو نجس کر دیا۔ ابرہہ اپنے مقدس معبد کی بے حرمتی دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ فوج جرار اور چند ہاتھی لے کر کعبۂ ابراہیم کو ڈھانے نکلا۔ راہ میں عرب کے متعدد قبائل بڑھ بڑھ کر ابرہہ پہ حملہ آور ہوئے لیکن ہزیمت اٹھا کر پسپا ہو گئے، جب یہ ہاتھیوں کا دل اور آدمیوں کا جنگل وادیٔ مکہ کے قریب پہنچا، دفعتاً کسی سمت سے پرندوں کا غول در غول نمودار ہوا۔ ان کے منہ اور پنجہ میں کنکریاں تھیں۔ یہ کنکریاں جس پر گریں اس کا بدن پھوڑ کر نکل آئیں۔ اعضاء سڑنے گلنے لگے۔ ہاتھی چنگھاڑ مار مار کر پیچھے ہٹ گئے۔ چند منٹ میں تمام لشکر زیر و زبر تھا۔ عرب میں چیچک کی بیماری اسی سال پیدا ہوئی[1]۔

واقعہ کے اخیر فقرہ سے مؤرخینِ یورپ نے یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ اصل واقعہ اتنا ہے کہ ابرہہ رومیوں کی مدد کو فوج لے کر نکلا۔ راہ میں اس کی فوج چیچک کی وبا سے برباد ہو کر رہ گئی[2]۔ حبش میں اسی زمانہ میں چیچک کی وبا کا پھیلنا غیر اسلامی روایت سے ثابت ہے۔ چنانچہ حبش کے ایک سیاح نے اپنے سفرنامہ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے[3]۔ چیچک کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اس بیماری کا نشو، اور ترقی تقریباً اسی زمانہ سے ہے۔

قرآن مجید نے ان ہی واقعات کو سورۃ الفیل میں بیان کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ
الْفِيلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ
فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ
طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ
مِّنْ سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ
كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے
ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اس نے
ان کی مخفی تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا؟ اس
نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے۔ وہ
پرندے پتھر مارتے تھے پھر خدا نے ان کو
کھائے ہوئے بھس کے مانند کر دیا۔

(الفیل: ۱-۵)

---

[1] طبری و ابن اسحاق [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، اصحاب الفیل [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لفظ "اسمال پاکس"

جمہور کے نزدیک ان آیات کی تفسیر تو وہی ہے جو عام روایت کے مطابق ہے ۔ پرندوں کا پتھر برسانا اور اس سے ایک فوج کی فوج کا ہلاک ہو جانا تعجب انگیز واقعہ ہے لیکن محال نہیں۔ ممکن ہے کہ ان کنکریوں میں چیچک کے وبائی جراثیم ہوں۔ اس واقعہ کی صحت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ یہ سورہ اس واقعہ کے تقریباً پچاس برس بعد نازل ہوئی۔ اس وقت بہت سے اشخاص حملۂ حبش کے چشم دید گواہ موجود ہوں گے جنھوں نے اپنے بزرگوں سے اس واقعہ کو سُنا ہو گا۔ تاہم کسی نے اس وحیُ الٰہی کی تکذیب نہ کی۔ سر سیّد نے اس سورۃ کی جو تفسیر تہذیب الاخلاق میں لکھی تھی اور جس سے اس واقعہ کے عجوبہ پن کو دُور کرنے کی کوشش کی تھی وہ سر تا پا لغو اور اغلاط سے مملو ہے۔ طیر کا لفظ "بد فالی" اور کنایتہً "بلا" کے معنی میں کبھی نہیں آئے۔ وہ طائر کا لفظ ہے اور اس سے مزعوماتِ عرب کے مطابق "فالِ بد" مراد ہوتی ہے۔ "فالِ بد" کے معنی میں ارسال کے ساتھ بھی اس لفظ کا استعمال نہیں ہوا ہے۔

ان آیات کے ایک اور معنی نظام القرآن کے مصنف[1] نے اختیار کیے ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حد تک صحیح ہوں۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ عربوں کا عام بیان یہ ہے کہ جب کوئی فوجِ گراں کسی طرف کا رُخ کرتی ہے تو مردہ خوار پرندوں کا غول ساتھ ساتھ ہوا میں اُڑتا چلتا ہے۔ نابغہ کہتا ہے:

> "ان کے پرچم کے ساتھ ساتھ پرندوں کا غول چلتا ہے۔"

ابو نواس کا شعر ہے:

> "ہمارے ممدوح کی فوج کے ساتھ پرندے ہیں کیونکہ اس کے فاتح ہونے کا ان کو یقین ہے۔"

سنہ ۳۶ھ میں بصرہ میں جنگِ جمل واقع ہوئی تھی۔ حجاز میں اس لڑائی کا حال اسی دن معلوم ہو گیا تھا کیونکہ غول در غول پرندے کٹے ہوئے اعضا چنگلوں اور چونچوں میں لیے ہوئے اِدھر اُدھر اڑ رہے تھے[2]۔

---

[1] مولانا حمید الدین صاحب فراہی (مرحوم) [2] تاریخ طبری ذکر واقعۂ جمل ۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ "تَرْمِیْ" کا فاعل طَیْر نہیں ہے بلکہ اَنْتَ ہے جو اَلَمْ تَرَ کا فاعل بھی ہے۔ اس تفسیر کے رُو سے آیت کے معنی یہ ہوں گے:

> "تو نے دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی مخفی تدبیر کو بیکار نہیں کر دیا۔ اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے۔ تو ان ہاتھی والوں کو پتھروں سے مارتا تھا۔ پھر خدا نے ان کو کھائے ہوئے بھُس کے مانند کر دیا۔"

خدا اس سورہ میں متعدد احسانات گناتا ہے۔ اوّل یہ کہ اس نے ان کی تدبیر بیکار کر دی۔ دوسرا یہ کہ اس نے ان کے ساتھ ساتھ پرندوں کے غول بھیجے کہ ان کی لاشوں کی نجاست سے صحنِ حرم کو پاک کر دیں۔ تیسرا یہ کہ اتنے بڑے لشکر کو صرف بدویانہ سنگ اندازی سے شکست دے دی۔

ختم شد

حصّہ اوّل